قرآنی شعورِ انقلاب

از :

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب :

شیخ بشیر احمد لدھیانوی و غازی خدا بخش رحمہما اللہ

نظرِ ثانی و تحقیقِ مراجع

حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی مدظلہ

مکی دار الکتب
32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر
چوک اے جی آفس۔ لاہور
فون : 7239138

نام کتاب	:	قرآنی شعور انقلاب
مصنف	:	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
جمع و ترتیب	:	شیخ بشیر احمد و غازی خدا بخشؒ
تحقیق مراجع	:	مفتی عبدالغنی قاسمی صاحب مدظلہ
اشاعت سوم	:	مارچ 1999ء
مطبع	:	قدرت اللہ پرنٹنگ پریس، لاہور
اہتمام	:	محمد عباس شاد
ناشر	:	محبوب الرحمٰن انور
برائے	:	مکی دار الکتب لاہور Ph. 7241778
قیمت	:	250/=

اجمالی فہرست

☆ ☆ ☆

فہرست مضامین قرآنی شعور انقلاب

قرآنی اساس انقلاب

قرآنی اصول انقلاب

فہرست مضامین سورہ الجمعہ

قرآنی حزب انقلاب

قرآنی اقدام انقلاب

قرآنی قانون انقلاب

سورہ المنافقون۔

قرانی فکر انقلاب

قرآنی دستور انقلاب

قرآنی جنگ انقلاب

فہرست مضامین سورہ الصف

قرآنی عنوان انقلاب

نقش اول

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری افادات "انقلاب سیریز کا مجموعہ" "قرآنی شعور انقلاب" جس میں ① دستور انقلاب ② فکر انقلاب ③ اصول انقلاب ④ عنوان انقلاب ⑤ حزب انقلاب ⑥ اقدام انقلاب ⑦ اساس انقلاب ⑧ جنگ انقلاب ⑨ قانون انقلاب کے علاوہ سورۃ جمعہ، سورۃ منافقون، اور سورۃ الصف کی تفاسیر بھی شامل ہیں جو اس سے قبل ہفت روزہ "خدام الدین" میں بھی قسط وار چھپ چکی ہیں۔

"قرآنی شعور انقلاب" کے پہلے ایڈیشن میں سورہ منافقون کی تفسیر نامکمل تھی اس ایڈیشن میں سورۃ منافقون کی تفسیر مکمل ہے اسی طرح شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن سے چھپنے والا رسالہ "اقدام انقلاب" تفسیر سورۃ حشر کی چند آخری سطور بھی پہلے ایڈیشن میں نہیں چھپیں تھیں اس بار وہ بھی ہمیں دستیاب ہو گئیں اور اس ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کر دیا گیا ہے۔

آخری تین سورتوں اور اقدام انقلاب کی آخری چند سطور کی دستیابی پر ادارہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب مدظلہ کا مشکور ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی مدظلہ بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب پر نظرثانی اور تحقیق مراجع فرما کر اس کی افادیت کو دو چند کیا۔ آخر میں ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعوان صاحب مدظلہ چیئرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کے بھی ہم تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے فاؤنڈیشن سے چھپنے والے تفسیری کتابچے اس مجموعہ میں شامل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے شروع میں حرف خیال لکھا اور اس مجموعہ کا نام "قرآنی شعور انقلاب" تجویز فرمایا۔

محمد عباس شاد

نومبر ۱۹۹۷ء

نقش ثانی

گذشتہ کئی برسوں سے سامراج نے ولی اللہی فکر اور اس کے مفکرین و سکالرز کو مسلمانوں کے ذہنوں سے محو کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا خصوصاً پاکستان میں تو نام نہاد اسلام پسندوں نے نوجوان نسل کو اس فکر سے بے بہرہ رکھنے میں اپنی آخری کوشش کو بھی صرف کر ڈالا۔ مگر الحمدللہ اب پاکستان کا نوجوان گذشتہ پچاس سالہ فکری غفلت سے بیدار ہو رہا ہے اس کا واضح ثبوت ولی اللہی فکر کے مسلمہ شارح امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تصنیفات کی مقبولیت ہے مولانا سندھیؒ نے فرمایا تھا۔
جب نوجوان میرے افکار کو سمجھے گا تو وہ نظریات کی ایک ہسٹاریکل عمارت کھڑی کر دے گا۔

اب وہ وقت آپہنچا ہے کہ نوجوان ولی اللہی لٹریچر میں غیر معمولی دلچسپی لینے لگا ہے یہی وجہ ہے کہ زیر نظر تصنیف کا تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے سابقہ ایڈیشنز میں قدرے کتابت کی غلطیاں رہ گئی تھیں اس ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے اس سلسلے میں ہم اپنے دوست "وسیم اعجاز" اعجاز منزل " چونڈہ" کے انتہائی ممنون ہیں کہ انہوں نے انتہائی عرق ریزی سے سابقہ ایڈیشن میں غلطیوں کی نشاندہی کی اور ہمیں مطلع کیا ہم اپنے تمام قارئین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ اپنے زیر مطالعہ کتب میں اگر کوئی پروف کی غلطی پائیں تو ہمیں ضرور مطلع کریں تاکہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔ انشاء اللہ یہ ادارہ آپ کی آراء اور تجاویز سے "ولی اللہی فکر" کو کامیابی سے اگلے مرحلے میں لے جانے کا سبب بنے گا۔

محمد عباس شاد

2-3-99

کلمات طیبات:۔

"ہم ۱۹۳۹ء میں واپس وطن پہنچے اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے' مولوی بشیر احمد صاحب بی۔ اے لدھیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لئے مسلسل ملتے رہے' وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے کئی سو صفحات تیار کر لئے۔ انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصے پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا اس لئے وہ ہمارے طرز تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجا سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ اب ان کی خواہش ہے کہ ہمارا فکر لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعے سے پھیلائیں۔

ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلق علمی مرکز میں جس کا نام "محمد قاسم ولی اللہ کالج آف تھیالوجی" تجویز کیا ہے۔ ایسے ہی استاد کی ضرورت تھی ہم نے انہیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنالیا ہے۔ انہوں نے اپنے افکار کا نمونہ سورہ مزمل اور سورہ مدثر کی تفسیر میں پیش کرنا پسند کیا ہے۔

ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کرلی ہیں۔ مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔ اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظر ثانی منظور کی ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یاد داشتیں اس طرز تفکر کے مطابق بنا لیں۔

واللہ المستعان۔

عبید اللہ سندھی

حرف خیال

قرآن حکیم ' انسانی ' سماج کو صحت مند خطوط پر استوار کرنے کا نقیب یزداں ہے۔ اس نے انسانی نفسیات کے نشیب و فراز ملحوظ رکھتے ہوئے سماجیات کے ارتقاء کے لیے صراط مستقیم کا تعین کیا جس کی بنا پر وہ صدیوں سے اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور اس کی یہ موجودگی انسانیت کو درپیش گمبھیر اور پیچیدہ مسائل کے حل کیلئے ایک موثر اور قابل عمل دعوت دے رہی ہے۔

اسی بنا پر قرآن حکیم کی حکمت کی تعبیر و ترجمانی ہر دور میں فاضل مفسرین کرام اپنے شعور و بصیرت اور معروضی حالات کے تناظر میں اپنی بساط کے مطابق کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی قابل قدر کاوشوں کے نتیجے میں ایک شاندار ذخیرہ اسلامی ورثہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن دنیا جب صنعتی و سماجی انقلابات سے دوچار ہونے کے باعث ایک نئے دور میں داخل ہوئی تو اس کے تقاضے یکسر متنوع اور مختلف ہو گئے ' پھر اس عرصہ میں سوء اتفاق سے مسلم معاشرے بھی سماجی و علمی طور پر پسماندگی سے دوچار ہو گئے یوں زوال کی ہمہ گیر صورت حال نے مجموعی طور پر دماغوں کو ماؤف اور اعضاء و جوارح کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ان حالات میں برعظیم کی خوش قسمتی تھی۔ کہ دہلی میں امام شاہ ولی اللہ کی صورت میں وہ نبض شناس عصر ماہر حکمت پیدا ہوتا ہے جس نے تفسیر' حدیث' فقہ' کلام و تصوف جیسے بنیادی اسلامی علوم کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ مسلم معاشروں کے مدوجزر کا بھی وہ دوررس نگاہوں سے جائزہ لیا گردوپیش کے حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر نئے دور کے تقاضوں کی نشاندہی کر کے انقلابی و ارتقائی مراحل کی نشاندہی کی۔ بعدازیں ان ولی اللہی علوم و معارف کی ترجمانی کی سعادت موجودہ صدی کی نابغہ روزگار شخصیت مولانا عبیداللہ سندھی کو حاصل ہوئی۔

مولانا سندھی کو اپنے دور کے مستند علماء ربانی اور صاحب دل مشائخ کی صحبت میں اپنی زندگی کے وہ قیمتی ایام گزارنے کا شعوری موقعہ ملاجن میں انسان کی سوچ کے زاویئے متعین ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے محبوب استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن سے ولی اللہی حکمت سے ایسی گہری وابستگی کا سبق حاصل کیا کہ دنیا کے بڑے بڑے انقلابات تک اس کو متزلزل نہ کر سکے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کے حوالہ سے صنعتی دور کے پر پیچ مسائل کے حل کی ایسے انقلابی راہ کی نشاندہی کی کہ عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں کسی احساس شکست و مرعوبیت کی بجائے دین اسلام کی حیات آفرینی کا خوشگوار احساس ہوتا ہے۔

مولانا سندھی کی جانب سے قرآنی حکمت کی ترجمانی کا انداز یقیناً دیگر مفسرین کے انداز بیان سے مختلف ہے لیکن یہ اختلاف مسائل کے ادراک اور ان کے حل کے لئے روح عصر تک رسائی کا اختلاف ہے۔ یہ کسی بنیادی اسلامی عقیدہ یا اجتماعی موقف سے اتفاق یا انحراف پر مبنی حقیقی اختلاف نہیں بالفاظ دیگر یہ دلیل و برہان کا اختلاف نہیں بلکہ عصرو زمان کا اختلاف ہے۔ جس کی بناء پر اسلام و کفر کے پیمانوں میں تول کر جنگ و جدل یا طعن و تشنیع کا ماحول گرم کرنے کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے لیکن تنگ نظر عناصر اس حوالہ سے گنجائش نکال ہی لیتے ہیں۔

مولانا سندھی کی زبان سے بے پناہ علمی وسعت 'شعوری عمق' وسیع مشاہدہ' متنوع تجربات اور اعلیٰ دماغ کے حامل ہونے کے سبب " اناولاغیری " کا نعرہ بلند ہونا کسی اچنبھے کی بات نہ ہوتی لیکن مشائخ ربانی اور علماء حقانی کی صحبت و رفاقت میں زانوئے تلمذ و ارادت طے کرنے کی وجہ سے ان میں ایسا ٹھہراؤ اور جامعیت آگئی کہ وہ ایک طرف قرآنی حکمت کے بحر بے کراں میں غوطہ زن ہیں تو دوسری طرف وہ سنت کو اس کا حقیقی مقام دینے پر کسی معذرت خواہانہ رویہ کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ انکار حدیث کو قرآنی حکمت کے معاشرے میں ظہور کے بنیادی تقاضے کے

منافی سمجھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ فقہاء کرام کی کاوشوں کو سماج کے ارتقاء کا ایک ناگزیر تقاضہ گردانتے ہیں اور پھر وہ مسلم دنیا پر چھائی ہوئی مرعوبیت کے بوجھل ماحول میں تصوف کی اہمیت پر گفتگو اس انداز سے کرتے ہیں کہ تصوف ایک ترقی پذیر اور ترقی یافتہ معاشرے کی ناگزیر ضرورت قرار پاتا ہے۔ اور یوں وہ تمام اعتراضات ازخود اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں جو ان پر اجنبی اور غیر مسلم ماحول سے متاثر ہونے کے حوالہ سے عائد کئے جاتے ہیں اور جن کی تان ان کے ایمان تک کو مشکوک بنانے کے حد درجہ افسوسناک مرحلہ پر ٹوٹتی ہے۔

مولانا سندھی نے عصر حاضر میں تجدیدی کام کے لئے جس طریقے کی نشاندہی کی ہے وہ پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے کہ قرآن و سنت کو سمجھنے اور سمجھانے ان کے مقاصد اور مطالب کو ملت اسلامیہ کے ذہن نشین کرانے اور ان کو ملی فکر و عمل میں رچانے کے سلسلہ میں ہماری تاریخ میں اب تک جو علمی کوششیں ہو چکی ہیں آج ان کا پورا احاطہ کیا جائے، ان کے کھرے کھوٹے کو پرکھا جائے، فقہ اسلامی اب تک جن ادوار سے گزر چکی ہے اور خاص حالات اور مخصوص اسباب نے اس فقہ کو جیسے جیسے قالبوں میں ڈھالا تھا اور مسلمان قانون سازوں نے شرعی احکام کی تشکیل میں جن مصالح کو پیش نظر رکھا تھا ان کا جائزہ لیا جائے۔ نیز احادیث کی جمع و تدوین میں مختلف محدثین کا کیا مسلک تھا؟۔ احادیث کے مجموعوں میں کون سی کتاب اقرب الی الصواب ہے اور ہم کس نظر سے احادیث کو جانچ پرکھ کر آج اس زمانے میں ملت کے لئے ان کو اسوہ عمل بنا سکتے ہیں۔ اس کا تعین کیا جائے۔ پھر قرآن کے حقائق و مطالب کی کنہ تک پہنچنے کے لئے ہمارے مفسرین اب تک کیا کیا کوششیں کر چکے ہیں۔ ان کا پورا احصاء کر کے قرآنی تعلیمات کو سمجھا جائے۔ اس کے بعد تصوف اور علم کلام آتے ہیں۔ علم کی ان دو شقوں میں مسلمان صوفیاء اور متکلمین نے حکمت و معرفت کا ایک لازوال ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے انسانی ذہن بڑا فیضان حاصل کر سکتا ہے۔ تصوف و کلام کے اس اثاثے کو

بھی تحقیق و تنقید کی نظر سے دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۲۱'۲۲)

مولانا سندھی نے قرآنی حکمت کو معروضی حقائق کے حوالہ سے آشکارا کیا ہے۔ یوں انہوں نے آج کے سوچنے والے دماغوں کو دین کی طرف لانے کی سعی مشکور انجام دی ہے۔ انہوں نے قرآنی حکمت کو آج کی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھا لکھا نوجوان اس کا شعور اور ادراک حاصل کرکے دین بیزار سامراجی حلقوں کی حکمت عملی کے سحر سے باآسانی نکل سکتا ہے۔ مولانا سندھی کا روئے سخن مغرب کے سماجی و عملی چنگل میں گرفتار نوجوان کی طرف ہے۔ وہ اس میں ملی خودی اور قومی حمیت بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی طور پر اپنے سے پہلے مفسرین کی کاوشوں کی نفی کرنا نہیں بلکہ وہ تو اکثروبیشتر اپنی اجتہادی رائے تک کو ماضی کے معتبر و مستند مفسرین کی تائید کے بغیر پیش کرنے سے احتیاط برتتے ہیں وہ خود کہتے ہیں۔

" قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے۔ وہاں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اصول کو اپنے لئے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبدالعزیز' شاہ رفیع الدین' مولانا اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے اقوال کو حجت بنایا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر و رائے کی بناء پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کردیں مگر جن چیزوں میں آئمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں اباء نہ کریں " (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۸۶)۔

زیر نظر تفسیری مجموعہ میں مولانا سندھی کے حوالہ سے قرآن حکیم کی حکمت کو

عصری انداز فکر کے حوالہ سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے گہرے مطالعہ سے قاری بالخصوص باشعور نوجوان اپنے فکری اضطراب، علمی تشنگی اور روحانی قلق کی جگہ شعور و بصیرت پر مبنی اطمینان قلب اور فکری بالیدگی محسوس کرے گا۔ اس تفسیری مجموعہ کے فاضل مرتبین مرحوم شیخ بشیر احمد لدھیانوی وغیرہ نے ان تفسیری ارشادات کو جس جانفشانی اور ذمہ داری سے علمی حلقوں تک پہنچایا ہے اس پر وہ بے پناہ دعاؤں اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ فاضل مرتبین نے اس مجموعہ میں چند ایک مقامات پر اپنے ذاتی خیالات کا بھی اظہار کیا ہے کہ ان کو ولی اللہ انداز فکر اور تاریخ واقعات کے حوالہ سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

قبل ازیں اس مجموعہ میں شامل قرآنی سورتوں کی تفاسیر علیحدہ علیحدہ کتابچوں اور پمفلٹوں کی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اب پہلی بار مکی دارالکتب لاہور نے حسن اہتمام کے ساتھ ان کو یکجا شائع کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ جس سے قرآنی معارف کے شائقین کو مطالعہ کے حوالہ سے کافی سہولت ہوگی۔

مزید برآں اس مجموعہ میں شامل مختلف کتب کے حوالہ جات کی بھی از سرنو تحقیق و تفتیش کی گئی ہے جس سے اس مجموعہ کی افادیت مزید مستحکم اور تحقیقی نوعیت مستند ہوگئی ہے۔ تحقیق مراجع کی یہ سعادت معروف ولی اللہی عالم دین مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی نے حاصل کی۔ یوں یہ تفسیری مجموعہ ظاہر و معنوی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔

اس تفسیری مجموعہ کو اس انداز میں منظر عام لانے پر مکی دارالکتب لاہور ہدیہ تشکر کا مستحق ہے اللہ تعالی اس کو نافع بنائے اور اس کے مطالعہ کو انفرادی و اجتماعی

زندگیوں میں منعکس فرمائے۔ آمین۔

(ڈاکٹر مفتی) سعید الرحمان
استاد جامعہ بہاؤالدین زکریا ملتان۔
یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

مقدمہ:

دنیا میں جب مادہ ترقی کرتے کرتے شعور کا تھوڑا سا اظہار کرنے لگتا ہے تو اس میں زندگی کی کھینچا تانی یا کشمکش (Straggle for Existance) شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جانداروں کی سب سے نچلے درجے کی شکل امیبا (Amoeba) ہے۔ جو ایک خلیے کا جاندار (Monocellular Organism) ہے۔ اسے بھی اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ حرکت اور کوشش کرنی ہی پڑتی ہے۔ جانداروں میں جوں جوں جسمانی بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کشمکش شدید ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شیر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھانے اور وہیل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جانے کو لپکتی ہے۔

ان حیوانوں میں، جہاں تک اپنی حیوانی ضرورتیں حاصل کرنے کے لئے لڑنے اور مارنے کا تعلق ہے۔ رحم یا انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ فطرت نے انہیں ان باتوں کے سوچنے کے لئے پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن جونہی حیات (زندگی) حیوانیت سے ذرا اوپر اٹھتی ہے اور اس میں تعقل کا نور روشن ہوتا ہے۔ زندگی کی کھینچا تانی صرف حیوانی اصول پر کام کرنے کی جگہ عقل کے نیچے آجاتی ہے۔ اور اب انصاف اور رحم کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بے عقل حیوانی طبقے میں بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا قانون جاری تھا تو حیوانوں کے عقلمند طبقے یعنی انسانوں میں بقاء اتقی یا انفع (Survival of the best) کا

قانون اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اسی بات کو ذرا کھول کر بیان کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حیوانوں میں زندگی کی جو کشمکش جاری ہے۔ اس میں فقط وہی حیوان زندہ بچتے ہیں جو اپنے اردگرد کے حالات سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں ۔ جسمانی طاقت اور دشمن سے بچنے کے ذریعوں کے مالک ہوں۔ روزمرہ کی زندگی میں چالاکی ' پھرتی اور ہوشیاری سے رہنے کے لائق ہوں اور بھوک سہنے کے لحاظ سے دوسرے جانوروں سے بہتر ہوں لیکن انسانی سوسائٹی میں زندگی کی کھینچا تانی صرف اوپر بتائی ہوئی چیزوں میں گھری ہوئی نہ رہی بلکہ عام لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے ' انصاف قائم کرنے ' خوبصورتی سے محبت اور اپنے آپ کو بری عادتوں سے پاک کرنے کے خیال کو بھی اس کھینچا تانی میں دخل ہو گیا اس لئے اب یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ حیوانی زندگی کی کھینچا تانی انسانی اصول کے نیچے آگئی۔ اس لئے انسانی جماعتوں میں سے وہ جماعت انسانی حیثیت سے ۔۔۔۔۔ حیوانی حیثیت سے نہیں بلکہ انسانی حیثیت سے ۔۔۔۔ زیادہ دیر تک زندہ رہے گی۔ جس میں عام انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف کرنے کا جذبہ خوبصورتی سے محبت اور اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا خیال زیادہ ہو گا اور جس میں ان باتوں پر زیادہ زور سے اور زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کام ہوتا ہو گا۔ ایسی قوم زیادہ متقی ۔۔ اتقی ۔۔ کہلائے گی۔[1]

قرآن حکیم کی اس آیت ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (۴۹. ۱۳) (خدا کے نزدیک تم سب میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈر کر عدل کے قانون کی زیادہ پیروی کرتا ہے) میں اسی اصول کی طرف اشارہ ہے سیدنا عبدالقادر جیلانی تقوی کے معنی میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتای ذی القربی الایہ (۱۶۔۹) پس عدل قائم کرنا تقوی کا سب سے ضروری نتیجہ ہے۔ (مرتب)

جب کوئی انسانی سوسائٹی کش مکش کے فقط حیوانی اصول پر اتر آتی ہے وہ انسانیت کے اونچے درجے سے گر جاتی ہے اور بہتر انسانی اصول پر کام کرنے والی جماعت (جماعت اتقی) یا تو اسے بالکل فنا کر دیتی ہے یا اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں زندگی کی ضرورتیں تمام افراد کو انصاف کے ساتھ بہم پہنچائی جانے کی جگہ سمٹ کر ایک چھوٹے طبقے کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور وہ طبقہ بڑے طبقے کو ان سے محروم کر دیتا ہے۔ اس سوسائٹی میں انقلاب (Revolution) آجاتا ہے پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ جماعت جس کے پاس زندگی کے سامانوں کی کثرت ہے باقی رہے بلکہ یہ جماعت انقلابی قوتوں (Revolutionary forces) کے مقابلے میں آکر فنا ہو جاتی ہے اور وہ بے بس اور بے کس لوگ (Havenots) غالب آجاتے ہیں جن کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب گو کم ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں آپس میں انصاف کے ساتھ بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ اچھی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں قیصر روم اور کسریٰ ایران کے ساتھ عربوں کی جو جنگیں ہوئیں وہ اس نکتے کی بہت اچھی مثال ہیں۔

ان جنگوں میں ایک طرف قیصر روم اور کسریٰ ایران تھے۔ یہ ہر قسم کے دنیاوی سامان کے مالک تھے۔ لیکن عدل اور انصاف نہیں کرتے تھے بلکہ غریبوں کا خون چوس کر عیش کرتے تھے دوسری طرف عرب تھے۔ ان کے پاس جنگی سامان تو ایک طرف کھانے پینے کی عام چیزوں کی بھی کمی تھی لیکن یہ لوگ قرآن حکیم کی وہ تعلیم لے کر اٹھے تھے جس میں عوام کی بھلائی ' خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ' انصاف ' حسن جمال اور تہذیب نفس کے بہت اچھے قاعدے تھے۔ عرب کے لوگ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نتیجے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کشمکش میں اونچے درجے

کے اصول محض مادی سامان کی زیادتی پر غالب آئے کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیم اجتماعی انقلابی تعلیم ہے۔ اس کا فائدہ انسانیت کے کسی خاص طبقے کو نہیں پہنچتا بلکہ اس کا فائدہ ساری انسانیت کو ایک جیسا پہنچتا ہے اس لئے اس کے اصول پر ہر ایک قوم میں انقلاب کا آنا ضروری ہے وہ خدا پرستی کو انسانیت کا ایک لازم جز ٹھہراتی ہے لیکن اس کے لئے کسی پروہت طبقے (Priest hood) کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کی مدعی ہے جسکا عام لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ انسان کی طبعی ضرورتیں۔ کھانا پینا۔ کپڑا لتہ۔ مکان ۔ تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لئے ایک جیسے ہوں۔ جس سوسائٹی پر قرآن حکیم حکمران ہو گا اس میں کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا کوئی شخص ننگا اور بے گھر بے در نہ ہو گا۔ اور نہ جاہل اور بے عمل رہے گا ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر ایک انسان کو بہم پہنچاتی ہے وہاں وہ ایک انسان کی طبعی حیوانی ضرورتیں فراہم کرنا سب انسانوں کا فرض قرار دیتی ہے اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بتاتی ہے جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی، کاہلی، غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں خدا تعالیٰ خود ایک دن مقرر کرکے جواب طلبی کرے گا۔ یہ ہیں وہ باتیں جنہیں دنیا میں چلانے کے لئے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

انسانی تاریخ کا یہ سب سے المناک حادثہ (Tragedy) ہے کہ یہ اونچے درجے کے اصول، جنہیں قائم کرنے کے لئے حجاز کا پہلا بڑا انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں ہوا۔ ہوتے ہوتے بادشاہوں کا کھلونا بن کر رہ گئے۔

چنانچہ ان بادشاہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ افرایت من اتخذ الھہ ھوٰہ (سورہ جاثیہ ۴۵ : ۲۳) (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنا لیا) ؟ میں ذہنیت کی اسی خرابی کی طرف اشارہ ہے۔ ان بادشاہوں اور امیروں کے نزدیک دین کیا تھا؟ یہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے مسئلے باقی رہی حکومت اور اس کے متعلق چیزیں۔ جیسے ٹیکس وصول کرنا۔ جزیہ جمع کرنا۔ فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا۔ مخالفوں کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا اور معاہدے کرنا۔ یہ سب سیاست کی باتیں ہیں ان میں بادشاہ اور امراء اپنی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور صرف اسی مصلحت کا خیال رکھتے تھے جس کا تعلق ان کی ذات یا خاندان کی حکومت کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لئے یہی لوگ جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ "انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنا لیا"۔

حضرت نبی کریم ﷺ ساری عمر جہاد اور عدل قائم کرنے میں لگے رہے[1]۔ نماز' روزہ' وغیرہ فرض ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا زیادہ تر وقت انہی "دنیاوی" باتوں میں گزرتا تھا۔

امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ: چونکہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں انسانی سوسائٹی خدا تعالیٰ کی توحید کو بھول چکی تھی اس لیے حضرت ابراہیم توحید کی اشاعت ہی کے لیے آئے۔ چنانچہ انہوں نے طہارت نماز' حج' زکوٰۃ روزہ اور ذکر کی عبادتیں جاری کیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ملتوں............... میں گڑبڑ پڑ چکی تھی۔ اور ان کے ارتفاقات (معاشی زندگی) خراب ہو چکے تھے اور یہ خرابی اس خرابی سے کہیں زیادہ تھی۔ جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی اس لیے خدا تعالیٰ نے آپ کو جہاد قائم کرنے' عبادتوں کی اشاعت کرنے' اور ان کے اوقات معین کرنے کے لیے بھیجا اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی امپریلزموں کو برباد کر کے نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں ایک بین الاقوامی حکومت پیدا کی جائے" (تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ ۶۰)

——————— ۔ قرآن کی اشاعت ہے' باہر سے آنے والے وفدوں سے ملاقاتیں ہیں ۔ بادشاہوں کو قرآن کی طرف دعوت ہے۔ مقدموں کے فیصلے ہیں۔ لشکروں کی تیاری ہے۔ جو حکمران آپ کی دعوت نہیں مانتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں ان پر لشکر کشی ہے۔ مالیانے کی جمع ہے' تعلیم کا انتظام ہے۔ غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری ہے۔ ان کے قرضوں کو ادا کرنے کا انتظام ہے۔ یتیموں کی جائیدادوں کا اہتمام ہے بیواؤں کی نگرانی ہے۔ غرض ہر وہ کام ہے جسے بعد میں "سیاسی" قرار دے کر اور دین سے الگ کر کے بادشاہوں کے لئے خاص کر دیا گیا اور جس سے علماء نے ہاتھ اٹھا لیا۔ پس اگر سیاست "مذہب" یا "دین" سے الگ کوئی چیز ہے اور سیاست کا تعلق "دنیاداری" کے ساتھ ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک اور برکت والی زندگی "مذہبی" کی بہ نسبت "دنیاوی" زیادہ تھی۔

اس حجازی انقلاب کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ تعمیری زمانے میں انقلاب کی روح کو بہت مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے' ورنہ تعمیر ادھوری رہ جاتی ہے۔

حکمت ولی اللہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اجتماعی (Social) ہوگی اور مشورے سے کام کرے گی اور غیر راسمالی (Anti-capitalistic) ہوگی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ راسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کرلیں۔

دوسرے درجے کا قانون (Laws) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے راسمالیت (Capitalism) یا سرمایہ داری پیدا کرنی شروع کر دی ہے تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti-capitalist) قانون بنا دے۔ اس کے لئے ضروری ہے

کہ قانون دان مجتہدین ۱؎ کی ایک جماعت مرکز میں جمع رکھی جائے۔ یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ۲؎ ہے۔

جس زمانے سے مسلم علماء نے دین اور سیاست کی علیحدگی کو برداشت کیا اسی زمانے سے بادشاہوں نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے ماں باپ کی میراث (ترکہ) سمجھ کر عیاشیوں میں استعمال کرنا شروع کردیا اور عام لوگوں کا دخل حکومت اور بیت المال ۳؎ کے انتظام میں ختم ہوگیا۔ اب سب مالی معاملات بادشاہ کے ہاتھ میں آگئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت میں عالموں کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ شیخ الاسلام ۴؎ کا عہدہ بھی قائم ہے جو گویا "دینی" باتوں میں بادشاہ کو "مشورہ" دیتا ہے لیکن کوئی عالم اجتہادی قوت کا مالک نہیں الحتاجو زمانے کی ضرورت کے مطابق قانون بنا سکے۔ بادشاہ اقتصادیات اور سیاسیات کے مالک بن بیٹھے اور انہوں نے عالموں کو ان دونوں میں دخل دینے سے روک دیا۔ (الاماشاء اللہ) اور عالم لوگ صرف نکاح اور میراث کے مسئلے بیان کرنے کو رہ گئے۔ چونکہ انہوں نے سوسائٹی کی عملی زندگی کی باتوں یعنی روزمرہ کے اقتصادی اور سیاسی مسئلوں سے بحث کرنی بند کردی اور دین اور اس کے مسئلے حکومت کے عہدوں، روزمرہ کے انتظام اور عملی فرائض سے علیحدہ کرکے سکھانے لگے۔ اس لئے ان کی علمی قوت کمزور ہوگئی۔

---

(۱) مجتہد وہ عالم ہے جو اپنی تعلیم و تربیت اور تحقیق اور ایمانداری کی وجہ سے اس قابل سمجھا جائے کہ وہ اصول سے ضمنی قاعدے نکال سکے + (مرتب)

(۲) فرض کفایہ یہ ہے کہ چند ایک آدمیوں کے ادا کرنے سے سب جماعت کی طرف سے ادا ہوجائے اگر کوئی شخص بھی اسے ادا نہ کرے تو سب مجرم قرار پاتے ہیں اس کے مقابلہ میں فرض عین وہ ہے جو ہر ایک شخص کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

(۳) حکومت کا ٹیکس وغیرہ سے جمع کیا ہوا خزانہ

(۴) مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑا عالم جو سرکاری طور پر بادشاہ کو مذہبی معاملات میں مشورہ دینے کے لیے مقرر ہوتا تھا۔

اب انہیں بین الاقوامی سیاسیات کی خبر رہی نہ ملکی اقتصادیات کی اگر عالم لوگ روز مرہ کی عملی سیاسیات اور پیداواری اور تقسیمی اقتصادیات میں دخل دیتے رہتے تو آزادی خواہ لوگ حکومت کے معاملوں میں دخل دینے لگتے اور عوام کے حقوق کا مطالبہ کرتے اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بیت المال سے کوئی خاص حقوق حاصل نہ کرنے دیتے۔ یہ ان بادشاہوں اور امیروں پر بہت بھاری گزرتا جو اپنی "خواہشوں کو اپنا معبود" بنائے بیٹھے تھے۔ اس لئے انہوں نے علماء سے وہ طاقت ہی چھین لی۔ جو ان میں بلند فکر اور گہری تدبیر کرنے کی طاقت پیدا کر سکتی تھی۔ بلکہ عالموں کے اثر کو فنا کرنے کے لئے یہ پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ اب دین میں مجتہد پیدا ہی نہیں ہو سکتا جن عالموں نے اس پراپیگنڈے میں بادشاہوں کی طرفداری کی وہ بادشاہوں پر اعتراض کرنے میں سب سے زیادہ چپ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوتے ہوتے مسلمانوں سے انقلابی فکر ہی نکل گیا۔

یہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے یہ ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ باطن کے لحاظ سے یہ صورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندرونی حصے کا کائنات کے اس مثالی حصے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جو عالم مثال کے اس حصے میں اپنا اثر دکھاتا ہے اسلام میں جو لفظ احسان استعمال ہوتا ہے' وہ عالم مثال کے ساتھ دلوں کے اسی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ہم نے مرکز کے لئے ایسی جماعت کی ضرورت جتائی ہے جو قانون بنا سکتی ہو۔ ویسے ہی اہل احسان کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے جس کا کائنات کے روحانی مرکز کے ساتھ تعلق[1] ہو۔

(1) خطیب بغداد جو حضرت امام ابو حنیفہ کا بہت سخت مخالف ہے تاریخ بغداد میں کئی موقعوں پر لکھتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی مجلس مشاورت کے چالیس ممبر تھے جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا آپ امام قاسم بن معن لغوی' امام عبداللہ بن مبارک محدث' امام ابو یوسف فقیہ' امام زفر جیسے ذکی اور حضرت امام داؤد ابن نصیر طائی جیسے سرتاج صوفیاء کی موجودگی کو لازم سمجھتے تھے۔ (مرتب)

تعمیر کے دور میں انقلاب کی روح کے ساتھ ربط قائم رکھنے سے یہی دو باتیں مراد ہیں:-

اوپر جو بات ہم نے تھوڑے سے لفظوں میں بتائی ہے اسے کھول کر بیان کریں' تو یوں کہہ سکتے ہیں' کہ کائنات کے اس حصے میں جو فضائی کرنوں (Rays Cosmic) کے پیدا کرنے والے خط سے بھی زیادہ لطیف ہے اور جو عالم مثال کے سب سے اونچے حصے میں ہے' وہ عقلی قوتیں جمع ہوتی ہیں' جو اس مادی کائنات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں اس جگہ کو حظیرہ القدس(SanctusPermagnum) کہتے ہیں' یہاں اللہ تعالٰی کی تجلی کا ایک عکس (پرتو) آتا ہے جسے حضرت امام تجلی اعظم فرماتے ہیں۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ مادی کائنات کے تمام بڑے بڑے حادثے(Events) پہلے حظیرہ القدس ہی میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہیں اللہ تعالٰی کی ہر ایک نئی شان(Phase) ظاہر ہوتی ہے۔ وہ احسانی جماعت جس کا تعلق حظیرہ القدس کے ساتھ ہوتا ہے شان الٰہی کے ہر نئے ظہور کو محسوس کرلیتی ہے اور بتا سکتی ہے' کہ واقعات کا آئندہ رخ کیا ہوگا۔ ان اہل احسان کے انکشافات کی مدد سے علمی اجتہاد کے مالک عالم اللہ تعالٰی کی ہر نئی شان کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کرتے رہیں گے۔ اس طرح انقلابی تعمیر رجعت پسندی(Reastion) سے محفوظ رہ کر ترقی کرتی رہے گی حقیقت یہ ہے' کہ رجعت پسندی یا ارتجاع پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے۔ جب لوگ مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ایک عرصے تک غافل رہیں۔

اسلامی زمانے میں یہ کام اہل اصلاح و احسان سے متعلق تھا۔ اب ہم یہ سمجھ نہیں سکتے' کہ مسلمان قرآن حکیم سے منہ موڑ کر' اپنے مرکز کو مجتہدین اور اہل احسان سے خالی رکھ کر اور خدا کی طرف توجہ کیے بغیر کس طرح نجات پاسکتے ہیں۔

ہمارے زمانے میں مغربی ملکوں میں یہ فرض اجتماعی سائنسدانوں کے سپرد ہے۔ وہ مختلف قوموں اور ملکوں کے عام رجحانات کے متعلق اعداد و شمار جمع کرتے ہیں پھر ان کا بہت ہی گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کرکے نتیجے نکالتے ہیں جو بہت حد تک صحیح ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ نہیں ہے اس لئے ان کے نتیجے کمزور ناقص اور نامکمل رہتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کافی مضبوط اجتماعیت پیدا کرلی ہے۔

حق یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر نہیں کرتی وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

یاایھاالذین امنوا تقوا الله والتنظر نفس ما قدمت لغد

(سورہ حشر۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور چاہئے کہ ہر ایک نفس دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے لئے کیا فراہم کیا ہے)۔

پس جو شخص اللہ کی نشانیوں کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے اس کے سامنے اسلام کا مستقبل بالکل روشن ہے۔ ہر ایک قوم قرآنی انقلاب کو اپنے اندر کامیاب بنا سکتی ہے کیونکہ اس انقلاب کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم موجود ہے حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں نے جس طرح اسے پہلی مرتبہ حجاز میں کامیاب بنا کر دکھا دیا۔ وہ نمونہ قیامت تک کے لئے کافی ہے برصغیر پاک و ہند میں اللہ تعالٰی نے ایک ایسا ہی شخص پیدا کیا جو اللہ تعالٰی کے نشانیوں کو سمجھنے والا اور حجازی انقلاب کے سب واقعات کا عالم ہے اس کا نام ہے امام ولی اللہ دہلوی (اللہ کی رحمتیں ہوں اس پر) حضرت امامؒ نے قرآن حکیم کی انقلابیت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک منحصر کر دیا ہے اور برعظیم پاک و ہند کے متعلق امید ظاہر کی ہے کہ یہی انقلاب یہاں دہرایا جائے گا[1] اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے' کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں' اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں۔

---

(1) کیا عجب' کہ تاریخ نے زمانہ حال میں جو پلٹا کھایا ہے' وہ اس کا پیش خیمہ ہو' اور پاکستان آنے والے انقلاب کا پیشرو ثابت ہو۔ (مرتب)


بسم الله الرحمن الرحيم
وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض
بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

[illegible]

قرآنی اساس انقلاب

سورہ فاتحہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے۔ جی آفس لاہور

فون: 7239138

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

سورہ فاتحہ کا ایک نام "الاساس" بھی ہے۔ گویا اس سورۂ کریمہ میں جو نازل ہونے کے لحاظ سے بالکل ابتدائی زمانے کی وحی ہے' قرآنی انقلاب کی زیریں بنیاد (Bottom Bas = Rock) معین کر کے انقلاب لانے والی جماعت کو اس بنیاد پر کامیابی کا قصر تعمیر کرنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔ اس لئے سورۂ فاتحہ کی اس تفسیر کا نام **"قرآنی اساس انقلاب"** رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں قرآنی انقلاب کی بنیاد صراط مستقیم بتائی گئی ہے۔ استاذی المکرم حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس سورۂ عظیم کی تفسیر نہایت اہتمام سے دو دفعہ املا کرائی اور بہت سے دیگر مقامات پر اس کی طرف اشارے فرمائے۔ عاجز مرتب نے اس سلسلے میں حضرت مولانا سندھیؒ کے تمام افکار صفحات مابعد میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں جہاں ضرورت سمجھی ہے حجتہ الاسلام' حکیم الامت امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار حواشی میں دے دیئے ہیں تاکہ متن کی توضیح و توثیق ہو جائے امید ہے کہ یہ حواشی بھی مفید پائے جائیں گے۔

سورۂ فاتحہ قرآن حکیم کا دیباچہ ہے۔ اس میں **قرآنی انقلاب** کی جو بنیاد بتائی گئی ہے سارے قرآن حکیم میں وہی ملحوظ رہے گی۔ اس لئے اس سورت کا مطالعہ قرآن حکیم کے انقلاب کا مقصد معین کرنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس سورت کے مضامین کی توضیح میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے **قرآنی سیاست اور قرآنی حکمت** کا نہایت دلنشین استعمال کیا ہے اور ان دونوں کی بنیاد امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے پر رکھی ہے جو بجائے خود قرآن اول پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان (اَصَانَهَا اللّٰهُ عَنْ كُلِّ نُقْصَانٍ) کو قرآنی عالمگیر انقلاب کا مرکز بنائے۔ آمین وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

بشیر احمد بی۔ اے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تمہید

نام : یوں تو اس سورت کے بہت سے نام حدیثوں میں آئے ہیں لیکن چند ایک بہت مشہور ہیں مثلاً" الفاتحہ دیباچہ قرآن" اُمُّ الۡکِتَابُ" (بنیادی تعلیم) الاساس (تعلیمات قرآنیہ کی بنیاد (سُوۡرۃُ الدُّعاء قرآن حکیم میں اسے" سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ"(سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں) کا نام دیا گیا ہے (87:15)

زمانہ نزول : حضرت نبی اکرم ﷺ پر غار حرا میں سب سے پہلے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ○ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ○
اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ (1-2-3:96)

اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔

ان آیات کے نازل ہونے کے چند روز بعد ہی پوری سورہ فاتحہ مع بسم اللہ نازل ہوئی اور یہ نماز کا ایسا لازم جزو قرار دی گئی کہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

مضمون : یہ سورت قرآن حکیم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

بات یہ ہے کہ انسان اجتماع (Society) میں رہ کر ہی ترقی کر سکتا ہے خود اس کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اجتماع مل کر ایک انسانی برادری بن جائے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ترقی کن برادری ایک ہی فکر رکھنے والے لوگوں کی ہو سکتی ہے' جو لوگ اس فطری اصول کے خلاف چلیں وہ نہ صرف اس دنیا میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس ناکامی کی وجہ سے مرنے کے بعد کی زندگی۔ آخرت۔ میں بھی نامراد رہیں گے۔

قرآن حکیم انسان کی بلند ترین اجتماعی زندگی (Societal Life) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے سورۂ فاتحہ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسانی فطرت کو سمجھنے والے اور اس کے مطابق کام کرنے والے لوگوں کو جمع کیا جائے ایسی جماعت انسانی اجتماع

کے مرکز میں رہے گی اور اس اجتماع کی رہنمائی کرے گی۔

انسانی فطرت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس فطرت کے سمجھنے کے لئے علم اور اس کے مطابق کام کرنے کی توفیق اسی سے حاصل ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو دعاء کی شکل دی گئی ہے جس میں انسانی ارادے اور ہمت کو بھی کچھ دخل حاصل ہے۔ یہ دعا بھی اجتماعی رنگ میں ہے۔

ربط

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دو درجے

1- **قومی درجہ** : جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، سب سے پہلے "سورۃ العلق" یا اقرا نازل ہوئی۔ (مکتوبی شکل میں یہ سورۃ نمبر 96 پر تیسویں پارے میں ہے) اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے پہلے درجے کا ذکر ہے۔ اس درجے میں آپؐ کا مقصد قریش اور ان کے اردگرد بسنے والے عرب قبیلوں کی اصلاح تھا[1] یہ گویا آپ کی نبوت کا قومی درجہ تھا۔

انسان اپنی قوم کو اپنے طبعی رشتوں یعنی ماں باپ کے ذریعے سے پھیلنے والے سلسلوں سے پہچانتا ہے اگر وہ اپنے حسب و نسب کی کڑیوں کا دور تک تتبع کرے تو وہ دیکھے گا کہ اس کے خاندان کے افراد ہی کے پھیلنے سے اس کی قوم کا اکثر حصہ بنا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی سورت۔ العلق کا آغاز اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ[2]۔ سے کیا ہے جس میں اس نے اپنے آپ کو انسان کے خالق اور پروردگار کی حیثیت سے پہنچوایا ہے۔

---

[1]۔ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

(ا) اس امام کے لئے جو مختلف قوموں کو ایک فکر پر جمع کرے چند اصول کار ضروری ہوں گے ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک قوم کو راہ راست کی طرف بلائے گا اور اسی کے اخلاق کو ٹھیک کر کے ان کی حالت کی اصلاح کرے گا پھر اسے اپنی تحریک کی اشاعت کے لئے آلہ کار بنائے گا اور اس کی مدد سے دنیا کی دوسری قوموں سے جہاد کرے گا وہ اپنے (قومی) ساتھیوں کو دنیا کی مختلف قوموں میں بکھیر دے گا چنانچہ (سورۂ آل عمران کی اس آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم امت کا بہترین حصہ ہو جو تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو) کے یہی معنی ہیں"۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱ ص 118)

مہاجرین اور انصار کی ابتدائی جماعت قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کی اسلام لانے کا باعث بنی۔ پھر قریش اور یہ لوگ عراق اور شام کی فتح کا ذریعہ بنے اور قریش اور عراق و شام کے لوگ فارس اور روم کی فتح کا وسیلہ بنے اور ان کے ذریعے سے ہند، ترکستان اور سوڈان کے علاقے فتح ہوئے" (حجۃ اللہ البالغہ ج 2 ص 172) (مرتب)

[2]۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ (مرتب)

(2) **بین الاقوامی درجہ** : آپ کی نبوت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آپ مِلّتِ حَنِیْفِیَۃ ابرابِیْمِیّہ پر تمام اقوام عالم کو جمع کریں گے۔ کیونکہ انسان کی نوعی ترقی کا یہی راستہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دعاء "الفاتحہ" میں اپنے آپ کو "رَبُّ الْعَالَمِیْن" کی حیثیت سے شناخت کر دیا ہے۔ اس تمہیدی دعا کے بعد سورۃ بقرہ وغیرہ باقی قرآن حکیم میں تمام اقوام عالم کے لئے بنیادی دستور حیات دیا گیا ہے، جس پر انہیں جمع کیا جائے گا۔

یہ سورت قرآن حکیم کا مقدمہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی عالمی حیثیت کی طرف اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نبوّت کا یہ درجہ ہی آپؐ کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ اور سورۃ العلق کو قرآن حکیم کے آخر میں لے جانا ظاہر کرتا ہے کہ قومی درجہ جس کی طرف سورۃ العلق میں اشارہ ہے، بین الاقوامی عالمی درجے کے لئے بطور تمہید اور وسیلے کے تھا۔ اس لئے انسانیت کے اندر عالمی تحریک ہی قرآن حکیم کی دعوت کا عنوان بن سکتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

اَلْاَنْبِیَاءُ قَبْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانُوْا یُبْعَثُوْنَ اِلٰی اَقْوَامِھِمْ خَاصَّۃً..... وَبُعِثَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 124)

یعنی نبی اکرم ﷺ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں وہ سب کے سب اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا کی تمام اقوام کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ:

"وَلَمَّا کَانَ الشَّرُّ السَّارِیُ فِیْ زَمَنِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھُوَ نِسْیَانُ التَّوْحِیْدِ نَزَلَ الْحَقُّ بِاَزَآئِہٖ بِاِشَاعَۃِ التَّوْحِیْدِ وَتَوْلِیْدِ الْعِبَادَاتِ مِنْ طَھَارَۃٍ وَصَلٰوۃٍ وَزَکٰوۃٍ وَحَجٍّ وَصَوْمٍ وَذِکْرٍ وَلَمَّا کَانَ الشَّرُّ السَّارِیُ فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اخْتِلَالُ

الْمِلَلِ وَانْقِلَابُ الْاِرْتِفَاقَاتِ خَاصَّةً عَلٰى اَصْحَابِهَا وَكَانَ الْاَمْرُ اَشَدَّ وَاَقْسٰى نَزَلَ الْحَقُّ بِاِزَآئِهٖ بِالْجِهَادِ وَاِشَاعَةِ الْعِبَادَاتِ وَتَوْقِيْتِهَا وَالْقَضَآءِ بِزَوَالِ دَوْلَةِ الرُّوْمِ وَالْعَجَمِ وَانْتِظَامُ اَمْرِ النُّبُوَّةِ كَهَيْئَةِ الْاِرْتِفَاقِ الرَّابِعِ[ا] (التفہیمات الالہیہ جلد اول ص 83-82)

چونکہ سیدنا ابراہیمؑ کے زمانے میں نسیان توحید کا شر معاشرہ انسانی میں پھیل چکا تھا اس لئے حق ان کے بالمقابل نازل ہوا یعنی اشاعت توحید اور طہارت صلوۃ زکوۃ حج روزوں اور ذکر الٰہی کی عبادات جاری کرنے کی شکل میں لیکن چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے اقوام عالم کی ثقافتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور انکی ارتقائی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اور یہ حالت نہایت شدید صورت اختیار کر گئی تھی اور یہ خرابیاں اقوام دنیا کے بدن میں دور تک سرایت کر گئی تھیں اس لئے اب حق ان ضرورتوں کے لئے نازل ہوا اور قرار پایا کہ ان خرابیوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور عبادات کی اشاعت کی جائے ان کے ادا کرنے کے اوقات معین کر دیئے جائیں اور قضا و قدر نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں برباد کر کے ان کی جگہ نبوی نظام بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تشریف لا کر انسانی فلاح و خیر کا دروازہ کھولا جو آج تک نہ کھلا تھا اور اس خیر و فلاح انسانی کی تعلیم کے ذریعے سے انسانوں میں سے ایک ایسی امت (جماعت) منظم کی جو نوع انسانی کے لئے بہترین (نمونے کی) جماعت بن گئی (مرتب)

حنیفیت عالمی تحریک ہے : اس سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک عالمی تحریک (World Movement) ہے صرف عربی تحریک نہیں ہے عربی تحریک اس عالمگیر تحریک کی ترقی کا ایک زینہ تھی اور اس کے ارتقاء کی ایک منزل۔ یہ عالمی تحریک اصل میں حنیفی تحریک ہی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کو اس کی فطرت

[ا] فَفَتَحَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابًا مِنَ الْخَيْرِ لَمْ يُفْتَحْ قَبْلَهٗ وَانْتَظَمَتْ بِهٖ اُمَّةٌ مِنَ النَّاسِ هِيَ خَيْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تفہیمات 83-82)

کے مطابق کمال تک پہنچائے۔

دینی اور سیاسی تحریک میں فرق : حنیفی تحریک میں ذہنی' عقلی' معاشی اور معاشرتی سب پہلو موجود ہیں اور ان سب پہلوؤں میں ترقی ہی اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک دینی بھی ہے اور سیاسی بھی' لیکن آج کل بعض لوگ دینی تحریک اور سیاسی تحریک میں فرق کرتے ہیں۔ یہ لوگ دینی تحریک کو خیالی (Ideational) تحریک کہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ صرف رہبانیت کی تحریک بن کر رہ جاتی ہے)۔

سیاسی تحریک کو حقیقت پسندانہ (Realistic) تحریک قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک حنیفی تحریک کے بارے میں "دینی" اور "سیاسی" کی یہ تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک ایک وحدانی (Unitary) چیز ہے اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعیت انسانی کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزاء میں تقسیم بھی کر لیا جائے تو اس سے دو تحریکیں نہیں بن جاتیں کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہرکیف انسانیت عامہ کی ترقی ہی رہتا ہے جب اہل دین ایسے خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کر لیں جو غیر محققانہ Unsicentific ہوں یا اہل سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لیکر بیٹھ جائیں اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی (Anical) اختلاف رہ جاتا ہے ہم ان دونوں کی طرف التفات نہیں کرتے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے درپے ہو جاتا ہے تاکہ ان میں ظلم دور کر کے انصاف و عدل قائم کرے ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے اصل میں صحیح دین وہ ہے جس کے امام سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتا ہے اور ان کی تحریک عالمی تحریک ہے جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔

دین کو سیاستہ کی ضرورت : ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامہ کے لئے مفید

دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم ان لوگوں کو سکھاتا ہے جو اسے سیکھ سکتے ہیں اس فکر پر ان کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعت (Party) بن جاتی ہے جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے عمل کو کوئی اور لوگ جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں یا جو اس فکر کی ترقی میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interests) کا نقصان تصور کرتے ہیں قوت کے ذریعے سے خراب کردیں تو کیا صحیح علم کے مالک کے لئے یہ ضروری نہ ہوگا کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لئے قوت دفاع (Defence Power) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ صحیح علم کے لئے سیاست (Politics) اور حکومت (State) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابل تقسیم وحدت ہے تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْآرَاءِ الْكُلِّيَّةِ فِيْ إِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَتِهٖ وَاخْمَالُ الْبَاطِلِ وَصَلَّتُهٗ فَرُبَّمَا لَمْ يُمْكِنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِمُخَاصَمَاتٍ اَوْ مُقَاتَلَاتٍ فَيُعَدُّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ

(حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 50 طبع منیریہ مصر)

جو لوگ انسانی معاشرے کی کلی اصلاح حال کے رنگ میں سوچتے ہیں ان پر واجب ہوتا ہے کہ اشاعت حق کرنے اور اسے معاشرے میں چلانے کے لئے اور باطل کا زور توڑنے اور اس کا نفاذ روکنے کے لئے پوری پوری (جانی مالی) کوشش کریں لیکن اکثر یہ کوشش صرف ان شکلوں ہی میں ممکن ہو پاتی ہیں کہ مخالفین حق کے خلاف نشرواشاعت کی جائے اور قتل کیا جائے اس صورت میں یہ دونوں اعمال بہترین نیکی کے اعمال شمار ہوتے ہیں۔

ایسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ جب کوئی جماعت انسانی منافع میں سے کسی ایک حصے کی خدمت کے لئے اٹھے لیکن وہ اپنے آپ کو جامعہ انسانیہ (Human Society) کا ایک جزو تصور کرے تو اس کے پروگرام کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ غلط ہوگا کہ وہ جماعت اپنی جزوی خدمت کو کلی قرار دے کر دوسری جماعت کے خلاف صف آرا ہو جائے اور یہ تو اور بھی بڑی حماقت ہوگی کہ وہ کلی تحریک کا انکار کردے یا اس کی طرف التفات نہ کرے۔

الغرض آئمہ ادیان ہی اصل میں جامعہ انسانیہ (Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کو لے کر کام کرتے ہیں وہ انبیاء سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اہل سیاست اور اہل فلسفہ و حکمت اور جو سائنسدان اپنے آپ کو ان آئمہ دین کے تحت بطور جزوی کارکن لے آئیں وہ طبعی طور پر ان آئمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے جو شخص دین کے معنی سمجھتا ہے [1] اور اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے اور اہل سیاست و فلسفہ میں سے خدام انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے وہ آئمہ دین کے سوا کسی کو اجتماعیت انسانیہ کے امام تسلیم نہیں کر سکتا۔

عام مورخین بین الاقوامی تحریک کی ابتداء سکندر مقدونی (Alexander of Macedonia) سے کرتے ہیں لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ عالمی انسانی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (2:124) "میں تجھے نوع انسانی کا امام بناؤں گا"۔ اور ان کی اولاد اس عالمی پیشوائی کے لئے کام کرتی رہی۔ سیدنا ابراہیمؑ ایسے ہی امام ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی تحریک کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

چونکہ قرآن حکیم بین الاقوامی تحریک پیدا کرتا ہے جس کی ابتداء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کی اس لئے اس کی پہلی سورت میں "رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کا تصور دیا گیا ہے۔

---

[1] دین کی حقیقت سمجھنے کے لئے "حجۃ اللہ البالغہ" مصنفہ امام ولی اللہ دہلویؒ باب بیان اصل الدین واحد والمناہج مختلفہ (ج ۱) اور ابواب مابعد پڑھنے چاہئیں۔ اور اجتماعیت کے سمجھنے کے لئے اس کتاب کے ابواب ارتفاقات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس مطالعے کو "بدور بازغہ" مصنفہ امام صاحب کے مطالعے سے تقویت دینی چاہئے۔ (مرتب)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تفسیر سورۂ فاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۝

تشریح الفاظ

حمد : جو فعل کسی کے اپنے علم و اختیار اور ارادے سے صادر ہوا ہو اس کی حقیقی تعریف کرنا۔ (مدح کسی ایسی چیز یا فعل کی تعریف جو اختیاری نہ ہو جیسے حسن کی تعریف، ثناء بار بار خوبیاں بیان کرنا)

ال : یا تو جنس کے لئے ہے اس صورت میں اس سے مراد ہوگی حقیقی اور اصلی تعریف یا استغراق کے لئے اس حالت میں اس سے مراد ہوگی ہر قسم کی تعریف" اور تمام تعریفیں۔"

ل: تخصیص کے لئے یعنی حقیقی حمد و تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

اللہ : اسم ذات ہے یعنی وہ پاک ذات حَقِیْقَۃُ الْحَقَائِقِ وَ وَجُوْدُ اَقْصٰی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی وہی وجود کا منبع اور مصدر ہے اور ہر ایک شے اسی سے اور اسی کے ارادے سے وجود پاتی ہے وہی تمام مخلوقات کو قائم رکھتا ہے اور ارتقاء (Evolution) کی منزلیں طے کراتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا صفاتی نام نہیں بلکہ اسم علم ہے۔ اگرچہ یہ غیر مشتق ہے لیکن عربی زبان کی عام خوبی کے مطابق اس میں بھی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے یعنی اس لفظ میں جذب اور کشش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔...

چنانچہ عربی میں کہتے ہیں (۱) وَلَہَ الصَّبِیُّ اِلٰی اُمِّہٖ (بچہ گھبرا کر اپنی ماں کی طرف لپکا) وَلِھَتِ الْاُمُّ اِلٰی وَلَدِ ھَا (ماں کا دل اپنے بچے کی طرف کھنچ گیا) گویا اللہ وہ ذات ہے جس کی طرف ہر شے بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ کھنچتا ہے۔ وہی سب کا محبوب اور

سب کی محبت کا مستحق ہے کیونکہ وہی حسن اور احسان کا مرکز ہے۔

"اَلرَّحْمٰنِ" : (مادہ رحم' دل پگھلنا' شفقت) اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی جس کا تعلق عالَم (Cosmic Universe) کی تخلیق کے ساتھ ہے۔ بقول امام ولی اللہ دہلوی کائنات کا مادہ اسی تجلی سے وجود میں آیا۔[1]

"اَلرَّحِیْمِ" : (مادہ رحم) اللہ تعالیٰ کی وہ تجلی یا صفت جس کا تعلق بندوں کے عملوں کی دنیا اور آخرت میں جزا و سزا دینے سے ہے۔

رَبُّ : پرورش کرنے والا' اور تربیت کر کے تکمیل تک پہنچانے والا۔

اَلْعٰلَمِیْن : واحد العالم (1) جہان' ساری دنیا (2) مخلوقات کی تمام انواع (3) اقوام

(1) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ : (سب تعریف کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے ذریعے سے جو بین الاقوامی نظام قائم کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

بہترین نظام : یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے انسانی قوموں میں پیدا کیا ہے اور جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے بہترین نظام ہے اس سے بہتر نظام ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ اس لئے انسان کو یہ نظام بین الاقوامی پیمانے پر چلانے میں اپنی ساری ہمت اور کوشش صرف کر دینی چاہئے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس سے بہتر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ قول حکمت انسانی کے کمال کا اظہار کرتا ہے لیکن بعض دوسرے حکماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اس سے بہتر بنا سکتا ہے اگر وہ نہ بنا سکے تو یہ اس کا نقص سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بلند درجے کے حکماء کا قول ہے کہ اس کائنات کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات مختلف ادوار میں منقسم ہے اور ایک دور اپنے پہلے دورے کا نتیجہ

---

[1] سطعات۔ سطعہ سوم (مرتب)

ہوتا ہے اس طرح اقتضائے حکمت کے مطابق ادوار کا سلسلہ جاری ہے یہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا لیکن ایک انسان کو تفصیلی علم صرف ایک دورے ہی کا ہو سکتا ہے پچھلے اور آنے والے دوروں کا اسے علم نہیں ہو سکتا البتہ عقل سلیم اسے لازماً تسلیم کرتی ہے کہ چونکہ تعطل صفات الٰہی ناممکن ہے اس لئے یہ سلسلہ ضرور قائم و دائم رہنا چاہئے ہمیں ادوار کا علم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

اب اصل سوال لیجئے کہ کیا جو کچھ ہے اس سے بہتر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "ہاں" اور "نہیں"۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہے وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک دورے سے دوسرا دورہ بہتر ہونا ممکن ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا وہ اصل میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دورے میں جو چیز پیدا ہوئی ہے وہ اس دورے کی فطرت کے عین مطابق ہے کہ اس لئے اس دورے میں اس سے بہتر ممکن نہیں[1]۔

ہماری غرض اس سارے بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے تمام چیزوں کو ایک خاص فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سارے نظام میں موزوں ہونے کے لئے اس سے بہتر چیز وجود میں آسکے۔ جو بہترین چیز اس نظام عالم میں وجود میں آنی ممکن تھی وہ وجود میں آچکی۔ اس لئے فطرت انسانی میں جو تمام اقوام اور افراد میں مشترک ہے اور انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے کوئی نقص نہیں پایا جاتا اس لئے یہ تعلیم جس پر انسانیت کو منظم کیا جا رہا ہے بہترین تعلیم ہے اس کے لئے اللہ تعالٰی ہر لحاظ سے لائق حمد و ستائش ہے۔

جب یہ معرفت اچھی طرح سے صاف ہو کر انسان کے دل میں جم جاتی ہے وہ

---

[1] اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک کاریگر گھڑی بناتا ہے اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پرزے اس میں اس طرح وابستہ ہیں کہ اس کی تخلیق کے مقصد کو بہترین انداز پر پورا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر وابستگی ممکن نہیں اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور گھڑی بنانا ممکن نہیں ہے جو گھڑی اس سے بہتر بنے گی اس کے اپنے پرزوں میں سے ہر ایک پرزہ اس کے لئے بہترین ہوگا کیونکہ وہ اس گھڑی کے مقصد تخلیق کو بہترین طور پر پورا کرے گا۔ (مرتب)

دین اسلام کو دل سے قبول کر لیتا ہے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ جاتا ہے اگر یہ معرفت اس کے دل میں راسخ نہ ہو وہ لادینی بن جاتا ہے اور وہ راہ راست سے بھٹک کر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔

آیئے اب اس آیت پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالیں۔

اچھی اور بری چیزیں : دنیا میں دو قسم کی فکر رائج ہے۔

ایک فکر کے مطابق کوئی چیز اچھی ہے یا بری ہے' جو چیز اچھی ہے وہ بنی ہی اچھی ہے وہ ہر ماحول میں اچھی ہی رہتی ہے جو بری ہے وہ بنی ہی بری ہے وہ اچھے ماحول میں بھی بری ہی رہتی ہے۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں کوئی چیز بری نہیں ہے وہ کسی ماحول میں بُری بن گئی ہے اگر اس کا ماحول بدل دیا جائے تو وہ بُری نہیں رہے گی[ا]۔

صحیح اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی فطرت میں بُری نہیں ایک چیز خاص حالات میں ایک خاص ضرورت پوری نہیں کرتی اسے بُری کہہ دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق دیکھا جائے تو کسی چیز کی اچھی یا بُری ہونے کا معیار یہ ہوگا کہ وہ چیز انسان کے ان تقاضوں کے ساتھ موافقت رکھتی ہے یا مخالفت اچھی چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کے موافق ہے اور بُری چیز وہ ہے جو انسان کے نوعی تقاضوں کی مخالف ہے یہ ہے وہ اصول جو امام ولی اللہ دہلویؒ پیش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ا۔ جب کوئی قوم اپنے بلند درجے سے گر جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت پر غور کرنا اور اپنا حساب لینا چھوڑ کر بے فکری اختیار کر لیتی ہے تو یہ نظریہ اختیار کر لیتی ہے کہ ہر شے اپنی فطرت میں اچھی یا بری ہے ماحول کے بدل جانے سے اس کی اچھائی برائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ یہ خیال اس لئے بنا لیتی ہے کہ وہ اپنے بگڑے ہوئے (برے ماحول کی وجہ سے اپنے میں) کسی برائی کی قائل نہیں ہونا چاہتی۔ وہ اپنی گراوٹ پر قناعت کر لیتی ہے اور یہ سوچ کر اطمینان کر لیتی ہے کہ بلا سے ماحول بگڑ گیا۔ تو کیا ہوا ہم تو اچھے ہی ہیں وہ ان خوبیوں کی جو وہ اپنے مخالفوں میں پاتی ہے قائل نہیں ہونا چاہتی' کیونکہ اگر وہ اپنے مخالفوں میں خوبیاں تسلیم کر لے تو اسے اپنے برے ماحول کو بدل کر وہی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی پڑتی ہیں یہ ایک انقلاب ہے جس سے وہ عاری ہو چکی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ نظریہ انقلاب اس کے اندر نہ آئے اس کی حالت کا تغیر ناممکن ہوتا ہے۔ (مولانا عبید اللہ سندھی)

فَكَذٰلِكَ لِلْبِرِّ سُنَنٌ اَلْهَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤَيَّدِيْنَ بِالنُّوْرِ الْمَلَكِيِّ الْغَالِبِ عَلَيْهِمْ خُلُقُ الْفِطْرَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا اَلْهَمَ فِىْ قُلُوْبِ النَّحْلِ مَا يُصْلِحُ بِهٖ مَعَاشَهَا فَجَرَوْا عَلَيْهَا وَاَخَذُوْا بِهَا وَاَرْشَدُوْا اِلَيْهَا وَحَثُّوْا عَلَيْهَا فَاقْتَدٰى بِهِمُ النَّاسُ وَاتَّفَقَ عَلَيْهَا اَهْلُ الْمِلَلِ جَمِيْعُهَا فِىْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ عَلٰى تَبَاعُدِ بُلْدَانِهِمْ وَاخْتِلَافُ اَدْيَانِهِمْ بِحُكْمِ مُنَاسَبَةٍ فِطْرَتِيَّةٍ وَاقْتِضَاءٍ نَوْعِيٍّ (حجۃ اللہ البالغہ ج۔۱ ص 58)

(ایسے ہی اچھائی کی شکلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان اشخاص کے دلوں میں بذریعہ الہام ڈالی ہیں جن کی ملکی نور مدد کرتا ہے ان پر فطرتی خلق غالب ہوتا ہے اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے شہد کی مکھی کے دل میں وہ طریقے ڈالے گئے جن کے مطابق وہ معاشی زندگی بسر کرتی ہے چنانچہ ان لوگوں نے وہ طریقے اختیار کر لئے اور ان پر کام کرتے رہے اور دوسرے لوگوں کی بھی رہنمائی کرتے رہے اور انہیں ان کے احتیاط کرنے کی تاکید کرتے رہے پھر لوگوں نے ان کی پیروی شروع کر دی اور اس طرح سب ملتوں کے لوگ کرۂ زمین کے مختلف خطوں میں بستیوں کے دور دور ہونے اور مذہبوں کے اختلاف کے باوجود زندگی بسر کرنے کے لئے ان طریقوں پر متفق ہو گئے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان سب گروہوں کے افراد میں ایک فطری مناسبت موجود ہے اور وہ سب ایک نوعی تقاضے سے متاثر ہوتے ہیں[1]۔

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو چیز انسان کے لئے بُری ہے ہو سکتا ہے کہ کسی اور مخلوق کے لئے اچھی ہو[2]۔

---

[1]۔ اس موضوع کے مزید مطالعے کی لئے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ (1) باب اشتقاق التکلیف من التقدیر (ص 20) (2) باب کیفیۃ استنباط الارتفاقات (ص 38) (3) باب حقیقۃ السعادۃ وغیرہ (مرتب)

[2]۔ جیسے کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) جو حیوانات کے تنفس کے لئے مضر ہے لیکن نباتات کے لئے مایۂ حیات ہے۔ (مرتب)

ان دونوں اصولوں کے جمع کر لینے سے معلوم ہوا کہ کائنات میں کوئی شے بُری اور غیر مفید ہے ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک شے کسی نہ کسی لحاظ سے کسی نہ کسی حالت میں کسی نہ کسی مخلوق کے لئے مفید ہی ہے کوئی چیز بیکار اور فالتو نہیں جو چیز وجود میں آئی ہے اس کا وجود میں آنا ضروری تھا کائنات کو جو فائدہ اس شے سے حاصل ہو سکتا ہے وہ کسی اور شے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے بہرحال ہر شے کو وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا پڑتی ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو مفید بنایا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

حمد الٰہی کے چار گوشے : انسان اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق ہے' چار پہلوؤں میں سمجھ سکتا ہے۔

(1) وہ رب العالمین ہے

(2) وہ الرحمن ہے

(3) وہ الرحیم ہے' اور

(4) وہ مالک یوم الدین ہے۔

"رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" :

رَبٌّ : اس کے معنی ہیں کسی شے کو تدریجاً" نشوونما دے کر تکمیل تک پہنچانے والا (راغب) انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ انسان وہ مقصد سمجھ لے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس میں فنا ہو جائے یعنی اس مقصد کی تکمیل کے سوا اور کسی کام کا خیال اس کے ذہن میں نہ آئے یہ انفرادی درجہ تکمیل ہے۔

العالمین : یہ جمع ہے عالَم کی۔ اس کے تین معنی ہیں۔

ا۔ امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ وَنَحْنُ نَعْلَمُ قَطْعًا اَنَّہٗ لَا یُوْجَدُ شَیْئًا اِلَّا وَھُوَ اَحَقُّ اَنْ یُّوْجَدَ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا' ص 17 ص 23) یعنی ہم پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں جو شے وجود میں لائی جاتی ہے اس کا وجود میں لایا جانا ہی سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے (ورنہ وہ وجود میں لائی نہ جاتی)۔ (مرتب)

(1) اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں۔

(2) مخلوقات کی مختلف قسمیں مثلاً عالم موالید (Organic World) عالم جمادات (Inorganic World)

(3) مختلف انسانی اقوام (Groups)

"رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کے معنی : اس میں شک نہیں کہ تمام کمالات الٰہی مخلوقات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اور ذات الٰہی ان کمالات کی وجہ سے لائق حمد و ستائش ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس سورت میں تیسرے معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع ہمیشہ اجتماعیت انسانی (Human Social Order) ہی رہا ہے اور وہ انسانی سوسائٹی (مجتمع) کی ہر قسم کی اصلاح کے لئے آتے ہیں[1]۔

خصوصاً خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا خصوصی مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کی فطرت کے تحت تمام اقوام کے لئے عمومی اجتماعی تحریک کی تکمیل کریں۔[2]

جب قرآن کریم کا یہ مقصد ہے اور سورۂ فاتحہ اس کا خلاصہ ہے تو اس سورت میں رب العالمین کے یہ معنی ہی زیادہ موزوں ہیں کہ وہ اقوام کا پروردگار ہے۔

---

[1] انبیاء کی بعثت کی غرض امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں
"اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری **شکلوں** کی تعلیم دیں لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنے اصل مشن کا جز بنا لیتے ہیں۔۔۔۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ انسان اجتماعیت کے ارتفاق دوم اور ارتفاق سوم مہمل چھوڑ دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے بھی ان ارتفاقات کے ترک کر دینے کا کبھی حکم نہیں دیا۔۔۔ وہ ہمیشہ ارتفاقات میں راہ توسط اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔"۔ (حجتہ اللہ البالغہ ج ا ص 104) (مرتب)

[2] حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض : امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :
چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تمام ملتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور ارتفاقات خراب ہو چکے تھے اور یہ حالت نہایت بری حد تک پہنچ چکی تھی اس لئے اب حق اس غرض سے نازل ہوا کہ جہاد (انقلاب) جاری کیا جائے عبادات کی اشاعت کی جائے اور انہیں اوقات معینہ پر ادا کرنے کی تاکید کی جائے اور ایرانی اور رومی سلطنتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نبوی نظام حکومت بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خیر و برکت کا وہ دروازہ کھولا جو پہلے نہیں کھلا تھا اور اس ذریعے سے ایسی جماعت (امہ) منظم کی جو تمام انسانوں کے لئے بہترین جماعت تھی (تفہیمات الٰہیہ ج ا ص 82-83) (مرتب)

"رَبُّ الاقوام": بیشک انسان اللہ تعالیٰ کو اپنے الہ (معبود و محبوب) کی حیثیت سے جانتا ہے اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے لیکن جب وہ عالمی تحریک شروع کرے تو اسے طبعی طور پر اپنے رب کو رب العالمین (رب الاقوام) کی حیثیت سے جاننا اور پہچاننا ہوگا یعنی اسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اپنا رب یا اس کے خاندان یا قبیلے ہی کا رب نہیں ہے بلکہ تمام اقوام عالم کا رب ہے۔[1] اور تمام اقوام کو ارتقاء کے اس درجے تک پہنچائے گا جس کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے۔ اس آگے پیچھے کرنے میں بھی حکمت ہے۔

---

[1] ہر ایک قوم کی ہدایت کے لئے مختلف درجوں کے رہنمایان انسانیت پیدا ہوتے رہے۔ اور انسانیت آگے بڑھی۔ اب تمام اقوام مل کر رفتہ رفتہ ایک بننا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہیں (ا) مشرقی بلاک (Eastern Block) مغربی بلاک (Western Block) قرآن حکیم کے نزول کے وقت بھی کم و بیش یہی حالت تھی وہ ان دونوں کیمپوں کو ملانا چاہتا ہے شرق و غرب کے اس اجتماع کے لئے کتاب عظیم کام دے گی اس لئے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا تعارف رب العلمین کی حیثیت سے کراتی ہے یعنی سب قوموں کو ملا کر انسانیت کو ترقی دینے والا۔ اس اجتماع انسانیت کی تکمیل کے بعد ہی یہ سمجھ میں آئے گا کہ اجتماع کامل کے درجے، قبائلیت، شعوبیت، قومیت، طے کرنے پڑتے ہیں وہ سب ضروری اور لابد تھے اور انسانیت سے یہ سب نہایت قابل تعریف طریقے سے طے کرائے گئے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین (عبیداللہ سندھیؒ)

(حاشیہ مولانا سندھی پرذیلی حاشیہ:

---

[1] پروفیسر P.A. Sorokin استاذ اعلیٰ اجتماعیات، ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) لکھتے ہیں کہ:

The classification of human population, system of culture, nations and peoples as Eastern and Western is largely artifcial and fictition. At almost no time after 1492 have the peoples and cultures of Asia and Africa been absoluterly isolated from those of Europe and the Americas, and their historical lines have hardly proceeded independently from each other ... Even this relative seperation from one another of the peoples and cultuers of East and West has heen stedily decreasing during the last five centuries. Modern means of communication and transportation are daily bring the West and the East closer and will continue to do so until these segments of mankind become as interdependent

حقیقت میں ہر ایک قوم انسانیت عامہ کا ایک حصہ ہے لیکن اب ہر ایک نے اپنی زمین (Territory) اور اپنا آسمان (Air-Space) الگ الگ کر لیا ہے کسی قوم کو دوسری قوم کے زمین و آسمان سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے باوجود ان سب حصوں' قوموں میں بنیادی انسانیت موجود ہے جس حصے میں انسانیت اچھی طرح سے ظاہر ہوتی ہے وہ حصہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے پیچھے دوسری اصناف بہ تدریج پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے وہ انسان کے دل و دماغ کو پالتا ہے تاکہ وہ اپنا مقصد حیات حاصل کرنا سیکھے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کیا جائے انسان وہ اپنی مرضی سے کرنا سیکھے۔

انسان اپنی نوعی ترقی کے دوران میں مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آب و ہوا اور دیگر جغرافیائی حالات کے اختلاف سے انسانی نوع کا ایک حصہ دوسرے حصوں سے الگ تھلگ ہو گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہر ایک حصے کی بولی بھی الگ الگ ہو گئی اور اس طرح مختلف علاقوں میں رہنے والے انسان جغرافیائی اور لسانی اختلافات کی وجہ سے مختلف قومیں بن گئے۔

جب قرآن حکیم آیا' یہ تقسیم انتہا کو پہنچ چکی تھی اور انسانیت کی تکمیل کا دوسرا دور شروع ہونے والا تھا جس میں مختلف قوموں کے درمیان میل جول بڑھے گا اور

بقیہ حاشیہ

upon each other as are most of the peoples and ways of life of either East or West. (Sorokin P.A. The Basic trends of our Times college and University Press New Haven Couu. (U.S.A.) P.61).

(انسانی آبادی' نظام ہائے ثقافت' اقوام اور عوام کی "مشرقی" اور "مغربی" میں تقسیم زیادہ تر مصنوعی اور غیر حقیقی ہے 1492ء کے بعد ایشیا اور افریقہ کے عوام اور ثقافتیں تقریباً کبھی بھی یورپ اور امریکاؤں The Americas کے لوگوں اور ثقافتوں سے حتمی طور پر منقطع نہیں رہے ہیں اور ان کی تاریخی زندگیاں مشکل ہی سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر چلی ہیں۔۔۔۔ مشرق اور مغرب کے لوگوں اور ثقافتوں کی یہ نسبتی علیحدگی بھی گزشتہ پانچ صدیوں سے گھٹتی چلی آرہی ہے دور جدید کے ذرائع رسل و رسائل مغرب اور مشرق کو روزبروز ایک دوسرے کے قریب تر لا رہے ہیں اور لاتے رہیں گے یہاں تک کہ نوع انسان کے یہ دونوں ٹکڑے اسی طرح ایک دوسرے پر انحصار رکھنے لگیں جیسے خود مشرق اور مغرب کے اکثر لوگوں اور ان کے طریقہ ہائے زندگی کا ایک دوسرے پر انحصار موجود ہے۔

ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی انسانیت میں تین بنیادی چیزیں ودیعت فرمائی ہیں۔

(1) رائے کلی یعنی انسانی اجتماع کی خدمت کا جذبہ' جس کی وجہ سے وہ اپنے اجتماع میں نظام صالح پیدا کرنے' انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی اصلاح کرنے اور حیات مابعد الممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کی تیاری کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنے اجتماع میں اپنی وجاہت قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(2) حُبِ جمال جس کی وجہ سے وہ اپنی تخلیقات میں افادے کے علاوہ حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(3) عقل و درایت :- عقل انسان کو کسی چیز کی اشد ضرورت کا احساس دلاتی ہے اور درایت اس مشکل کے حل کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

انسانیت کے یہ تین خاصے اس کے بنیادی خاصے ہیں۔ یہ تینوں ہر ایک انسانی اجتماع میں پائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ایک اجتماع انسانی میں ارتفاقات معاشی اور ارتفاقات عقلی پیدا ہو گئے۔ ارتفاقات معاشیہ سے مراد ان آلات وغیرہ کی ایجاد ہے جن سے انسان کی مادی زندگی کی مشکلات کم ہو جاتی ہیں مثلاً" گھریلو اشیاء۔ اور ارتفاقات عقلی سے مراد ان فکری مسائل کا حل ہے جو انسان کو اپنی زندگی کے دوران میں پیش آتے ہیں۔ مثلاً" مادے کی حقیقت کائنات کی ساخت' ریاضی کے مسائل' تاریخ کے مسائل وغیرہ۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے قول کے مطابق انسان کی شہری زندگی' قومی زندگی اور بین الاقوامی زندگی انسان کی اس ارتقائی ترقی کا نتیجہ ہیں[1]۔

"رَبُّ الْعَالَمِیْن" نہ صرف افراد کی تربیت کرتا ہے بلکہ انسانی اجتماعات (Life Group) خاندان قبائل شعوب' اقوام' بین الاقوامی اجتماعات' کی بھی تربیت کرتا ہے اس تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی انسانیت کو ترقی دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر ایک انسانی اجتماع میں ایسے اہل عقل و درایت پیدا ہوتے رہے جو انسانیت کے بنیادی تقاضوں کی تسکین کے لئے علم و حکمت معاشرے میں پھیلاتے رہے۔ یہ انبیاء کرام اور حکماء الٰہی تھے ۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے

---

[1] حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ابواب ارتفاقات اور بدور بازغہ ابواب ارتفاقات (مرتب)

انسانی ترقی کی نئی راہ کھولی یعنی انسانی داخلی نفسی کیفیات پر زیادہ اور مستقل توجہ کرنا۔ اب دنیا کی قومیں اس راہ پر تیزی سے چلیں گی۔ اور ان میں یہ بات پیدا ہوتی جائے گی کہ مختلف اجتماعات ایک مرکزی نقطے پر جمع ہو سکیں۔ یہ بین الاقوامیت کا نیا دور ہوگا۔ جو سابق کے سیاسی بین الاقوامی' اجتماعات سے زیادہ پائیدار ثابت ہوگا۔ اس اختراع فائقہ کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی تعلیم کے ذریعے سے کر دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی کا بلند ترین نقطہ ہے جس پر وہ انسانیت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ قرآن ایک حکیم کو اس درجے تک پہنچانا چاہتا ہے کہ وہ تمام انسانی کائنات کی حکمت سمجھ کر رب العالمین کو ہر لحاظ سے قابل تعریف سمجھے اور کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی حیثیت سے اس لئے بھی پیش کرتا ہے کہ وہ نوع انسان کو ایک بین الاقوامی آئین دینا چاہتا ہے' ایسا قانون کوئی ایک شخص یا قبیلہ یا قوم نہیں بنا سکتی۔ ایسا قانون رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہی بنا سکتا ہے جو فطرت انسانی کا خالق ہے[1]۔ اس بین الاقوامی قانون میں قومی قانون بھی آجائے گا۔ لیکن اسی قدر جس قدر وہ بین الاقوامی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔

نظام ربوبیت : اللہ تعالیٰ نوع انسانی کا رب ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تربیت کا سامان پیدا کر رکھا ہے۔ جس طرح کائنات میں اس کی ربوبیت کا نظام ہر عیب سے پاک اور ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اسی طرح انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے اس نے جو دستور قرآن حکیم کی شکل میں دیا ہے وہ بھی ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے[2]۔

---

[1] فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (30:30) (مرتب)

[2] نوع انسان کی ربوبیت کے دو شعبے　　امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نوع انسان کا رب ہے اس کی ربوبیت کے دو شعبے ہیں۔

(1) تکوین نوع انسان (2) تشریع برائے نوع انسان (یعنی انسان کو پیدا کرنا اور اس کی رہنمائی اور زندگی کی تنظیم کے لئے اسے قوانین دینا' امام صاحبؒ ان دونوں باتوں کو درخت کی مثال سے واضح فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں ایک درخت کا بیج بوتے ہیں وہ بیج زمین میں سے پانی میں حل شدہ خوراک لیتا ہے اور کچھ غذا ہوا میں سے لیتا ہے اسی میں درخت کے نوعی تقاضے درجہ بدرجہ تصرف کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ درخت کے نوعی تقاضے خود اس بیج میں پوشیدہ تھے وہی درخت کی صورت میں ظاہر ہو گئے اس کے پتے' پھول پھل' ذائقہ اور لکڑی کی خاصیتیں وغیرہ جن کے سبب سے ایک نوع کا

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانیت کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر پیدا کیا ہے اسی طرح سے فرد انسانی کو بھی بہت بلند معیار پر تخلیق کیا ہے[1]۔ اگر انسانیت کی تقسیم اقوام میں ہو اور ہر ایک قوم اپنے اندر ایسا نظام پیدا کر لے جس میں افراد کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کی جائے اور وہ پوری طرح سے ادا بھی ہوتے رہیں اور افراد اپنے فرائض اس زندہ احساس کے ساتھ ادا کرتے رہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہیں تو کسی کو انسانیت میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہ آئے گی اور اس پروردگار کی تعریف کرنی پڑے گی جس نے انسانیت اقوام اور

(بقیہ حاشیہ) کا درخت دوسری نوع کے درخت سے مختلف ہوتا ہے وہ سب اس بیج میں پوشیدہ طور پر پہلے سے موجود تھے۔

ایسے ہی مادہ حیوان کے پیٹ میں جنین اس حیوان کے نوعی تقاضوں کے مطابق پرورش پاتا ہے اور نوع کے قوئی ادراکیہ اور قوئی عملیہ ظاہر ہوتے ہیں اور حیوان کی حرکات نفس ساعت بہ ساعت قوت سے فعل میں آتی رہتی ہیں۔ انسان کی بالکل یہی کیفیت ہے بلکہ اس کے جنین میں نوع انسانی کے خاص ارتفاقات اور نفسی مجازات' سعادت و شقاوت نوعیہ وغیرہ سب ظاہر ہوتی ہیں گویا نوع کے احکام ہی افراد میں ظاہر ہوتے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ "نوع" ایک قالب ہے وہ موثر بالذات نہیں یعنی افراد پر اپنے ارادے سے اثر نہیں کرتا اور نہ وہ کسی تاثیر کا موجد حقیقی ہے بلکہ جو حقیقی موجد تاثیر ہے یعنی خداوند تعالیٰ وہ قالب اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے جس طرح ایک ماہر سنگ تراش ایک خوبصورت مجسمہ گھڑتا ہے تو وہ مجسمہ اصل میں سنگ تراش کی ذہنی تصویر کی شکل پر ہوتا ہے اسی طرح ہر ایک نوع کے احکام اور تقاضے حضرت واجب جل مجدہ کی ذات کے اقتضاء سے اس کے علم میں پوشیدہ تھے ذات واجب میں یہ احکام تاثیر کی حیثیت میں تھے اور مخلوق میں یہی احکام تاثر کے رنگ میں ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انواع اور نوعی تقاضے پہلے واجب جل مجدہ کے علم میں آئے اس منزل کو لوح محفوظ کہتے ہیں اس کے بعد وہاں سے ایک تجلی کے ذریعے سے ملاء اعلیٰ کے اذہان میں آئے جو حامل عرش تکوین ہیں۔ اس کے بعد جب حالات سازگار پیدا ہو گئے تو انسان مقدر انسان خارجی کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ اس مرتبے میں ربوبیت کے دو شعبے ہو گئے پہلا شعبہ ان احکام کا ہے جو زمانے کی قیود سے بالاتر ہے۔ ان احکام پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً" انسان میں ضحک (ہنسی) نطق' ارتفاقات ضروریہ اور نیکی اور بدی کے اصول جو نوعی تقاضے انسانی افراد کو اسی طرح بذریعہ الہام پہنچاتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو طبیعی الہام ان کی صورت نوعیہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسری ربوبیت ان احکام کے ذریعے سے ہوتی ہے جو زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان ہر زمانے میں اپنی نوعی صورت سے مطابقت پیدا کرتا رہے اور نیکی اور بدی کے اصولوں کو ہر زمانے کے مناسب شکلوں میں اختیار کیے رکھے۔ (مرتب)

[1] لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (ہم نے انسان کو بہترین پیمانے پر پیدا کیا ہے) سورۃ التین 95:4) (مرتب)

افراد کو ایک نظام کے اندر پیدا کیا اور سب کی رہنمائی کے لئے قرآن حکیم جیسا دستور حیات عطا فرمایا۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانی معاشرہ ایسی طرز پر پیدا کر دیتا کہ اس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا جیسے باقی ساری کائنات ہے لیکن اس کی حکمت نے چاہا کہ انسان اپنی سمجھ اور ہمت سے اچھا نظام قائم کرے اس کے لئے اسے عقل دی اور عقل کی مزید رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام بھیج کر انسانی جماعتوں کو تعلیم دیتا رہا اب اس نے قرآن حکیم کی شکل میں بین الاقوامی دستور حیات بھیج دیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو انسانی معاشرے میں قرآن حکیم کے مطابق نظام پیدا کرنے اور چلانے میں اپنی پوری ہمت صرف کر دے[1]۔

کائناتوں کا خالق : اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بھی رب العلمین ہے کہ وہ تمام دنیاؤں کا خالق ہے[2]۔

---

[1] یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ رب العالمین صرف اقوام و افراد کی تربیت نہیں کرتا بلکہ وہ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والی تحریکات اور نظام ہائے ثقافت کی بھی تربیت کرتا ہے۔ چنانچہ ہر اذان کے بعد ہمیں جو دعا مانگنی سکھائی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ الخ

اس میں دعوۃ (نماز کے لئے پکار) کی ربوبیت اور الصلوۃ القائمہ کی ربوبیت کی دعا مانگی گئی ہے یہ دعا اس لئے سکھائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ایک عظیم الشان تحریک کے بانی اور ایک نظام کے قائم کرنے والے ہیں وہ مقام محمود حاصل کریں اس مقام محمود کا وعدہ آپ سے اس آیت میں کیا گیا ہے۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (79:17) تیرا (رب عنقریب تجھے مقام محمود پر فائز فرمائے گا) مقام محمود قرآن حکیم کا بین الاقوامی غلبہ عظیم ہی ہے جو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو حاصل ہو چکا ہے جب بنی عباس نے بغداد میں بین الاقوامی مرکز قائم کیا اور پھر ہند میں مسلمانوں نے اسی قسم کا مرکز قائم کیا۔ لیکن اس کا ظہور کامل اس وقت ہوگا جب تمام انبیاء کی قومیں لوائے محمدی کے نیچے آجائیں گی اور قرآن حکیم کے قانون کی فرمانبرداری کرنے لگیں گی۔ (مرتب)

[2] کائنات کی وسعت : کائنات عظمیٰ (سب سے بڑی کائنات جو تمام کائناتوں پر مشتمل ہے) اس میں ہمیں اپنی دوربینوں Telescopes کی مدد سے بیس لاکھ جزیرائی کائناتیں (Island Universes) دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی کائناتیں جو ہماری ناقص دوربینوں کی پہنچ سے باہر ہیں ان کی تعداد کروڑوں ہوگی ہم خود ایک جزیرائی کائنات" میں بستے ہیں جسے کہکشائی کائنات (Galaxtic Univers) کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے جو رات کو ہمیں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔

یہ جزیرائی کائناتیں سحابوں (Nebulac[1]) کی شکل میں نظر آتی ہیں اور ہماری کہکشائی کائنات سے لاکھوں نوری سال[2] کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ہمارا نظام شمسی (Solar System) اس لمبے کہکشاں کے اندر ستاروں کے ایک جھرمٹ Star Cruster میں واقع ہے جس میں ایک اندازے کے مطابق 47 ہزار ملین (ملین = دس لاکھ) اور دوسرے اندازے کے مطابق ایک لاکھ ملین ستارے (سورج) ہیں۔ chapter I & II
(مرتب) Ctowther, J.G. An outline of Univers

ں نے کروڑوں کائناتیں پیدا کر رکھی ہیں ہر ایک کائنات پورے نظام کے ساتھ ایک جامع قانون کے تحت ترقی و ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ کائنات عظمیٰ کی ایک اہم مخلوق، انسان ـــــ کو بغیر کسی رہنمائی اور دستور حیات کے چھوڑ دیتا؟ بڑی کائنات میں ایک ایک ذرہ قانون کے تحت کام کر رہا ہے۔ ساری کائنات میں کامل آہنگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ [1] کرۂ زمین پر ہر ایک نوع کی زندگی کے خاص قاعدے ہیں وہی ان کی "شریعت" ہیں اور وہ اس شریعت کے تحت چل رہی ہے۔ یہ شریعت اس نوع حیوان کی فطرت کے تقاضے پوری کرتی ہے۔ انسان کی بھی ایک فطرت ہے اس کی رہنمائی کے لئے بھی ایک دستور حیات ہونا چاہئے۔ وہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطے اور دستور کے ذریعے سے تمام اقوام کو اپنی انسانی فطرت کی تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے۔

(ذیلی حاشیہ)[1] مادے کے روشن بادل

[2] ایک نوری سال (Light year) سے وہ فاصلہ مراد ہے جو روشنی کی کرن ایک لاکھ 86 ہزار میل فی ثانیہ (سیکنڈ) کی رفتار سے چلتی ہوئی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ یہ پانچ کھرب اٹھاسی ارب میل سے زیادہ ہے۔ علم ہیئت میں ستاروں وغیرہ کے فاصلے اتنے لمبے شمار میں آتے ہیں کہ جلد ہی ہمارے ہندسے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان فاصلوں کو میلوں میں ظاہر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان بے حد طویل فاصلوں کے ظاہر کرنے کے لئے نوری سال کو اکائی مان کر کہا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ دس نوری سال یا دس ہزار نوری یا دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ (مرتب)

[1] کائنات میں ہم آہنگی : قرآن حکیم کی سورت الملک میں آتا ہے کہ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (67 : 3-4) یعنی کیا تجھے خدائے رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں تجھے فتور دکھائی دیتا ہے پھر لوٹا لوٹا کر دو دفعہ نگاہ دوڑا تیری نگاہ درماندہ ہو کر اور تھک ہار کر واپس آجائے گی اور کائنات میں کہیں کوئی فرق و فتور نہ پائے گی ان آیات کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر صاحب (مشیر سائنس برائے صدر پاکستان) نے کراچی یونیورسٹی میں 12 فروری 1965ء کو ایک لیکچر دیا جس کا عنوان مادے کے بنیادی ذرات (Fundamental Particles of Matter) تھا اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ ساری کائنات میں انتہا درجے کی یکسانیت اور موزونیت پائی جاتی ہے اور کہیں کوئی فرق یا بے قاعدگی دکھائی نہیں دیتی۔ (مرتب)

"اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ":

ان دونوں لفظوں کا مادہ رحم ہے جسے سب جانتے ہیں یہ اس سلوک سے معلوم ہو سکتا ہے جو ماں باپ اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔

"آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک عورت کسی غزوے میں گرفتار ہو کر آئی اس کا بچہ گم ہو گیا تھا اس کے دل میں محبت کا جو جوش تھا کہ جو بچہ مل جاتا اسے سینے سے لگا لیتی اور دودھ پلاتی۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے فرمایا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کیا ہرگز نہیں فرمایا: خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے"۔

"ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک پرندہ مع اس کے بچوں کے چادر میں لپٹا ہوا لایا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں ایک جھاڑی میں سے یہ بچے اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لایا۔ اس کی ماں یہ دیکھ کر میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا کپڑا کھول دیا تو یہ فوراً" بچوں پر گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی محبت پر تمہیں تعجب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے' خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدرجہا زیادہ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ایک سو حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہے انسان کو انسان سے محبت ہے حیوان کو حیوان سے محبت ہے۔

دنیا میں انسان کی تربیت ماں باپ کے ذریعے سے ہوتی ہے (دوسرے حیوانوں کی زندگی کا بھی عموماً" یہی قاعدہ ہے) پھر ایک وقت آتا ہے کہ ماں باپ کی ضرورت نہیں رہتی اور خود کسی انسانی فرد کا ماں یا باپ بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی اولاد کے لئے ویسی ہی رحمت اور محبت اپنے اندر پاتا ہے جیسی اس کے ماں باپ خود اس کے لئے ظاہر کرتے تھے۔

دنیا میں جتنے "ماں باپ" آج تک ہو چکے ہوں یا قیامت تک ہوں گے (انسانوں کے ہوں یا حیوانوں کے) ان سب کی مہرپدری اور محبت مادری کو جمع کر کے اسے سو گنا کر لیا

جائے تو اللہ تعالیٰ کے رحم کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے۔ (او کما قال)

رحمٰن اور رحیم : ذرا غور کیا جائے تو باپ اور ماں کی محبت میں ایک طبعی فرق نظر آتا ہے۔ باپ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد کمال حاصل کرلے خواہ اولاد کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

ماں کی ماتا چاہتی ہے کہ اس کی اولاد کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جو پہلو باپ کی محبت سے مشابہ ہے وہ رحمانیہ ہے اور جو ماں کی محبت کی مانند ہے وہ رحیمیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت چاہتی ہے کہ انسان مشقتیں اٹھا کر بھی کمال کے درجے طے کرتا رہے چنانچہ سورۃ رحمٰن میں آتا ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا) (55:1-2)

اب قرآن حکیم پڑھنا' پڑھانا اس کے اصول کی اشاعت کرنا ان پر جماعت تیار کرنا اس کے دستور کو دوسرے دستوروں پر غالب کرنا اور اس کی حفاظت کے لئے لڑنا مرنا یہ سب رحمانیت کا تقاضا ہے۔

اس کی رحیمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے محبوب بندے اپنے اعمال کے نتائج سے بہترین فائدے حاصل کریں اور ہر قسم کی تکلیف' غم اور خوف سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ سورہ الشعراء میں مومنوں اور کافروں کا تقابل کیا گیا ہے۔ کافروں کی نسبت بتایا گیا ہے کہ انہیں عذاب دیا جائے گا اور وہ مغلوب ہوں گے اور مومن پر رحم کیا جائے گا وہاں اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا ذکر فرماتا ہے یعنی وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ (26:9) (تیرا رب ہی عزیز اور رحیم ہے) گویا العزیز ہے بمقابلہ کفار جنہوں نے خدائے عزیز کی عزت کے خلاف کام کیا۔ یہ لوگ ضرور عذاب میں مبتلا ہونے چاہئیں اور الرحیم ہے مومنوں کے ساتھ اس لئے وہ انہیں جنت میں جگہ دے گا جہاں انہیں کوئی تکلیف اور زحمت نہ ہوگی۔ پس قرآن حکیم میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر آئے گا وہ ان دو معنوں میں سے کسی معنی میں آئے گا اور اس کا مرجع یہ بنیادی آیت کریمہ ہوگی۔

بچہ ماں باپ کے بھروسے ہی پر ترقی کر سکتا ہے جہاں ماں باپ کی قوتیں جواب دیتی

جائیں "اَلرَّحْمٰنُ" اور "اَلرَّحِیْمُ" پر انسان کا بھروسہ بڑھتا جائے وہ اپنی فطرت کے مطابق ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی انسانیت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے اور اس طرح انسانی فطرت کی طلب پوری ہو جاتی ہے۔

رحمت کی وسعت : "اَلرَّحْمٰنُ" اور "اَلرَّحِیْمُ" کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے رَبُّ العٰلمین کی طاقت کا اندازہ لگاؤ وہ تمام کائناتوں کو ارتقاء کی منزلوں سے گزار رہا ہے۔ وہ انسانی جماعتوں کے لئے ترقی کی راہیں کھولتا ہے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان کرتا ہے اگر انسان اتنی وسیع طاقت کے مالک رب العٰلمین پر بھروسہ کرنا سیکھ لے جس کی محبت اور رحمت تمام دنیا کے ماں باپوں کی محبت سے سینکڑوں گنا وسیع ہے اور جس کی طاقت (تجلی) تمام کائناتوں کے گوشے گوشے تک پہنچتی ہے تو انسان کی ترقی کی راہ میں کون سی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے؟

تمام کائناتوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہی سے ہوا ہے ان کائناتوں کے اندر ارتقاء کے جو قوانین جاری ہیں اور اس کی رحیمیت نے انسان کی راحت کے لئے جو سامان اس زندگی کے لئے اور مرنے کے بعد کے لئے زندگی کے لئے پیدا کر رکھے ہیں ان کا جتنا علم انسان کو ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اس بات کا قائل ہوتا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم کے تمام کام ہر لحاظ سے قابل تعریف اور لائق ستائش ہیں۔

نوٹ : اس سورت کا رب العٰلمین سورۃ الناس کے رب الناس ہی کا قائم مقام ہے۔

(3) "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" :

نظام عدل کی ضرورت : جنگل کے درختوں اور پودوں کو ربوبیت الٰہی غذا بہم پہنچاتی ہے تو وہ نشوونما پاتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے ان کی شاخیں آپس میں پھنس جاتی ہیں اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی مالی ہو جو انہیں الگ الگ کر دے اور ضرورت ہو تو چھانٹ ڈالے تاکہ وہ اپنے حلقے میں بڑھتے رہیں۔ یہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مختلف استعداد کے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی انفرادی فطرت کی تکمیل کرتی ہے تو طبعی طور پر ان میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں جب یہ اختلافات بڑھتے ہیں تو معاشرے (Society) میں ایک فرد دوسرے فرد

پر ظلم کرنے لگتا ہے اب جو شخص اس معاشرے کو باہر سے دیکھے گا وہ فرشتوں کی طرح یہی کہے گا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (بقرہ: 30) (کیا تو کرہ زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنی چاہتا ہے جو اسے خراب کرے اور خون ریزی کرے) لیکن جو شخص اسے اندر سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ انسان کے ہر فعل کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اسباب مسلسل چلا جاتا ہے انسانی معاشرے کے اندر سلسلہ ظلم و طغیان بھی سلسلہ اسباب سے خارج نہیں ہے یہ انارکزم (Anarchism) نہیں ہے۔

انسانی معاشرے میں بعض اسباب کے زیر اثر ظلم و طغیان کا ظہور ہوا تو حکمت الٰہی نے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ انسان کٹ کٹ کر فنا ہو جائیں بلکہ اس نے نظام عدل پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ انسان اپنی ترقی کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے جو اس کی ربوبیت کی تفسیر ہے۔ اسی طرح عدل حق کا بھی محتاج ہے جو اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور مملوکیت کا ترجمان ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ مالکیت اور ملوکیت سب سے زیادہ واضح شکل میں انسانی نظام ہی میں ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اس کی قدرت اور قہمانی باقی تمام غیرذی ارادہ اشیاء پر ان کے ارادے کے بغیر ہی قائم ہے لیکن انسان خود اپنے ارادے اور فیصلے سے اللہ تعالیٰ کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کرتا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے پس اس سورت کا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سورۃ الناس کا مَلِكِ النَّاسِ ہی ہے اسی سے ظاہر ہے کہ معاشرہ انسانی کے قیام و قوام اور ترقی کے لئے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے وہ بادشاہت کے ذریعے سے قائم ہو یا عوامیت اور جمہوریت کے ذریعے سے قائم ہو۔ کسی طرح سے بھی ہو۔ا۔

ا۔ امام ولی اللہ اور نظام عدل : امام ولی اللہ دہلویؒ نظام عدل کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

(1) ارتفاق ثالث اس کی حقیقت یہ ہے کہ اصول مذکورہ کے مطابق انسان کے لئے تمدنی زندگی لازم ہے کیونکہ حقیقت میں شہر سے مراد فصیل' منڈی اور بلند عمارات نہیں ہیں بلکہ اس سے مختلف انسانی جماعتوں کے مابین ارتباط مراد ہے اور اصول مذکورہ کی رو سے مختلف جماعتوں میں ارتباط پیدا ہو جانا طبعی طور پر لازم ہے۔ یہ تمام انسانی جماعتیں آپس کے معاونات اور معاملات کی وجہ سے ایک شخصیت پیدا کر لیتی ہیں لیکن یہ شخصیت معنوی ہوتی ہے اور خارجی یا داخلی اسباب اس کی شخصیت میں صحت اور مرض کی حالت پیدا کرتے رہتے ہیں لہذا شہر کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو حتی الامکان اس کی صحت قائم رکھے اور اگر مرض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کا معالجہ بھی کر سکے۔ امام مع اپنے کارندوں کے تمدن کا طبیب ہوتا ہے۔ (البدور البازغہ ص 5 ص 18 تا ص 51 ص 4)

(2) ایک اور جگہ مدینہ (شہر) کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اس میں (یعنی شہر میں) البتہ ایک وحدت

"انسانیت" ذمہ داری کا نام ہے : انسان کی انسانیت میں اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ وہ ایک بات سمجھ لے اور پھر اسے عمل میں لائے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ذمہ اٹھائے۔ وہ اینٹ پتھر نہیں ہے کہ ہلایا تو ہل گیا ورنہ ساکن پڑا ہے۔

ہم اپنی روزانہ زندگی میں "نوکر" اور "غلام" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں نوکر اور غلام خود سوچ کر اپنی ذمہ داری پر کوئی کام نہیں کر سکتے' اس لئے ان پر "انسان" کا لفظ پوری طرح صادق نہیں آتا۔ اصل میں انسان کا ترجمہ حر (آزاد) ہے یعنی وہ خود سوچ کر اپنی ذمہ داری سے کام کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) ہوتی ہے تو اس وحدت کا صحت کے ساتھ قائم رکھنا لازم ہے تاکہ تمدنی زندگی کے منافع کی تکمیل ہو سکے تو وہ تدبیر (نظام) جس سے صحت قائم رہتی ہے اور تکمیل منافع ہوتی رہتی ہے وہی حقیقت میں امام ہے وَلَيْسَ الْإِمَامُ عِنْدَنَا هُوَ شَخْصُ الْوَاحِدِ الْإِنْسَانِيُّ (ہمارے نزدیک امام کوئی انسانی فرد نہیں ہوتا) البتہ اگر کوئی انسانی فرد شہر کا حاکم بن جائے اور وہ یہ نظام قائم کرنے کی استعداد بھی رکھتا ہو گو وہ اپنی ذات سے آمر مطلق ہی کیوں نہ ہو اور شہری زندگی (اس کے عمل سے) پوری صلاحیت سے چلے تو اس لفظ کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے وہ بھی امام کہلا سکے گا۔ (ایضاً ص 71-72)

(3) شہری زندگی کی تنظیمی ضروریات پر بحث کرنے کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں : چونکہ مدینہ تامہ لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو جانے اور ان کی طبیعتوں اور غرضوں کے اختلافات کی وجہ سے آراء کے اختلاف کے باعث کسی نظام کا قیام مشکل ہو جاتا ہے اس لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو نظام قائم کر سکے ایسا شخص جو مذکورہ بالا (پانچوں صفات) کا حامل ہو امام برحق ہوتا ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثر اوقات جو امر واقع ہوتا ہے یہ ہوتا ہے کہ ایک صفت ایک شخص میں پائی گئی اور دوسری کسی میں اور باقی کسی اور میں یہ مدینہ ناقصہ میں ہر ایک ضرورت کے لئے ایک رسم موجود ہوتی ہے جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے یا ایک ایک پیشے کے لوگوں کا چوہدری ہوتا ہے جس کی رائے مانی جاتی ہے یا اجْتِمَاعٌ مِنْ عُقَلَاءِ الْقَوْمِ وَمُدَبِّرِيهِمْ (قوم کے عقلمندوں اور سربرآوردہ لوگوں کا اجتماع) ہوتا ہے جو نظام قائم رکھتا ہے۔ (ایضاً ص 72-73 ایک اور جگہ (ایضاً ص 181) عقلا" کی جگہ "حکما" بھی فرماتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا کا رجحان اس طرح ہے چنانچہ پی۔ اے سائزوکن ہارورڈ یونیورسٹی لکھتے ہیں کہ

Three significant trends in the qualfications of the new governments are already observable.

The first of these trends manifests itself in the rapidly increasing role of scientists and expert in the planning, developing, controlling and executing of an ever-increasing part of the important governing activities and policies." (Sorokin P.A. The Basic Trends of our Times. College and University Press. New Haven. Coun U.S.S P. 55.

نئی حکومتوں کے اوصاف میں تین معنی خیز رجحانات نمودار ہوتے صاف دکھائی دینے لگے ہیں پہلا رجحان حکومتوں کی انتظامی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی منصوبہ بندی' تکمیل' نظم و نسق اور تعمیل و نفاذ میں حکماء (سائنسدانوں) اور (ہر شعبہ حیات کے) خصوصی ماہرین کی سرعت سے بڑھتی ہوئی اور زیادہ سے زیادہ حصہ داری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس جوہر حریت کو ترقی دینے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ انسان کو یقین دلایا جائے کہ خدائے رحمٰن و رحیم نے اس کی ترقی کے تمام سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر وہ ان اسباب سے کام لے اور اپنے فرائض ادا کرے تو اس کی ترقی کے لئے وسیع میدان موجود ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اسے سزا بھگتنی ہوگی' کیونکہ اس کے اعمال کے نتیجے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے ہر ایک انسان اپنے اعمال کے نتیجے میں گرو ہے۔ اور وہ اس نتیجے سے کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس نتیجے سے آزاد نہیں کر سکتی۔

انسان میں یہ یقین جتنا زیادہ قوی ہوگا وہ اتنا ہی اعلیٰ درجے کا نظام پیدا کر لے گا اور اسے چلائے گا اور جتنے زیادہ انسانوں کو یہ یقین حاصل ہوگا اتنی ہی انسانیت ترقی کرے گی۔ جتنا یقین کمزور ہوگا اتنی ہی انسان کی انسانیت کمزور ہوگی۔ وہ کام کرے گا لیکن اپنے آپ کو اپنے کاموں کے نتیجوں کا ذمہ دار نہیں سمجھے گا ایسا شخص انسان نہیں نرا حیوان ہے وہ جتنا ظلم کرے کر سکتا ہے۔

عمل اور اس کا نتیجہ : امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے فعل کی تکمیل سے پہلے اس کا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا جونہی اس کا فعل پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اس کا نتیجہ جزا یا سزا مرتب ہو جاتا ہے گو کبھی کبھی وہ نتیجہ فی الفور ظاہر نہیں ہوتا۔ پس انسان اپنے تمام اعمال میں مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا محتاج ہے جو اس کے اعمال کے نتائج مرتب کرے۔

دین کے معنی ہیں جزاء۔ ہر ایک حرکت کا نتیجہ نکلنا ایک کائنات گیر قانون ہے اس کے عمل کو نظام کلی (Universal) کہتے ہیں۔ اس نظام کلی کے تحت انسان کے عملوں کی جزاء (یا سزا) مرتب ہوتی ہے اسے قانون مجازات کہتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انسان کو اس دنیا میں بھی جزاء اعمال ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی چنانچہ انہوں نے حجتہ اللہ البالغہ (ج 1) میں مبحث کیفیتہ المجازاۃ فی الحیاۃ وبعد الممات" کے عنوان سے ایک مستقل بحث لکھی ہے۔

بقول امام صاحب قانون مجازات کی اصل (Basic Application) حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے چنانچہ اگر حیوان ضرورت سے زیادہ چارہ کھا لے تو اسے تخمہ اپھارہ ہو

جاتا ہے یا اگر زہریلی بوٹی کھا جائے تو سخت درد شکم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر درخت اپنی طبعی ضرورت سے زیادہ پانی جذب کرلے تو اس کا پھل خراب ہو جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ چونکہ انسان کو نہایت ذکی اور لطیف نفس دیا گیا ہے اس لئے اس کے حق میں مجازات دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے' یعنی:

قسم اول ان افعال کے بارے میں جن کا تعلق بدن انسانی کے ساتھ ہے جیسے زیادہ کھا جانے سے تخمہ (اپھارے) میں مبتلا ہو جانا یا زہر کھا کر مر جانا یہ افعال جان بوجھ کر کئے جائیں یا غلطی سے سرزد ہوں یا کسی کے جبرواکراہ سے کرنے پڑیں۔ ان افعال کا اثر ضرور نکلتا ہے۔ ان افعال میں یہ شرط نہیں ہے کہ کرنے والے نے اپنے ارادے سے جان بوجھ کر کئے ہوں۔

قسم دوم ان افعال کے بارے میں جو انسان کا نفس اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور اس کا نفس ناطقہ ان کا رنگ اپنے اندر لیتا ہے۔

امام صاحب جزاء کے چار موطن (Levels) قرار دیتے ہیں۔

(1) اس دنیا میں

(2) عالم برزخ میں

(3) عالم حشر میں اور

(4) مجازات اجتماعی یعنی نوع انسان کی کلی جزاء۔

اس موضوع پر امام صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں تفصیل سے لکھا ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے (دیکھئے تفہیمات الٰہیہ شائع کردہ المجلس العلمی' ڈابھیل (سورت بھارت) صفحات 246 تا 256)

یوم الدین کی ضرورت : (1) اللہ تعالیٰ نے انسان کے عملوں کے نتائج مرتب کرنے اور اس کے کاموں کا بدلہ دینے کے مختلف قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ اسے کسی نہ کسی قاعدے کے مطابق دنیا یا آخرت میں اس کے عمل کا اچھا یا برا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ فرض کرو کہ بعض خاص حالات میں کسی شخص کو اپنے عمل یا عملوں کا بدلہ نہیں ملا (مثلاً سزا سے بچ گیا یا جزا پانے سے محروم رہ گیا) تو ضرورت ہے کہ ایک دن ایسا ہو جب اسے اس کے عملوں کی پوری پوری جزا یا سزا ملے اسے یوم الدین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس وسیع اور غیر محدود طاقت کے ساتھ تمام کائناتوں کا انتظام کرتا ہے اور تمام دنیا کی قوموں کی ترقی کے سامان بہم پہنچاتا ہے اسی وسیع اور لامحدود طاقت کے ساتھ ہر ایک انسان سے اس کے اعمال کی بازپرس بھی کرے گا اس سے وہ مالک یوم الدین کہلاتا ہے۔[1]

(2) کسی انسان کا ایک فعل لمحوں اور ثانیوں میں تکمیل نہیں پاتا۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس کے عمل کا نتیجہ دنوں، ہفتوں، یا برسوں میں نکلے لیکن اگر کوئی بہت بڑا اجتماع کوئی عمل کر رہا ہو تو وہ صدیوں سے پہلے تکمیل نہیں پا سکتا۔ اس کا نتیجہ بھی صدیوں ہی میں مرتب ہو سکتا ہے۔ اجتماعیت عامہ میں جس میں تمام اقوام اور ساری کی ساری انسانیت شریک ہو جو عمل ہو رہا ہے وہ انسانیت کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے اور کرۂ زمین سے انسانیت ختم ہو جائے کیا انسانیت عامہ کے نوعی اجتماعی کام کی جانچ (Assessment) کے لئے کوئی وقت نہیں ہونا چاہئے؟ جس طرح افراد انسانی اور چھوٹے انسانی اجتماعات کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اسی طرح نوع انسانی کی اجتماعی اور اجتماعی جانچ پڑتال بھی ہوگی یہ کام اللہ تعالیٰ نے یوم الدین پر انحصار رکھا ہے۔[2]

(3) معاشرے میں بعض لوگ اس کام پر مقرر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دیں لیکن یہ جزا دینے والے بھول چوک سے یا جان بوجھ کر غلطی کر جاتے ہیں اس غلطی کا تدارک بعض اوقات اس دنیا میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک یوم الدین ہو جس میں حاکموں اور فیصلہ کرنے والوں کے غلط فیصلوں پر نظرثانی کی جائے اور لوگوں پر جو ظلم ہوا ہو اس کا تدارک کیا جائے۔ یہ بھی یوم الدین پر موقوف ہے۔

(4) خدائے رحمان و رحیم انسانوں کو جتنی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اگر انسان ان کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اسے ان سب نعمتوں کا حساب دینا ہوگا تو وہ ہر موقع پر سوچ سمجھ کر کام کرے گا۔ اور کسی نعمت کو ضائع نہیں کرے گا قرآن حکیم فرماتا ہے کہ

1۔ تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں یہی بات انسان کو سمجھانے کے لے آئی ہیں ہر چیز کبھی کسی نبی کے ذریعے سمجھائی گئی ہے کبھی ان کے قائم مقام کے ذریعے سے جسے حکیم کہتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھی) 2۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (ہم عنقریب تم دونوں گروہوں کے لئے فارغ ہو جائیں گے) الرحمٰن 55 : 31 (مرتب)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (2 : 284) یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر کرو یا چھپائے رکھو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔

جملہ معترضہ : بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے اور پھر آگے اس آیت کی تشریح میں تقریریں بناتے ہیں کیا انہوں نے انسانیت اور اس کی ذمہ داری کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اتنی مخلوق پیدا کر کے انسان کو اپنا خلیفہ (نائب) کے طور پر ان سب پر حاکم بنایا ہے۔ کیا وہ "اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ" اپنے نائب سے حساب نہ لے گا؟ اگر انسان حساب نہ لے گا اگر انسان حساب دینے سے انکار کرتے ہیں تو گویا وہ انسان نہیں بننا چاہتے یہ لوگ کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (2 : 286) اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر گرفت نہ فرمایئے) آیت محاسبہ کی ناسخ ہے حالانکہ وہ اس کی تکمیل کرتی ہے اصل میں ان لوگوں کا کام ہی یہی ہے کہ تمام کلام کی آیتوں کو بیکار بنا کر رکھ دیں ہمارا فکر یہ ہے کہ ان لوگوں نے بچوں کو سکھانے کے لئے تفسیریں لکھیں تھیں (بڑی عمر کے لوگ تو زندگی کے تجربوں سے قرآن آسانی سے سیکھ لیتے ہیں) ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا ہے اب ناسخ و منسوخ کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ سارا قرآن اصل اور قابل عمل ہے۔ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

حدیث شریف (مسلم) میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ ہر ایک انسان سے الگ الگ سوال جواب کرے گا اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ میں نے تجھے رزق دیا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ بندہ کہے گا یا اللہ! تو تو بھوک پیاس سے پاک ہے، تجھے روٹی کیا دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ عاجز بھوکا انسان تیرے پاس آیا۔ تو نے اسے روٹی نہ دی اگر اسے روٹی دے دیتا تو وہ مجھے پہنچ جاتی۔ پھر جماعت سے سوال ہو گا کہ تم نے اس نبی کی بات کیوں نہ مانی؟ الغرض زندگی کی تمام نعمتوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو گا۔

(الف) ایک نعمت ایک انسانی فرد کو دی گئی ہے اس کا حساب اسے دینا ہو گا۔

(ب) ایک نعمت ایک جماعت (قوم) کو دی گئی ہے' اس کا حساب اسے دینا ہو گا۔

(ج) جو نعمتیں انسانیت عامہ کو دی گئی ہیں ان کا حساب ساری انسانیت کو دینا ہوگا۔
اس غرض کے لئے ساری انسانیت کا میدان حشر میں جمع کیا جانا ضروری ہے تاکہ سب کا انفرادی اور اجتماعی حساب لیا جائے یہ "یَوْمُ الدِّیْنِ" ہی کو ممکن ہے۔
انسان کو یہ بات کہ اسے خدا تعالیٰ کے روبرو جواب دینا ہوگا اپنی زندگی کے تمام درجوں میں یاد رکھنی چاہئے۔

(د) اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کر کے انسان کو اس کا حاکم بنا دیا ہے وہ ان سے کام لیتا ہے اور فائدے اٹھاتا ہے کیا "اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ" اپنے نائب سے اس کی ذمہ داریوں کا حساب نہ لے گا؟ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ گویا انسان نہیں بننا چاہتے۔
مختصر یہ کہ انسانیت کی ترقی کے لئے ایک نظام عدل کی ضرورت ہے جس کے تحت قانون مکافات پوری طرح سے عمل کرے؟ لیکن اسے انسان کی موجودہ زندگی میں ایسے حالات اور قوانین کے تحت کام کرنا پڑتا ہے کہ ان قوانین کے طبعی تقاضوں کی وجہ سے قانون مکافات اپنا پورا عمل نہیں کر سکتا[1]۔
اس لئے نہ افراد اور اقوام کے ظلموں کی پوری سزا مل سکتی ہے نہ حاکموں کے ارادی اور غیرارادی غلط فیصلوں کی اصلاح ہو سکتی ہے' نیز افراد' اقوام اور انسانیت عامہ کے کام جاری رہتے ہیں جن کا انجام اس وقت ہوگا جب نوع انسان کا خاتمہ ہوگا۔ ایسے ہی افراد اقوام اور انسانیت عامہ کو جو نعمتیں دی گئی ہیں ان کے استعمال کا حساب نوع انسان کے خاتمے ہی پر لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب امور نوع انسانی کے اس دور کے خاتمے پر ایک یوم الدین کا تقاضا کرتے ہیں جب پورا پورا حساب لیا جائے اور مکمل عدل کیا جائے یہ دن ضرور آئے گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ حساب لینے اور انصاف کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کرے گا۔

یوم الدین پر ایمان کا فائدہ : جب انسان یوم جزا کی معرفت پر پورا یقین کر لیتا ہے تو وہ اس بات سے بے فکر ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی حق مارا جائے گا یا وہ معاشرے

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ جب ان اسباب میں جن پر فیصلے کا اجراء موقوف ہے طبعی طور پر تعارض پیدا ہو جائے اور اس فیصلے کے مطابق جو حالات پیدا ہونے چاہئیں ان کا کلی طور پر وجود میں لانا ممکن نہ ہو تو اس وقت حکمت الٰہی ان اشیاء کی رعایت کرتی ہے (یعنی ان اسباب کو کام کرنے دیتی ہے) جو خیر مطلق کے زیادہ قریب ہوں"۔
(حجتہ اللہ البالغہ ج ا ص 17 ص 18) (مرتب)

کی خدمت کے لئے جو کام کرے گا جزا سے محروم رہ جائے گا۔ وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اگر اس حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق اس کے کسی عمل کی جزاء اسے دنیا میں نہیں مل سکی یا جو ظلم اس پر ہوا اس کی اصلاح نہیں ہو سکی تو "یَوْمِ الدِّیْنِ" پر اسے وہ جزا مل جائے گی اور اس روز اس کی پوری داو رسی کی جائے گی۔ اس امر کے کامل یقین ہی سے انسانیت کی تنظیم کی قوت قاہرہ پیدا ہوتی ہے لیکن اگر انسان کو آخری یوم جزا کا یقین نہ ہو یا وہ اسے تسلیم نہ کرتا ہو تو وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور ظلم کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اس ذہنیت کے انسان کسی معاشرے میں اوپر آجائیں تو وہ بے انتہا ظلم کر سکتے ہیں۔

غرض دنیا اور آخرت میں مُجَازَاۃ (اعمال کی جزا) کا جو سلسلہ کام کر رہا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے اور اس تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اسے اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ چلا رہا ہے۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ، اَلرَّحِیْم اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف بخوبی کرا دیا۔ ان تمام صفتوں کا مرجع ذات واحد ہے جسے اللہ کہا گیا ہے۔ ساری کائنات پر اس کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کے نقطہ نگاہ سے نظر ڈالو اور فرد، خاندان، قوم بین الاقوامی اجتماع اور انسانیت عامہ میں ان صفات کے ظہور و عمل پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل و عمل میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور ان ذات والا صفات کی ہر لحاظ سے تعریف کرنی پڑتی ہے۔

ان صفات کا تصور انسان میں اخبات کا گہرا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ!"

جب انسانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعین ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اقوام کا رب (پروردگار) ہے اور اس کی ربوبیت انسانی معاشرے میں ماں باپ کی ربوبیت جیسی لیکن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور تمام جھگڑوں کو چکانے والا (مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ) وہی ہے اور وہی مظلوموں کے حقوق ظالموں سے لے کر دے سکتا ہے۔ تو انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس کی حکومت درکار ہے؟ اس حالت میں انسانیت فقط اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت، حاکیت، ملوکیت اور مالکیت کو قبول کر کے ترقی کر سکتی ہے۔

جب انسانیت اپنے آپ کو اللہ "ربُّ العلمین" اور "ربُّ الناس" کے ساتھ باندھ لے تو وہ کبھی حسرت میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ یہ معنی ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے۔ گویا ہم اعلان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزۃ کے سوا ہم کسی کے غلام نہیں ہیں۔ ہم اسی کی غلام کرتے ہیں اپنے سارے دل کے ساتھ' اپنی ساری عقل کی معرفت کے ساتھ اور اپنے اعضاء و جوارح کی پوری تابعداری کے ساتھ۔ اب کوئی غیراللہ ہم سے اس قسم کی پیروی اطاعت اور فرمانبرداری کی امید نہ رکھے۔

(4) (ا) اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں

ہم تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ تیری کتاب دستور۔ قرآن حکیم' کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کریں گے!

عبادۃ کیا ہے : جب کوئی شخص قرآن حکیم کو بطور کتاب الٰہی تسلیم کرلے تو اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسے پڑھنے میں اتنی محنت کرے کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ میں نے اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہے اب وہ اس کتاب عظیم کے کسی حکم کی تاویل کر کے اسے منسوخ کہہ کر ٹال نہیں سکتا وہ اس کے ہر ایک حکم کی خوشدلانہ تعمیل کرے گا یہی عبادۃ ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ آیا ہے اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ (17:75) امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام نے جس طرح قرآن حکیم جمع کیا وہ گویا خداوند تعالٰی نے جمع فرمایا ہے آگے آتا ہے وَقُرْاٰنَہٗ (یعنی ہم پر اس کا پڑھانا بھی واجب ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالٰی ایسے لوگ پیدا فرماتا رہے گا جو قرآن کو سمجھ کر آگے لوگوں کو سمجھاتے رہیں گے۔ اگر الفاظ قرآن حکیم کے پڑھے جائیں اور مطلب اپنا لیا جائے تو یہ قرآن پڑھنا نہیں ہوگا۔ جب ہم قرآن حکیم کے کسی لفظ' کسی حرف یا کسی شوشے کو نہیں بدلتے تو اس کے معنی کو کیوں بدلیں۔

"اِخْبَاتَ اِلَی اللہ": جب ساری کائنات میں ایک ہی اللہ کا قانون جاری ہے اور ہر ایک انسان اور ساری نوع انسانی اس کے آگے جوابدہ ہے تو کامیاب سوسائٹی وہی ہوگی جس میں اللہ تعالٰی اور صرف اللہ تعالٰی ہی پر بھروسہ کیا جائے اسی سے محبت کی جائے اسی کے قانون کو تسلیم کیا جائے اور اس کی پابندی کی جائے اسے اخبات کہتے ہیں۔

ہم اپنے ماں باپ' اپنے اساتذہ' روحانی مشائخ اور عادل حکام کی عزت کرتے ہیں اور ان کے لئے اپنے دلوں میں عزت' محبت اور اطاعت کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو "رَبٌّ"، "رَحۡمَانٌ" "رَحِیۡمٌ" اور "مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ" تسلیم کر لینے کے بعد اخبات کے وہ تمام جذبات جو ہم ماں باپ' اساتذہ مشائخ اور حکام کے لئے اپنے دل میں پاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اب ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں اور ان کی جو اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی محبت اس کی اطاعت کے نیچے آجاتی ہے ہم ان سے محبت کریں گے۔ اور ان کی اطاعت کریں گے کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور کراتے ہیں۔ اب ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف اس لئے ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قانون کو عمل میں لائیں اور اس کے مقابلے میں اپنے نفس کی ہر ایک خواہش' ماں' باپ' عزیزو اقارب' دوست احباب کی ہر ایک خواہش استاد اور مرشد اور حاکم کے ہر ایک حکم کو ٹھکرا دیں جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم سے ٹکرائے کیونکہ اب ہم اللہ تعالیٰ کے غلام اس کے بندے اور اس کے عبد بن چکے ہیں۔

یہ وعدہ کہ میں "تیری ہی بندگی کروں گا" بڑا ذمہ داری کا وعدہ ہے اس کا اقرار و اعلان کر دینے کے بعد انسان اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے اور اس کا بن چکنے کے بعد وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا'۔

ہم خالص محبت کے ساتھ' دل کھول کر اور عقل کے ذریعے پوری معرفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں پوری خوشی و خرمی کے ساتھ اپنے اعضاء و جوارح کو اس کے حکموں کی پیروی میں لگا دیتے ہیں اور غیر اللہ کو کسی معبودیت کا حقدار نہیں سمجھتے۔

گو عبودیت کے معنی واضح ہیں لیکن بعض اوقات اس لفظ کے مجازی استعمال سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے معنی معین کر دیئے جائیں چنانچہ ان معنوں کی تعیین اس آیت کے اگلے حصے میں کر دی گئی ہے۔

(ب) "وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ" ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ہم نے جو ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنے کے لئے بہت سے سامان کی ضرورت ہوگی وہ ہم تجھ ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے تجھ ہی سے مانگیں گے۔ ہمارے پاس کام کرنے والی سوسائٹیوں کی تاریخ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے خدا سے

مانگا اور خدا نے انہیں دیا۔[1]

غیر انقلابی کبھی مدد نہیں دیں گے : جب کوئی جماعت قرآن حکیم کے اصول پر معاشرہ (سوسائٹی) تعمیر کرنے کے لئے اٹھے گی تو جو شخص یا جماعت اس انقلاب کو پسند نہیں کرتی وہ کبھی اس انقلابی جماعت کو آگے بڑھنے نہیں دے گی مدد دینے کا تو کیا ذکر۔ اس لئے قرآنی انقلابی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

برعظیم پاکستان و ہند میں قرآنی اصول پر انقلاب لانے والی جماعت دو باتیں ہرگز قبول نہیں کرے گی۔

(1) علمی سرمایہ داری (Brahmansim) اور

(2) معاشی سرمایہ داری (Capitalism)

جو لوگ قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھیں انہیں صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کرنا ہوگا یہ بھروسہ جتنا مضبوط ہوگا اتنی ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے جلد اور زیادہ مدد حاصل ہوگی۔

توحید اور حریت : اگر کوئی شخص ہمیں اس انقلاب میں کچھ مدد دیتا ہے تو اس کی مدد سے وہ اس بات کا حقدار نہیں بن جاتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس شخص کے حکم کی اطاعت کریں۔ ہم اس کی مدد کے لئے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور اس کی فیاضی کی تعریف بھی کر سکتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اس کا کوئی حکم نہیں مان سکتے اس لئے کہ اصل میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

---

[1] چنانچہ امیرالمومنین سید احمد (شہید) 1821ء میں حج کو جانے لگے تو آپ کے پاس صرف سو روپے کے قریب رقم تھی روانگی کے وقت آپ نے وہ روپیہ بھی غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا اور خالی ہاتھ گھر سے نکلے حالانکہ آپ کے ساتھ چار سو سے اوپر لوگ تھے خدا کے بھروسے پر گھر سے نکلے۔ ایسے ہی کلکتے سے روانگی کے وقت آپ سارے بیڑے میں سے کمزور ترین جہاز میں سوار ہوئے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز کر دے گا" اللہ کے فضل سے سارے بیڑے کے ساتھ آپ کا جہاز بھی وقت پر جدہ پہنچا۔ (سیرۃ سید احمد شہیدؒ از سید ابوالحسن علی ندوی جلد اول ص 277 اور ص 320)

انہیں کسی ذریعے یا واسطے سے کسی دوسرے کو پہنچا دیتا یہ حق پیدا نہیں کر دیتا کہ پہنچانے والے کی عبادۃ کی جائے۔ اگر وسائط کو ہماری بندگی کا حق حاصل ہو جائے تو انسانی معاشرے میں انارکی (نراج) پیدا ہو جائے کیونکہ ہر ایک "واسطہ" ہماری اطاعت کا طلبگار بن جائے گا اور ہم کسی کو بھی مطمئن نہیں کر سکیں گے جب انسان یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور وہی اس کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے تو وہ حاجت روائی کے لئے غیروں کے دروازوں پر سر نہیں جھکاتا۔ توحید کا یہی مطلب ہے اور انسانی حریت قائم رکھنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے اگر ہم یوں سوچنے لگیں کہ ہماری کوئی حاجت غیر اللہ بھی پوری کر سکتا ہے تو ہمیں ہر ایک معطی کا بندہ بن کر رہنا ہو گا اور ہماری فکر و عمل کی آزادی چھن جائے گی۔ گویا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اصل میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں) کا طبعی نتیجہ اور اس کی تشریح ہے پس کسی ترقی کن معاشرے کی بنیاد صرف اس اصول پر ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی حاجتیں پوری کرنے میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کریں۔

جب انسان اپنی ذمہ داری پر اپنی سوسائٹی پیدا کرنے کا ارادہ کرلے گا۔ ایسی سوسائٹی جس میں صرف انسانیت کے طبعی تقاضوں کے مطابق ضابطہ اور دستور جاری کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں مل سکے گی اور نہ اسے کسی اور سے مدد لینی ہی چاہیے' اس لئے کہ ایسی سوسائٹی چلانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی مدد قبول کی جائے گی تو لامحالہ وہ اس کی قیمت وصول کرلے گا اور اپنی غلامی کرائے گا جس سے انقلاب ختم ہو جائے' اور رجعت پسندی پیدا ہو جائے گی۔

آیات نمبر1 تا نمبر4 میں انسان اور اس کے خالق کی نسبت معین ہو گئی یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اقوام کا رب ہے (رَبُّ العالمین) اس کی ربوبیت ان میں اسی طرح سے عمل کرتی ہے جس طرح سے باپ اور ماں کی محبت اور شفقت اولاد پر عمل کرتی ہے (الرحمن الرحیم) وہی رب ان کے تمام جھگڑوں کا آخری فیصلہ کرنے والا اور ان کے حقوق دلانے والا ہے ((مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ) اب انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس حاکم یا مالک کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

یہاں سورۂ فاتحہ کا نصف حصہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کی آیات میں جامع دعا سکھائی جاتی ہے جو انسانیت عامہ کی سب سے بڑی اور جامع ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔

(5) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ یہ دعا ہے۔ اھد : یہ ھدایۃ سے ہے جس کے معنی ہیں رہنمائی کرنا یعنی جہاں پہنچنا ہے اس منزل کی راہ بتانا۔

دعاء کی حقیقت : انسان کے ظاہری اعضاء میں علیحدہ علیحدہ قوتیں پوشیدہ ہیں۔ ان قوتوں کو استعمال کرنا انسان کے لئے طبعی بات ہے۔ ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے وہ اس کے لئے کوئی اجنبی چیز نہیں ہے مثلاً جس شخص کی آنکھیں صحیح سالم موجود ہیں اس کے لئے روشنی سے بھی فائدہ اٹھانا کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے یہ اس کی شخصیت کا جز ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ہر ایک عضو کی خاص قوت کو سوچ کر اپنے انا کا تصور بناتا ہے، چنانچہ جب انسان میں (انا) کہتا ہے تو اس میں چلنے، پکڑنے، سننے، دیکھنے وغیرہ کی سب طاقتیں آجاتی ہیں۔ اسے کوئی تردد نہیں ہوتا کہ انسان سن نہیں سکتا۔ یا پکڑ نہیں سکتا، کیونکہ وہ سب کیفیات اپنے اندر ہر وقت موجود پاتا ہے جس شخص میں کوئی طاقت نہیں ہے وہ اپنی شخصیت کو اس طاقت کے فوائد سے وابستہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اوروں میں اس طاقت کا ظہور و عمل اس کیلئے موجب حیرت ہوتا ہے۔ دماغی طور پر ترقی یافتہ انسان اپنے دماغی عمل سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ دنیا انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔[1] لیکن ان کے لئے وہ اعمال فطرت انسانی سے باہر کی چیز نہیں ہوتے وہ انہیں اپنے انا میں مستور پاتے ہیں۔

انسان میں ایک قوت ہے جسے ارادہ کہتے ہیں اس کے استعمال سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں جو آنکھ یا کان کی قوت سے نہیں ہو سکتے جب بدن کی طاقتیں ارادے سے متاثر ہو کر کام پر آمادہ ہو جاتی ہیں تو اسے ہمت کہتے ہیں یہ ارادہ اور ہمت[2]۔ جس آدمی

1۔ مثلاً مارکونی اطالوی نے بغیر تار کے پیغامات بھیجنے کا سلسلہ ایجاد کیا اور آئن شائن نے نظریہ اضافت پیش کیا جسے ابھی تک بہت کم حکماء پوری طرح سمجھ سکے ہیں۔ اس کے باوجود نظریہ اضافت سے مادے کے خواص کے متعلق جو نتائج نکلتے ہیں وہ تجربات سے صحیح نکلتے ہیں جیسے سورج گرہن کے وقت دور سے آنے والی روشنی کی کرنوں کا سورج کے اثر سے انحراف وغیرہ (مرتب) 2۔ امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں : وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاَعْمَالَ كُلَّهَا اَشْبَاحٌ وَاَرْوَاحُهَا هِمَّةُ الدَّاعِيْ وَالصِّفَةُ وَالْجَذْبُ بِهٖ لِلْمَلٰئِكَةِ یعنی دعا مانگنے کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ صرف صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی روح دعا مانگنے والے کی ہمت ہے اور یہ صفت کہ وہ ملائکہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ (تفہیمات الہیہ ج 1 ص 100 ص 4) (مرتب)

میں زیادہ ہوتے ہیں وہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے اور جس میں نہیں ہوتے وہ ان کاموں کو انسانیت سے اجنبی چیز سمجھے تو تعجب نہیں۔

دعا کی پہلی اساس : دعا سے مراد اس ارادے کا اظہار ہے جو ہم اپنے دل میں بناتے ہیں یعنی یہ کہ ہم عمل کریں گے ہم اس راہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں گے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اس وقت ہم اپنے اللہ سے جو رب' رحمٰن' رحیم' اور مالک و قادر ہے درخواست کریں گے کہ وہ ان رکاوٹوں کو ہمارے راستے سے دور فرمانے میں ہماری مدد کرے' یہاں تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

انسانی ارادہ کیسے کام کرتا ہے؟ اس کے عمل کا اصل منبع اور خزانہ حظیرۃ القدس ہے اس سے ہر ایک انسان کا براہ راست تعلق ہے جب انسانی ہمت حظیرۃ القدس تک پہنچ جاتی ہے تو وہ جو خیال بناتا ہے وہ خارج میں ظہور میں آجاتا ہے۔ انسانی ہمت کے حظیرۃ القدس تک پہنچ جانے کو شرعی اصطلاح میں دعاء کہتے ہیں اور اس کے نتیجے کے نکلنے کا نام استجابت ہے۔ اور حظیرۃ القدس کے ساتھ تعلق کو تعلق باللہ کہتے ہیں۔

دعا کے لئے دو ضرورتیں : حظیرۃ القدس سے تعلق رکھنے اور اپنا راستہ زیادہ صاف کرنے کے لئے دو چیزیں کام دیتی ہیں۔

(1) دماغ میں اس منظر کا ہر وقت اپنے سامنے رکھنا یعنی دماغ کا ہر وقت حظیرۃ القدس کی طرف متوجہ رہنا۔ اس توجہ سے ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جیسے آسمان کی طرف دیکھنے سے سورج نظر آتا ہے کسی انسان کی جس قدر توجہ زیادہ ہوتی ہے جو دماغ کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے اسی قدر اس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے یعنی اس کی توجہ کا نتیجہ جلد نکلتا ہے۔

(2) انسان کے بدن کا حیوانی نجاستوں سے صاف ہونا اور لباس اور جگہ کا پاک ہونا اور فکر اور ارادے میں کسی چھوٹی چیز کا دیر تک نہ ٹھہرنا' مثلاً" بھوک لگی' کھانے کی خواہش پیدا ہوئی جو میسر آیا کھا لیا۔ اس کے بعد اپنی بھوک کا تصور بھی نہ رہا۔ یہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن بہت ضروری تھی پوری ہوگئی اور اس کا تصور اور خیال جاتا رہا۔ لیکن چند بھوکے انسان ہیں ان کے لئے روٹی کا انتظام نہیں ہے ان کے لئے ایک دن کا انتظام کر دینے سے ان کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اس کا انتظام سوچنے کے لئے کافی وقت اور توجہ کی ضرورت رہے گی۔ یہ ہے بڑا فکر جو جب تک پورا نہ ہو جائے سامنے رہنا چاہئے۔

جس شخص کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ قائم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاتا ہے۔ شرعی زبان میں اسے کہتے ہیں کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ حظیرۃ القدس کا سمجھنا تو اہل علم کا کام ہے عام زبان میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (وہ اللہ پر ایمان لے آیا) جن لوگوں میں یہ طاقت نہیں ہے وہ اس طاقت کے نتائج کو انسانی فطرت سے اجنبی چیز سمجھتے ہیں کبھی اسے کرامت کہہ دیتے ہیں کبھی معجزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فاقد البصیرۃ لوگوں کی اصطلاحیں ہیں۔ ورنہ تمام نتائج جو انسان کی ہمت سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب انسان کی فطرت کا جز ہیں۔ اس سے باہر کی چیز نہیں ہیں[1]۔

اجتماع مبعوث من اللہ ہوتا ہے : اگر ایک آدمی قوت قلب کے ساتھ دعا مانگے تو اس کی کچھ قیمت (تاثیر کی مقدار) مقرر کر لی جائے اگر دوسرا شخص اسی ہمت کا شریک دعا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تاثیر یا قیمت بڑھتی جائے گی اس طرح بڑھتے بڑھتے جب ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے تو حظیرۃ القدس اسے اپنا نمائندہ بنا لیتا ہے اب یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان کے دل میں کوئی فکر آیا اور وہ کام ہوا ان کی زبان سے دعا نکلی اور وہ

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ معلوم رہے کہ اس فقیر کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خوارق عادات اپنی ذات کی حد کے اندر امور عادیہ ہی ہیں بایں معنی کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ جب نفس ناطقہ کسب یا جبلت سے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ غیب کی باتیں اس پر کھل جاتی ہیں اور اس کی دعا قبول ہونے لگتی ہے وغیرہ وغیرہ ایسے ہی سنت اللہ بھی جاری ہے کہ کوئی شخص جب تریاق کھالے اس پر سے زہر کا اثر جاتا رہتا ہے یا گوشت اور چربی خوب کھالے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے لیکن جو چیز جس طرح ہوتی نظر آتی ہے اس کے خلاف واقع ہو جانا خارق عادت کہلاتا ہے۔

نیز یہ بھی اس فقیر کو اطلاع دی گئی ہے کہ خوارق کی ہر ایک نوع ایک کسب ہے جب کوئی شخص اس کسب سے تمسک کرتا ہے تو وہ خارق اس سے صادر ہونے لگتا ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل غرض... جب کسی وجہ سے اپنی ہمتوں کو حظیرۃ القدس تک پہنچا دیتے ہیں جیسے نماز استسقاء کے لئے لوگوں کے اجتماع عظیم سے یا عرفات کے میدان میں رحمت کے نزول کی طلب کے لئے دعا تو یہ نظام عالم میں اثر انداز ہوتا ہے۔

پس جب قوی عزم والا شخص جو جبلت یا کسب کے ذریعے سے (حظیرۃ القدس کی) قوت متفرقہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو کسی کام کی طرف توجہ کرتا ہے تو یہ عزیمت حظیرۃ القدس تک پہنچتی ہے اور وہاں کسی نہ کسی شکل میں تاثیر کرتی ہے جو اس ہمت اور اسباب موجودہ کے بقدر عالم مادی میں اثر کرتی ہے۔ (ہمعات، ہمہ 2) (مرتب)

قبول ہوئی۔

دینی اور لادینی جماعتیں : دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں۔ وہ انسانوں کی جماعت کے مل کر کرنے ہی سے ہوئے ہیں ان جماعتوں کی پہلی تقسیم یہ ہوگی۔

(1) حظیرۃ القدس کو ماننے والے' اور

(2) حظیرۃ القدس سے غافل

ان میں سے پہلی جماعت کی دعوت کتب الہیہ دیتی ہیں اور دوسری جماعت میں وہ لوگ ہیں جنہیں ہم لادینی کہتے ہیں۔ اس آخرالذکر جماعت کے کام بھی ہوتے تو حظیرۃ القدس ہی کی طاقت سے ہیں لیکن دماغی کمزوری کے باعث وہ اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ اس لئے انہیں غافلین' قرار دیا جاتا ہے۔ ہم نے لادینی لوگوں کی بہت سی جماعتوں کو بڑے بڑے کاموں میں کامیاب ہوتے دیکھا ہے ان کے عمل کا تجزیہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ کچھ غفلت برتتے ہیں جو لوگ اپنے آپ کو خدا پرست مذہبوں کے پابند' حظیرۃ القدس میں فنا حاصل کرنے کے مدعی ظاہر کرتے ہیں ان کی ہمت ان لادینی لوگوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ اس لئے خدا پرست لوگ ناکام ہو رہے ہیں اور ان کے مقابلے میں لادینی لوگوں کی ہمت چونکہ ایک صحیح کام پر متوجہ ہو گئی ہے اس لئے وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہمت کی تاثیر کے لئے جو شرطیں ہیں وہ دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب تک ایک انسان اپنے مقصد پر اپنی جان و مال دینا منظور نہ کرے ہمت کا وہ نصاب پورا نہیں ہوتا جو حظیرۃ القدس تک پہنچ کر وہاں کی قوتوں کو حرکت میں لا سکتا ہے۔

دعا کی دوسری اساس : دعا کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی جائے وہ ضرور ملتی ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکمت الہی کے مطابق جس چیز کی جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں وہ ضرور پیدا کر دی جاتی ہے لیکن اس امر کا اظہار کہ کس چیز کی ضرورت ہے ہم اپنے فیصلے (دعاء) سے خود کرتے ہیں۔

کبھی کبھی ہمارے فیصلے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہماری طلب کردہ چیز پیدا نہیں کی جاتی۔ لیکن ہماری ذمہ شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے فیصلے سے وہ چیز اللہ تعالیٰ سے مانگیں اسمیں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ چیز پیدا کرنا مناسب نہیں ہوتا تو آگے چل کر ہمیں بتا

دیا جاتا ہے کہ اس چیز کا پیدا کرنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن یہ اصول بہرکیف اپنی جگہ قائم رہے گا کہ ہم کوئی چیز اپنے ارادے اور فیصلے کے اظہار (دعاء) کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو وہ ہماری طلب اور ضرورت کے مطابق عطا فرمادیتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دعا کا مطلب : اس آیت اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کے سلسلے میں دعا کی ان دونوں بنیادوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ٹیڑھے اور غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ یہ فیصلہ کرلینا انسان کا بہت بڑا شرف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں غلطی ہوگی ہم اسے چھوڑتے جائیں گے۔ انسانیت کی ترقی کا یہی راستہ ہے اس کے ساتھ ہی اس فیصلے کا اثر یہ بھی ہونا چاہئے کہ اپنی فطرت کو اپنے اوپر حاکم بنائیں۔ جو چیز اس کے خلاف ہمیں سکھائی جائے اس کا انکار کردیں۔

فائدہ : جب ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ رب العلمین ہماری تائید میں ہے جو چیز ہم مانگتے ہیں وہ ضرور عطا فرمادیتا ہے تو ہم کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتے مخالف طاقت کا ڈر دماغ سے نکال دینا ہی کامیابی کا گر ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرلی تو ہمیں اطمینان ہوگیا کہ ہمارا مخالف کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اس سے ہماری طبیعت میں اول درجے کی ہمت اور شجاعت پیدا ہوتی رہے گی اور جو چیز مانگتے ہیں اس کا عطا کرنا بھی مناسب ہے تو وہ چیز پیدا بھی کردی جائے گی۔

دعاء کا فائدہ : جب انسان کے دل میں یہ خطرہ موجود ہو کہ مطلوب حاصل کرنے میں موانع ہیں۔ قوت عملی نشاط کھو بیٹھتی ہے اور قوت ارادی پورے زور کے ساتھ عمل نہیں کرتی اور نتیجہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اطمینان حاصل کرلیتے ہیں تو ان کی قوت ارادی تمام مظاہر عمل میں ابھرنے لگتی ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات میں تحریف کرنے والوں اور فطرت انسانی کو مسخ کرنے والوں نے دعاء کے اس مفہوم کو بدل ڈالا ہے۔ فطرت سلیمہ ان کا انکار کرتی ہے ہم اپنی حکمت عملی میں دعا کو علت تامہ کا ایک جزو مانتے ہیں ہمارے خیال میں کسی عمل کے بروئے کار آنے میں انسانی ارادے کو بھی دخل ہے۔

صراط مستقیم : یہ دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے:

(1) عقل و نظر کی روشنی میں' اور

(2) تاریخ و تجربے کی روشنی میں۔

(1) **صراط مستقیم عقل کی روشنی میں :** عقل و نظر کی روشنی میں صراط مستقیم سے مراد ہے فطرت انسانی پر چلنا اور اس کے طبعی تقاضے پورے کرنا۔

جب انسان کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق ہے تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے "گویا اسے ایک بھولی بسری چیز یاد ولائی گئی ہے اس لئے جو علم انسان کو دیا جائے جو اخلاق انسان کو سکھائے جائیں۔ اور سوسائٹی کا جو نظام اسے بتایا جائے وہ ایسا ہونا چاہئے کہ فطرت انسانی پکار اٹھے کہ یہ میری ہی چیز ہے جو مجھے بھولی ہوئی تھی۔

جب انسان کی فطرت سلیم ہو (یعنی بیمار نہ ہو) تو وہ اس تعلیم کی خوبیاں آسانی سے سمجھ سکتا ہے اس کی صحت اور بیماری کا اندازہ عام لوگوں کی حالت سے مقابلہ کر کے لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً" ایک انسان ایک چیز سے نفرت کرتا ہے لیکن عام لوگوں کو دیکھیں تو وہ اس سے نفرت نہیں کرتے تو یقیناً" یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص بیمار ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی اصطلاح میں صراط مستقیم کی ہر چیز کو معروف کیا گیا ہے۔ یعنی سب کی جانی پہچانی ہوئی چیز اس کے برخلاف جس چیز کو انسان کی فطرت سلیمہ قبول کرنے سے انکار کر دے قرآن حکیم اسے منکر کہتا ہے یعنی وہ چیز جسے انسانی فطرت نہیں پہچانتی کہ یہ اس کی ہے"۔

جو سوسائٹی انسانی فطرت سلیمہ پر قائم کی جائے گی وہ لامحالہ معروف کا حکم دے گی اور منکر سے روکے گی۔ اس تعلیم کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

جب ہماری طبیعت مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی پابند نہ رہے اور ہم اپنی پوری ہمت کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگیں اور یہ بھروسہ اس بھروسے سے زیادہ ہو جو آغاز طفولیت میں اولاد کو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے تو ہم اپنی فطرت کی تکمیل کے سوا کوئی بات نہیں سوچتے۔ اس وقت ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور دعا بھی فقط یہ کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (ہمیں سیدھی راہ' فطرت انسانی پر قائم رکھ)[1]

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کی فطری ترقی کو چار منازل میں تقسیم کرتے ہیں

(1) ارتفاق اول یعنی انسان کی زندگی جب وہ چھوٹے چھوٹے دیہات بسا کر رہتا تھا۔

اس دعا کا اجتماعی پہلو : سیدھے راستے پر چلنا انسانیت کا تقاضا ہے لیکن اھدنی (مجھے چلا) کی جگہ اھدنا (ہمیں چلا) کہنا ظاہر کرتا ہے کہ ایک فرد انسانی اپنے طبعی تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ یہ تقاضے اعلیٰ درجے کے انسانوں کی سوسائٹی ہی میں پورے ہو سکتے ہیں۔

طلب ہدایت کی ضرورت : ایک بچہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے اس کا طبی معائنہ ہوتا ہے اور تندرست پایا جاتا ہے اب یہ کہا جائے گا کہ یہ بچہ مدرسے کی تکمیل کرنے کے قابل ہے یہ حالت انسان کے طبعی تقاضوں کی سلامتی کی مانند ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایک سو لڑکوں میں سے جو تندرستی کی حالت میں پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں کتنے ہوتے ہیں جو کالج کی انتہائی جماعت تک پہنچ جاتے ہیں؟ جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے وہ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں کے اردگرد جو قوتیں ان کے طبعی تقاضوں کے خلاف کام کر رہی ہیں ان سے دب کر وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ پاتے۔

کائنات میں انسان تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے گرد بہت سی چیزیں اور قوتیں ہیں مثلاً" جمادات' نباتات' حیوانات' جن فرشتے وغیرہ انسان کو ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ اس کی طبیعت اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی[1]

عام مشاہدہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے عقلی تقاضوں ہی سے اثر نہیں لیتا رہتا بھی اس پر اس کے حیوانی جذبات بھی غالب آجاتے ہیں۔ جو غذا وہ کھاتا ہے اور جس

(بقیہ حاشیہ) (2) ارتفاق دوم جب اس نے قصبے بسا کر رہنا شروع کیا۔
(3) ارتفاق سوم جب اس نے حکومت کا نظام قائم کر لیا۔
(4) ارتفاق چہارم جب مختلف قومیں مل کر ایک بین الاقوامی نظام قائم کر لیں۔
یہ ارتفاقات تہذیب نفس' تدبیر منزل' سیاست مدنیہ اور خلافت کبریٰ (انٹرنیشنل سٹیٹ) پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے تقاضے ہیں اور ان کی صحیح شکل صراط مستقیم ہے' (مرتب)

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول بَابٌ فِیۡ اَسۡبَابِ الۡخَوَاطِرِ الۡبَاعِثَةِ عَلَى الۡاَعۡمَالِ میں ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو انسان کے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں ان میں طبعی ماحول' ملا اعلیٰ اور شیاطین کے اثرات وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں طبعی ماحول سے مراد معاشی و معاشرتی ماحول ہے۔ (مرتب)

سوسائٹی میں وہ رہتا اور کام کرتا ہے اس سے بھی اس کی طبیعت اثر لیتی ہے اس لئے اسے تعلیم کی ضرورت ہے لیکن تعلیم میں جبر کا دخل نہیں ہوتا وہ صرف یہ بتا سکتی ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا کیا ہے جس کے مطابق اسے کام کرنا چاہئے دعا کے نتیجے کے طور پر یہ رہنمائی انسان کو ملتی رہتی ہے قرآن حکیم پر عمل کرنے والوں کو یہ رہنمائی کسی نہ کسی شکل میں ملتی رہے گی اور جو لوگ قرآنی انقلاب کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے ان کی رہنمائی ہوتی رہے گی۔

(6) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

(ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا) ہم نے جو سیدھا راستہ مانگا ہے یہ اس کی مزید تشریح ہے۔

صراط مستقیم تاریخ کی روشنی میں : پچھلی آیت میں صراط مستقیم کی جو طلب نظریے کی شکل میں تھی وہ اس آیت میں تاریخ اور تجربے کی روشنی میں معین کر دی گئی ہے۔

مُنْعَمٌ علیہ سوسائٹی : انسان مدنی الطبع ہے وہ تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا اس کے فطری قویٰ کی تکمیل سوسائٹی کے اندر رہ کر ہو سکتی ہے کیونکہ ہر شخص کے قویٰ کی تکمیل کے لئے نمونہ سوسائٹی ہی میں مل سکتا ہے اور اس کا نظام نظریات (Ideology) اجتماع میں شامل ہوئے بغیر جاذب گیر نہیں ہو سکتا ایسے ہی اس کی ارتقائی زندگی اجتماع کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی چنانچہ اس آیت میں ایک سوسائٹی کی درخواست کی گئی ہے۔ جو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ انعام یافتہ لوگوں) کی ہے۔ جس اجتماع کے افراد کے فطری قویٰ کی ترقی کا سامان اللہ تعالیٰ بہم پہنچا دے وہ انعام یافتہ معاشرہ ہوتا ہے اس کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے جو شخص اس جماعت میں منسلک ہو جائے وہی صراط مستقیم پر ہے اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کی تعیین اور سوسائٹی کی طلب انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو وہ خود لائق ملامت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک آدمی کو بھوک یا پیاس لگتی ہے وہ خوراک یا پانی تلاش نہیں کرتا اور مر جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر آتی ہے اور وہ خود ہی لائق ملامت ہے۔

خدا تعالیٰ کا بہترین انعام یہ ہے کہ کسی سوسائٹی میں اپنا علم ہو اور وہی اس سوسائٹی پر حکومت کرتا ہو انسانی حریت انہی حالات میں قائم رہ سکتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایسی سوسائٹی دی جائے جو اعلیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگوں پر مشتمل ہو[1]۔

ترقی کن سوسائٹی کے چار اجزاء : قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ (4 : 69) یعنی منعم علیہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوتے ہیں) اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں

① علمی اور ② عملی

اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو علم اور عمل میں تفریق نہیں ہو سکتی ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی انسان میں ایک قوت زیادہ ہو کسی میں دوسری اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی بیشی کے لحاظ سے انسان کی علمی اور عملی قوتوں کے دو درجے ہو سکتے ہیں۔

① فاعلی اور ② انفعالی

(الف) انبیاء : جس انسان میں علمی اور عملی قوتیں فعالیت کے بہت بلند درجے پر ہوں وہ منبع علم[2] سے براہ راست علم حاصل کر سکتا ہے اسے نبی کہتے ہیں یہ صدیقین، شہداء اور صالحین پیدا کرنے والے اساتذہ ہیں۔

1۔ امام ولی اللہ دہلویؒ انسانی معاشرے کی ترقی کی مختلف منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے ارتفاق رابع (بین الاقوامی نظام یا خلافت کبریٰ) کا ذکر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ وجود میں آجاتا ہے اور ملک کا نظام نہایت اعلیٰ پیمانے پر درست کر لیتا ہے جابر سے جابر حاکم اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں اور بادشاہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو تمت النعمۃ نعمت الٰہی کامل ہو جاتی ہے، گویا امام صاحبؒ کے نزدیک بین الاقوامی حکومت بلند ترین نعمت ہے جو کسی انسانی معاشرے کو مل سکتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ طبع منیریہ مصر ج 1 ص 47)

2۔ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض فرشتے مقرب ہیں وہ خدا اور انسان کے درمیان پیام رسانی کا واسطہ (Medium) ہیں ان کے اجتماعات بھی ہوتے ہیں جنہیں ملاء اعلیٰ کہتے ہیں۔ انسانی اجتماع کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات پہلے اس ملاء اعلیٰ میں نازل ہوتی ہیں۔ ان کا اجتماع روح اعظم کے پاس ہوتا ہے تو ان کے انوار آپس میں مل جاتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ اس اجتماع میں بنی آدم کے لئے پروگرام طے ہوتے ہیں جن کا علم اس سارے زمانے کے سب سے پاک دل انسان کو بذریعہ الہام دیا جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 16،15 ملخصاً) (مرتب)

(ب) **صدیقین** : جس شخص میں علمی قوت انفعالی لحاظ سے بلند درجے کی ہو وہ منبع علم سے براہ راست تو علم حاصل نہیں کر سکتا لیکن اگر اس میں عملی قوت بہت بلند درجے کی ہو تو اسے صدیق کہتے ہیں۔

(ج) **شہداء** : جو لوگ قوت عملی میں بلند درجہ کے مالک ہوتے ہیں لیکن صدیق سے کم درجے کے ہوتے ہیں اور علم میں بھی اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں لیکن وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسے کامیابی سے چلا نہ سکیں تو اس کوشش میں جان تک لڑا دیتے ہیں۔ وہ شہید کہلاتے ہیں۔

(د) **صالحین** : جو لوگ علم و عمل میں نچلے درجے کے ہوتے ہیں لیکن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور عمر بھر امر حق میں کوشش کرتے رہتے ہیں وہ صالح کہلاتے ہیں۔

ایک ترقی کن سوسائٹی میں ان چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ ایسی سوسائٹی میں نبی بطور معلم کام کرتا ہے وہ صدیق اور شہید پیدا کرتا ہے اور صالحین کو جمع کرتا ہے۔

یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراط مستقیم پر چلیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنی چاہتے ہیں جس میں نبی اپنی زندہ تعلیم کے ساتھ تو موجود ہی ہے اس میں صدیق ہوں جن کی فطرت کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم ہے وہ اس تعلیم کو پوری طرح سے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا جان و مال قربان کر سکتے ہیں جس میں شہید ہوں جو قرآن حکیم کے پروگرام کو چھوڑنا برداشت نہ کریں خواہ انہیں جان دینی پڑے جس میں صالحین ہوں جن کی ہر ایک کام کرنے والے کو ضرورت ہوتی ہے[1]۔

---

[1] خیر القرون کی تشریح بقول امام ولی اللہؒ تاریخی طور پر اس قسم کی مکمل سوسائٹی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے پیدا کی اس سوسائٹی کی نسبت خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (بہترین دور میرا دور ہے اس کے بعد ان لوگوں کا دور جو اس دور کے بعد آئیں گے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے)۔

(7) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

(الف) اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

"مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" کون ہیں؟ : انسانی زندگی تقسیم نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص میں صرف علم ہی علم ہو اور دوسرے میں فقط عمل ہی عمل۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ علم اور عمل ایک نہ ایک حد تک ہر ایک انسان میں پائے جاتے ہیں جس شخص نے اپنا علم تو بڑھالیا اور عملی قوتوں کو ترقی نہ دی وہ مغضوب علیہم ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو پہچانتے ہیں اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں اس کے باوجود وہ عمل کے لئے نہیں اٹھتے۔ انعام یافتہ لوگ ایسے نہیں ہو سکتے ہم ان سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ لفاظی کے ذریعے سے لمبے لمبے خواب سنائیں گے اور طرح طرح کے سنہرے باغ دکھائیں گے۔ سادہ مزاج انسان ان کی صحت اور غلطی کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے ہم ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہتے۔

(بقیہ حاشیہ) امام ولی اللہ دہلویؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قرن اول زمان آنحضرت ﷺ از ہجرت تا وفات، و قرن ثانی زمان شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین، بعد ازاں اختلافہا پدید آمد و فتنہا ظاہر گردید (ازالۃ الخفاعن خلافت الخلفاء مقصد اول ص 121)

یعنی خیر القرون کا پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہے، جو ہجرت سے وفات تک کا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم کا دور ہے اور تیسرا درجہ سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت تک کا زمانہ ہے[ا]۔ اس کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور فتنوں نے سر اٹھایا۔

یہ خیر القرون (اپنے تینوں درجوں میں) رہتی دنیا تک ہر ایک ترقی کن معاشرے کے لئے نمونہ رہے گا۔ اس مکمل سوسائٹی کو قرآن حکیم وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (9 : 100) (سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار میں سے ہیں) کی اصطلاح سے ظاہر کرتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (48 : 29) (محمد رسول اللہ اور آپ کے ساتھی) میں معہ (اس کے ساتھ والے) میں اس جماعت مہاجرین و انصار کی طرف اشارہ ہے مہاجرین اور انصار کے دور کے بعد جو لوگ ان کی پیروی کر کے ہر زمانے میں ایسے ہی معاشرے پیدا کرتے رہیں گے۔ وہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (9 : 100) میں داخل ہوں گے اور وہ بھی معہ میں شامل ہوں گے ان کے لئے خیر القرون نمونہ ہوگا اور وہ خود اپنے زمانے کے لئے نمونہ ہوں گے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مصداق قرار پائیں گے۔

(ذیلی حاشیہ).

ا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا کہنا ہے کہ پہلا درجہ حضرت نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کا زمانہ ہے اور دوسرا درجہ سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے کوئی نیا کام نہیں کیا چنانچہ:

(1) خلافت کے نظم و نسق میں خلل آیا یعنی زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ مرکزی حکومت کو ادا کرنے سے انکار کر دیا تو

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں مغضوب علیہم کی مثال یہودیوں سے دی جاتی تھی ا۔ جب اسلامی نظام موجود ہو تو جو شخص جہاد سے گھبرائیں وہ اس حد میں آتے ہیں اور جب اسلامی نظام ٹوٹ گیا ہو اور جہاد کے لئے جس نظام کی ضرورت ہے وہ نہ رہے تو جو لوگ انقلاب کے ذریعے اس نظام کو دوبارہ پیدا کرنے کی ہمت نہ بنائیں وہ بھی اسی حد میں داخل ہیں جو علماء کہلا کر جہاد اور انقلاب سے بچنے کی کوشش کریں۔ وہ سب سے زیادہ اس شق میں شامل ہیں ایسے نام نہاد علماء کو ختم کر دینا چاہئے جب تک کسی انقلابی جماعت میں یہ بات نہیں آتی وہ قرآن کی حکومت پیدا نہیں کر سکتی۔

(بقیہ ذیلی حاشیہ) جبراً انہیں مرکزی حکومت کے تحت لے آئے۔

(2) جو مہم حضرت نبی اکرم ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں بھیجنے کا اہتمام فرما رہے تھے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کی وجہ سے رک گئی تھی وہ روانہ کر دی۔

(3) نبوت کے مدعیوں کا قلع قمع کیا۔

(4) تقسیم معاش کا وہی اصول رکھا جو نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا یعنی ہر ایک خاندان کو بقدر ضرورت دینا اور مناصب اور اسلامی خدمات کی وجہ سے کمی بیشی نہ کرنا۔

(5) جو وظیفہ اپنی ضروریات کے لئے بیت المال سے لیا تھا وہ وفات کے وقت واپس کر دیا یہ اول درجے کا دور ہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے آگے چل کر اسلامی خدمات اور قرابت نبی اکرم ﷺ کی بنا پر وظائف میں کمی بیشی کر دی۔ لیکن اول تو انہوں نے اس تقسیم میں بھی عدل سے کام لیا اور جسے حساب کی رو سے جتنا حق پہنچتا تھا اتنا دے دیا۔ اس میں کسی وجہ سے رو رعایت نہیں کی دوسرے بعد میں اس کی بیشی کے اصول کو جاری کرنے پر افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر میں اگلے سال انہی ایام میں زندہ رہ گیا تو یہ نیا قاعدہ بدل کر سیدنا ابوبکرؓ کا اصول عمل میں لاؤں گا لیکن وہ اپنی شہادت کی وجہ سے یہ اصول نہ بدل سکے۔

یہ دوسرے درجے کا بہترین دور ہے۔

سیدنا عثمان غنیؓ کا دور تیسرے درجے کا بہترین دور ہے۔ کیونکہ انہوں نے بیت المال سے اپنا حق پورا لینا شروع کر دیا تھا اگرچہ وہ اسے بھی اپنے حاجت مند عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے۔

اول درجے کے لوگ اسلامی حکومت پیدا کریں گے تو ان کے لئے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کا دور نمونہ ہوگا لیکن عام لوگ کثرت سے شامل ہوں گے تو سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور نمونہ ہوگا یا سیدنا عثمان غنیؓ کا دور قابل قبول ہوگا اس سے کم درجے کی کوئی حکومت نبوی طریق کی اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ (مرتب)

ا۔ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں دہلی کے اکثر علماء اس کی مثال تھے۔ مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ کے زمانے میں جو لوگ جہاد کے نام سے گھبراتے تھے وہ اسی ذیل میں آتے ہیں آج جو لوگ انقلاب کے نام سے گھبراتے ہیں وہ بھی اس مد میں داخل کئے جانے چاہئیں۔ یہ لوگ نہ مسلمانوں کی سوسائٹی کے معزز ممبر ہیں نہ امام ولی اللہ کی سوسائٹی کے آدمی ہیں۔ نہ مولانا شیخ الہند کے آدمی ہیں اور نہ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے ہیں۔ (عبیداللہ سندھیؒ)

(ب) اَلضَّآلِّيْنَ

ضالین کون ہیں : یہ وہ لوگ ہیں جن میں صحیح علم نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے لیکن عملی قوت بہت زیادہ ہے۔

ان کی مثال رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نصاریٰ[1] تھے وہ مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے ہیں۔ لیکن رومی سلطنت جیسی وسیع سلطنت بھی چلاتے ہیں۔ انہیں مسیحؑ کو ابن اللہ ماننے کا نقصان یہ پہنچا کہ مسیحؑ کے درجے کے جو خدام انسانیت پیدا ہوئے ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں اس طرح وہ انسانیت میں گمراہی پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ اس سے زیادہ کیا تھے کہ اللہ تعالیٰ کے منعم علیہ بندے تھے۔ اور اس لئے انعمت علیہم سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوا اور لوگوں پر بھی انعام کئے ہیں ان کا انکار کیوں؟ یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔

ہمارے زمانے میں جو علماء قرآنی سیاست کو چھوڑ کر سیاست میں کسی قوم کی تقلید کرتے ہیں وہ "مغضوب علیہم" کی زد میں آتے ہیں اور جو انگریزی دان دوسری قوم کی سیاست کی تقلید کرتے ہی وہ "الضآلین" کی شق میں شامل ہیں۔ جو بات تم خود نہیں سمجھتے اور اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتے اس کی ذمہ داری مت لو سمجھ بوجھ کر جو سیاسی کام کر سکتے ہو وہ کرو ورنہ خاموش بیٹھو۔

ایسے ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا وہ بھی ضالین میں سے ہے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ہمارے زمانے کے لوگوں کے لئے قرآن سمجھنے کی تمام لفظی و معنوی دقتیں دور کر دی ہیں اب اس کتاب عظیم کا سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔ اب بھی یہ کہنا کہ قرآن حکیم سمجھ میں نہیں آسکتا پرلے درجے کی گمراہی (ضلالت) ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

آمین : اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ خدایا! کرۂ زمین پر صالح سوسائٹی موجود ہے

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کے بعض مشائخ طریقت اور مولانا شیخ الہند کے زمانے میں جہاد کے مخالف یا اس کی اہمیت نہ سمجھنے والے ضالین میں داخل ہیں۔ ہمارے جو ساتھی انقلاب کو نہیں جانتے یا اسے جاننے کی کوشش نہیں کرتے وہ ہمارے ساتھی نہیں ہیں ہم جس انقلاب کے داعی ہیں اس کے اصول وہی ہیں جو امام ولی اللہ دہلویؒ نے خیر القرون سے لے کر مدون کئے ہیں۔ (عبید اللہ سندھیؒ)

تو ہمیں اس کے ساتھ ملنے کی توفیق فرما اگر نہیں ہے تو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ایسی سوسائٹی خود پیدا کریں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بہت مشکل ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس ارادے کے بغیر صراط مستقیم کی تعمیم ہو بھی نہیں سکتی۔

قرآن کا مقصد : قرآن حکیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے جو صراط مستقیم پر چلتی ہو۔ اس لئے وہ ہر شخص سے سورۂ فاتحہ کا اقرار کرانا چاہتا ہے۔ تاکہ یہ ہر وقت اس کے ذہن میں رہے اور وہ اس امر کو ہر دم ملحوظ خاطر رکھے کہ اس کی زندگی کا مقصد اس قسم کی سوسائٹی پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

بین الاقوامی دعا : قرآن حکیم عالمگیر اجتماعی تحریک کی طرف دعوت دیتا ہے اس دعا میں جو عالمگیر اجتماعی تحریک کا عنوان ہے قومی مقتضیات کا تعین نہیں کیا گیا۔

عقلی نظریات کے اعتبار سے لوگ مختلف طبقات کے ہوتے ہیں گو سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے صراط مستقیم ایک قوم کے ذہن میں کسی شکل میں آتی ہے اور دوسری قوم کے ذہن میں کسی اور صورت میں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو دعا الہام فرمائی ہے وہ ان تمام تشخصات سے پاک ہے جو قومی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں جو شخص اپنی انسانی فطرت کے مطابق خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر لیتا ہے اس کے لئے صراط مستقیم کی دعا کیا مشکل ہے؟ کیا کوئی سلیم الفطرت انسان صراط مستقیم پر پیدا ہونے والے اجتماع مشکل نہیں ہے۔

ایسے ہی صراط مستقیم کے عملی پہلو کی تعیین اور صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے ذریعے سے اس کی تفصیل میں کسی قوم کے بڑے آدمی کا نام نہیں لیا گیا جو شخص سلامتی فطرت کے ساتھ اپنے رب پر اعتماد کر لیتا ہے وہ ان لوگوں کے اجتماع سے الگ رہ سکتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا؟

ہم نے انبیاء کرام کی کتابوں میں سے کسی نبی کی کتاب میں ایسی دعا نہیں دیکھی جو شخصی، قومی، جغرافیائی اور نسلی اثرات سے پاک ہو، صرف سورۂ فاتحہ کی اجتماعی انقلابی دعا ہی ایسی دعا ہے جو ان تمام اثرات سے پاک ہے اس پر تمام اقوام جمع ہو کر آمین! کہہ سکتی ہیں۔

صلوٰۃ کیا ہے؟ : صلوٰۃ (نماز) اصل میں اس بات کا نام ہے کہ انسان اپنے پورے ارادے اور اپنی ہمت کے ساتھ ملاء اعلیٰ کے ساتھ اتصال پیدا کرے اور وہاں سے آنے والی تجلی الٰہی سے قلبی رابطہ قائم کرے۔ اس اتصال اور رابطے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو چیز طلب کرے گا حسب حالات اسے دی جائے گی اور سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز جو انسان اللہ تعالیٰ سے طلب کر سکتا ہے وہ اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق ہے۔ انسان کی فطرت سلیمہ کے تقاضے ہی صراط مستقیم ہے۔ اس لئے ملا اعلیٰ میں تجلی الٰہی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ دعا کرتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ اصل چیز ہے جو انسان کو ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ اس لئے نماز گویا یہ دعا مانگنے یا سورہ فاتحہ پڑھنے کا نام ہے طہارت اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اس صلوٰۃ کے مبادی ہیں اور رکوع و سجود اس کے مکملات ہیں۔ اس کی روح یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہے اور اپنی احتیاج پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے اس کے ساتھ جو آیات یا سورت پڑھی جاتی ہے وہ گویا اس دعا کا جواب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت یہی قرآن ہے تم جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو ہدایت یاب رہو گے اس کے بعد رکوع و سجود اس دعا کے قبول ہونے کے لئے شکریے کے ساتھ اظہار کے طور پر پڑھیں
اب جو مسلمان صلوٰۃ ادا کرے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرے کیونکہ احسنا کا یہی تقاضا ہے۔[2]

ا۔ نماز کا یہ مفہوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے متعین فرمایا ہے۔ (عبید اللہ سندھی) [2]۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُسِمَتِ الصَّلٰوةُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ (یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہو گئی ہے)
جب بندہ کہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری ستائش و تعریف کی) پھر جب بندہ کہتا ہے : اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)
اور جب بندہ عرض کرتا ہے : اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ
تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)
اور جب بندہ کہتا ہے : اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝
تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ (یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے) (مرتب)

قرآنی اصول انقلاب

سورہ العصر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے جی آفس لاہور

فون: 7239138

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

انسانی اجتماع (Society) کو ترقی دینے میں جن بلند. فکر اور عالی دماغ لوگوں نے حصہ لیا۔ ان میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ایک خاص بلند مقام ہے آپ اب سے کوئی چار ہزار سال پہلے "اُر" (عراق) کے مقام پر پیدا ہوئے۔

آپ سے پہلے جن لوگوں نے انسانی اجتماعات کی رہنمائی کی ان کا فکر اپنے مخصوص اجتماع کی ترقی کو مرکز بنا کر کام کرتا رہا۔ لیکن آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے انسانیت عامہ کو اپنے فکر کا محور بنایا۔ اس حیثیت سے آپ بے شک امام الناس[ا] (نوع انسانی کے لیڈر) کہلانے کے صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔

نیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر معاشرے کا ہادی اپنے معاشرے والوں کو ذات الٰہی کا تصور دلانے کے لئے اردگرد کے ماحول کو استعمال کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ ہادی کے گزر جانے کے بعد لوگ ان مظاہر قدرت الٰہی ہی کو "خدا" مان کر پوجنے لگتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ سیدنا ابراہیمؑ پہلے ہادی ہیں جنہوں نے مظاہر طبیعی کی بجائے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا شناسی آسان ہو گئی۔ اور نیچر پر قبضہ کر کے اسے انسانی ترقی کے لئے استعمال کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو حنیفیت کہتے ہیں۔ یہ دعوت کیا تھی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ آپ انسانیت کو دو لعنتوں سے ' جو آپ کے زمانے تک پیدا ہو چکی تھیں ' بچانا چاہتے تھے یعنی:

1- شہنشاہیت انسانی (IMPERIALISAM)

2- الوہیت انسانی (BRAHMANISM)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اجتماع میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو ملکی سیاست پر قبضہ کر کے اپنے خاندان یا اپنی جماعت کے مفادات (Interests) کو ترقی دینے والے قوانین نافذ کرتے ہیں اور اس طاقت کے بل بوتے پر اپنی رعایا سے ناجائز

ا- اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ (سورہ بقرہ 2 : 124)

فائدے اٹھاتے ہیں اور انھیں ناجائز ٹیکسوں[3] کے بوجھ تلے اتنا دباتے ہیں کہ انھیں ان ٹیکسوں کے ادا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے رہنے کے سوا کوئی وقت ہی نہیں ملتا۔ کہ انسانیت کو ترقی دینے کی طرف دھیان دیں۔[1] یہ حالت انسانیت کے لئے بہت بڑی لعنت ہے۔ سیدنا ابراہیم اس کے خلاف بہت بلند درجے کے باغی تھے۔[2]

ایسے ہی بعض اوقات علمی طبقہ عوام کو علم عامہ سے محروم کر دیتا ہے۔ اور خود علم کا اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس علمی اجارہ داری کے طفیل عوام پر "خدائی" کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام ان سرمایہ داران علم کے محتاج بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح علمی طبقہ عوام کو طرح طرح سے لوٹتا ہے۔ وہ جہالت میں مبتلا ہو کر سعادت اخروی پر غور کرنے کی استعداد بھی کھو بیٹھتے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔[3]

یہ برہمنیت بھی انسانیت کے لئے بہت بڑی لعنت ہے اور سیدنا ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ انسانیت کو اس "انسانی اُلُوہیت" سے نجات دلائیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنا کر بتا دیا کہ:

1. تمام انسان اپنے اندر خدا شناسی کا جوہر رکھتے ہیں۔ انبیاء اور ان کے شاگرد اسی کی بیداری کی کوشش کرتے رہے۔
2. چونکہ سب انسانیت کے لحاظ سے برابر ہیں اس لئے کوئی انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کا خدا نہیں بن سکتا چہ جائیکہ "شہنشاہ" بن کر بیٹھ جائے اور لوگوں کو غلام بنائے رکھے۔
3. خدا شناسی ہر ایک انسان کی انسانیت کا فطری تقاضا ہے اس لئے معرفت الٰہی کا علم اسے مفت ملنا چاہئے جیسے ہوا اور پانی سب انسانوں کے لئے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ طبع مصر جلد اول ص 105-

[2] قرآن حکیم سیدنا ابراہیمؑ کا قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ایک موقعہ پر فرمایا: انا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہم تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے پروگرام کے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دائمی عداوت اور بیر ظاہر ہو گیا ہے۔ جو اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ (ممتحنہ 60:4)

[3] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ طبع مصر (جلد اول ص 106)-

4. اجتماع انسانی میں صرف خدا کا قانون[5] چل سکتا ہے کسی حاکم کا (خواہ وہ بادشاہ ہو یا شہنشاہ) قانون نہیں چل سکتا۔ انسانیت کا شرف اس میں ہے کہ انسان صرف خدا کے قانون کے آگے جھکے۔ یہ انسانیت کی آزادی کا اعلان تھا۔ یہ وہ توحید ہے جس کے سیدنا ابراہیم علیہ السلام داعی تھے اور توحید کا یہی تخیّل ان کی تحریک حنیفیت کا (اور بعد میں اسلام کا جو دعوت حنیفیت ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے) سنگ بنیاد ہے۔

5. انسانیت میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے اللہ تعالٰی کی پیدا کردہ نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہر ایک انسان کا حق ہے کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے یا اپنے جیسے خودغرض لوگوں کا اجتماع پیدا کر کے ان کی طاقت کے بل بوتے پر خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے لئے مخصوص کر کے کمزور انسانوں کو ان سے محروم کر دے۔

غرض اس عظیم فکر کے ذریعے سے سیدنا ابراہیمؑ نے ایک طرف تو انسانی ربوبیت (شہنشاہیّت اور مطلق العنان بادشاہی) کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف خدا شناسی کے علم کو عام کر کے برہمنیت کا خاتمہ کر دیا اور تمام انسانوں کو خدا کی بندگی میں لا کر مساوات کی سٹیج پر لا کھڑا کیا اس طرح انسان اور انسانیت کا پایہ بہت بلند کر دیا۔

تحریک حنیفیت کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جو لوگ اس تحریک کو قبول کریں گے وہ کفر، ظلم، شرک، غلامی اور فکری غلامی کے خلاف ایک طاقت ور پارٹی بن جائیں گے اور معاشرے میں سے ظلم کی تمام شکلیں مٹانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ اس عظیم الشان انسانیت گیر تحریک کا انقلابی پہلو ہے جسے سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکردگی میں کام کرنے والی جماعت مہاجرین و انصار نے عمل میں لا کر دکھایا اور اب یہ اصول ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لئے بنیادی اصول بن گیا کہ جب معاشرے میں ظلم بڑھ جائے تو ایک حنیفی جماعت اسے انقلاب کے ذریعے دور کرے گی۔

تحریک حنیفی ابراہیمی کا یہ وہ اصول ہے جس کی مکمل تشریح اس سورۃ العصر میں کی گئی ہے۔

آپ نے اس فکر کی اشاعت کے لئے ایک طرف عرب کی وادی غیر ذی زرع (بے آب و گیاہ) میں "بیت اللہ الحرام" کا مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے بڑے بیٹے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو بسایا اور دوسری طرف "کنعان" میں مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے دوسرے فرزند جلیل سیدنا اسحٰق علیہ السلام کو بسایا۔

حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے "کنعان" کی سرزمین سے اس فکر کی اشاعت شروع ہوئی چنانچہ بنی اسرائیل نے اس علم کو بلند کیا جن میں سیدنا یوسف' سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم داعی پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کو تورات جیسا بین الاقوامی قانون عطا ہوا لیکن بدقسمتی سے وہ قبائلیت سے اوپر نہ اٹھ سکے اور اس انسانیت گیر تحریک کی جتنی اشاعت ہونی چاہئے تھی نہ ہو سکی۔

اسرائیلی شاخ نے حنیفی (ابراہیمی) فکر کی جس قدر خدمت ہو سکتی تھی وہ ہو چکی اور ان میں اس فکر کو آگے بڑھانے کی مزید صلاحیت ظاہر نہ ہوئی تو حکمت الٰہی نے ابراہیمؑ نسل کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل سے جو عرب میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل کر رہے تھے' یہ خدمت لینی چاہی اور ان کی رہنمائی کی خاطر انہی میں سے بہترین انسان کو منتخب کر کے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اس نبی معظم کا نام محمد (ﷺ) ہے اور اسے اس پروگرام کی تکمیل کے لئے جو انقلابی لائحہ عمل دیا گیا وہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن حکیم وہ کتاب عظیم ہے جس میں انسانی انقلاب کا مکمل پروگرام دیا گیا ہے۔ اس میں انسانیت کے خواص بتائے گئے ہیں اور وہ اقدار معین کی گئی ہیں جنہیں قائم کرنے ہی سے معاشرہ انسانی اصولوں پر ترقی کر سکتا ہے چونکہ یہ اصول انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں اس لئے غیر متبدل ہیں یعنی جب تک انسان بحیثیت انسان زندہ ہے' قرآنی اصول حیات اس کے معاشرے کی سیاسی' اقتصادی' اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی ترقی و تربیت کا مکمل کورس ثابت ہوتے رہیں گے یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی اور یہی سبب ہے کہ قرآنی اقدار کو رجعت پسند افراد و اجتماعات کے چنگل سے بچانے کے لئے انقلاب کا نسخہ تجویز کیا گیا۔ یہ وہ نسخہ ہے جسے ہر زمانے میں ہر ایک جماعت جو ان اقدار کو معاشرے میں قائم کرنا چاہے استعمال میں لا سکتی ہے۔ اب جب کبھی بعض معاشروں میں ارتجاع (Reaction) پیدا ہوگا۔ انقلابی قوتیں ابھرتی رہیں گی اور ارتجاع کا خاتمہ کرتی رہیں گی۔ اس لئے بھی اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

اس انقلابی پروگرام کو چلانے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک نہایت مضبوط' جاں سپار جماعت (پارٹی) پیدا کی جس کی نظر بین الاقوامی (Internationalis) بلکہ انسانیت گیر تھی۔ اس بین الاقوامی پارٹی یا حزب اللہ کی تنظیم نہایت مستحکم طبعی اصولوں پر کی گئی جو رہتی دنیا تک انقلاب کی تکمیل میں مدد دیتے رہیں گے۔ اس طرح پارٹی بنا کر کام کرنے

کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پروگرام کو چلانے والی حکومت پیدا ہو گئی جس نے انسانیت عامہ کی ترقی میں اقتصادی اور روحانی پہلوؤں کو برابر اپنے سامنے رکھا۔

یہ پارٹی کس طرح بنائی گئی؟ اس کے اساسی قواعد قرآن حکیم کی اس مختصر سورۃ العصر میں منضبط کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ (1872-1944ء) نے اس سورت کی تفسیر میں یہی اصول واضح کئے ہیں امید ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ انھیں نہایت غور سے مطالعہ کر کے قرآنی انقلاب کی تکنیک کو سمجھنے میں ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ واللہ المستعان۔

بشیر احمد بی۔اے

جنرل مینجر ادارہ حکمت اسلامیہ

223- این۔ سمن آباد لاہور

قرآنی
اصول انقلاب
یعنی
تفسیر سورۂ عصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

ترجمہ : زمانہ کی قسم! یقیناً" انسان گھاٹے میں ہے' سوائے ان کے جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے کام کئے اور آپس میں حق کی تلقین کرتے رہے اور صبرو استقامت کی تلقین کرتے رہے۔

تمہید

مختلف قوموں میں نبیوں کے ذریعے سے جو شریعتیں آئیں' ان میں بعض اصول ایسے ہیں جو سب الہامی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا علوم متعارفہ (Postulates) ہیں۔ ان کے مجموعے کو دین کہتے ہیں۔

مثلاً" یہ عقیدے کہ خدا ایک ہے' موت کے بعد بھی زندگی ہے۔ انسانوں کو ان عملوں کی جزا (یاسزا) ملتی ہے' مختلف قسم کی شخصی نیکیاں (اصول اقترابات[1]) مثلاً" طہارت' نماز' زکوۃ' روزہ' حج' نفلی عبادات وغیرہ اور مختلف معاشرتی اصول و معاشرتی ارتفاقات[2]۔ مثلاً" نکاح' اجتماعی عدل قائم کرنے اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کرنا' غلط کاروں کو سزا دینا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنا' یہ سب دین کے اصول کہلاتے ہیں۔

ان عقیدوں' شخصی نیکیوں' معاشرتی اور ثقافتی اصولوں نے ہر زمانے میں قوموں کے مزاج اور جغرافیائی اور تاریخی حالات کے مطابق مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کی ہیں۔ ان خاص شکلوں کا مجموعہ جو دین کے اصول ہر زمانے میں اختیار کرتے رہے ہیں اس زمانے کی شریعت کہلاتا ہے۔ (ملخص از حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 86-87)

قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ دین کے بنیادی اصولوں کی تشریح بعض چھوٹی سورتوں میں کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لمبی سورتوں میں' جہاں ان اصولوں کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان پر تفصیلی بحث نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اشارہ کر دیتا یا ان کے لئے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی سورتوں میں ان اصولوں کو انہی معنوں میں لیا جائے گا۔ جو چھوٹی سورتوں میں معیّن کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً" قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے عمل کئے) اس مختصر سے فقرے میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

---

[1] اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے طریقے [2] زندگی کی مشکلوں کو آسان کرنے کے طریقے

ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح سورۂ عصر میں کر دی گئی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کے باقی مقامات میں ان اصطلاحوں سے وہی معنی مراد ہوں گے جو اس سورت میں معیّن کئے گئے ہیں۔

جو لوگ قرآن حکیم کے اس اسلوب بیان اور اس قسم کی اصولی آیتوں کی مراد اچھی طرح سے نہیں سمجھتے وہ اس کتاب عظیم کا مقصد معین کرنے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں اور وہ ہر ایک سورت میں اصولی کلمات کے الگ الگ معنی کرتے ہیں جو ان کے خیال میں اس جگہ کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ یہ انکی بڑی بھول ہے۔

اب ہم اس سورت پر نظر ڈالتے ہیں۔

وَالْعَصْرِ :- قسم ہے زمانے کی۔

اس میں واوٗ قسمیہ ہے۔

قسم کی حقیقت

شریعت اسلامیہ کا یہ قطعی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا یا حلف اٹھانا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ مَنْ اَحْلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ (جس نے اللہ کے سوا کسی اور کا حلف اٹھایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا) اس حدیث میں شرک سے مراد خواہ اس کا ادنیٰ درجہ ہی لیا جائے' بہرکیف وہ شرک ہی کی مد میں آتا ہے لیکن تعجّب ہے کہ خود قرآن حکیم میں بہت جگہ غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک یہ مقام والعصر بھی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی امر کے متعلق دو فریقوں میں جھگڑا ہو جائے تو ہر ایک فریق سے دلیل یا شہادت طلب کی جاتی ہے۔ دلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اس طرح سے کھول کر بیان کر دینا کہ سننے والا اسے اچھی طرح سے سمجھ جائے جو شخص اس طرح سمجھنے کا عادی ہو' اسے دلیل ہی دی جانی چاہئے اور اس کے سامنے مفصّل طور پر بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ شہادۃ بھی دلیل ہی کی ذیل میں آتی ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب کے سامنے کوئی بات کھول کر بیان کی جائے تو

اس کا ذہن الجھاؤ میں پڑ جاتا ہے۔ جب وہی بات مختصر طور پر مثال کے ذریعے سے سمجھا دی جائے تو اسے آسانی سے سمجھ لیتا اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ مثال کے لئے کبھی کلمہ قسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا طرز بیان اسی کلمہ قسم کا ہے وہ کبھی تو دلیل بیان کر دیتا ہے کبھی مثال سے کام لیتا ہے اور کبھی مثال کے لئے کلمہ قسم ہی استعمال کر کے ایک حقیقت مخاطب کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔

اسلامی قانون یہ ہے کہ جو فریق دلیل نہ لا سکے وہ قسم کھاتا ہے۔ اس موقع پر قسم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قسم کھانے والا اپنے سچا ہونے پر اللہ تعالیٰ کو، جو عالم الغیب ہے، بطور گواہ پیش کرتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ اس قسم کی شہادت ایک دیندار مسلمان سے یقیناً" قبول کر لی جاتی ہے لیکن اسلام اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو حقیقی معنوں میں علم غیب حاصل ہے اور اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کی سزا دے۔ ان معنوں میں بے شک یہ درست ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھاتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جس کی میں قسم کھا رہا ہوں۔ وہ ہر قسم کا ذاتی علم غیب بھی رکھتا ہے اور مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں وہ تمثیل کے لئے ہیں اور جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بطور گواہ یا مثال پیش کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں "عصر "(زمانے) کو اسی غرض کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

عصر کے معنی ہیں وقت، جس کے ساتھ گزرنے کا تصور بھی ہو، یعنی گزرنے والا زمانہ [1]

زمانے کے گزرنے سے معاشرے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں یہ ضروری نہیں ہے وہ صالح اور صحیح ہی ہوں۔ بعض غلط کار لوگوں کے اثر سے بڑی تبدیلی (Absolutetime) بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ معاشرے کی یہ غلطیاں اور غلط کاریاں ملاء اعلیٰ کی سکرین (Screen) پر غلط رنگ کا اظہار کرتی رہتی ہیں اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس رنگ کے بدلے جانے

---

[1] جب زمانے کے ساتھ گزرنے کا تصور نہ ہو، اور مطلق زمانہ مراد ہو تو اسے دہر کہتے ہیں۔

کے لئے ذات باری سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ معاشرے میں انقلاب آئے ——— اور اس "چاہنے" کے خاص قاعدے اور اصول ہیں ——— اس وقت معاشرے میں انقلابی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس شان ربوبیت کے متعلق حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ:

(انسان کی تخلیق کے بعد نوع انسان کی تربیت کا دور شروع ہوا) اس مرتبے میں ربوبیت الٰہی دو شعبوں میں تقسیم ہو گئی۔

1. ربوبیت کے وہ احکام جن پر زمانے کے تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً احوال و افعال و اخلاق جیسے نطق انسانی' اس کی ہنسنے کی علامت' اس کی جرأت اور کیاست اور معاشرہ انسانی کے لئے ضروری ارتفاقات اور بِرّواِثم کے اصول جو انسانوں کو اسی طرح طبیعی الہام کے ذریعے سے ملتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو۔

2. ربوبیت کے وہ احکام جو زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان صورت نوعیہ انسانیہ کے ساتھ تَشَبُّہ قائم رکھے جو ان ادوار و اعصار کے ساتھ مقرون ہے اور بِرّواِثم کے اصول کو زمانے کے لئے لباس میں مناسب صورتوں میں پیش کرے۔

مطلب یہ ہے کہ انسانیت کے دو حصے ہیں۔ 1- بنیادی انسانیت' جس میں کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ 2- دوسرے انسانیت کے وہ پہلو جو مرور زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں یہ تبدیلی اگر اچھی ہے تو فَبِہَا' ورنہ اسے تبدیل کر کے حقیقی انسانی پہلو کی طرف لانا ہوگا۔ روح عصر (Zeitgeist) یعنی ملاء اعلیٰ کے فیصلے انسانی معاشرے میں ان انسانوں کے ذریعے سے پھیلتے رہتے ہیں جو حساس ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں اور جب معاشرتی تبدیلیوں کے خراب پہلو غالب آجاتے ہیں تو ایک بڑا انقلاب آکر معاشرے کی حالت تبدیل کر دیتا ہے جو لوگ معاشرے کے اندر غلط تبدیلیوں کا سدباب کرنے کی جدوجہد نہ کریں وہ بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور جو غلط تبدیلیاں کر کے اپنے مفادات کو ترقی دیتے ہیں وہ بھی آخر نقصان اٹھاتے ہیں۔

زمانے میں یہ تبدیلیاں ہمیشہ آتی رہی ہیں اور ہمیشہ آتی رہیں گی۔ ہمارے خیال میں عصر کے اس تصور کا ایک پہلو تاریخ بھی ہے جو گزرے ہوئے زمانے کے واقعات کے

مجموعے کا نام ہے۔ گویا اس آیت میں تاریخ ہی کی شہادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔
تاریخ کی شہادت پیش کرنا' اعلیٰ درجے کا علمی استدلال ہے۔ البتہ جو لوگ تاریخ کی اہمیت نہیں سمجھتے وہ اس استدلال کی اہمیت کو بھی پوری طرح سے سمجھ نہیں سکتے۔ خود قرآن حکیم گزشتہ اقوام کے حالات سے بھرا پڑا ہے اور وہ بار بار کہتا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (الانعام 6:11)

"یعنی مختلف ممالک میں چل پھر کر دیکھو کہ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑا' ان کا انجام کیا ہوا"۔

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ ○

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔

روح عصر (Spirit of the Age) کے ان اثرات کے ظہور کے وقت انسان کی حکمت عملی کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اس وقت حق قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور عملی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے سوا باقی تمام انسان نقصان اٹھاتے ہیں وہ لوگ بھی جو ارتجاع میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ارتجاع میں مبتلا نہ ہوتے ہوئے انقلاب کے لئے نہیں اٹھتے۔

زمان و مکان کی یہ وہ معاشرتی حقیقتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے پہلی مرتبہ انسان کی توجہ دلائی ہے اور انسان کو آمادہ کیا ہے زمانے کی تسخیر کر کے اسے اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دینا بھی انسانی شرف ہے۔

انقلاب کے عملی اُصُول

قرآن کہتا ہے کہ جب سے انسانی تاریخ لکھی گئی ہے اس پر نظر ڈالو' تم دیکھو گے کہ وہ اس امر کی ناقابل تردید شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماع میں چار باتیں جن کا ذکر آگے آتا ہے پیدا نہیں ہو گئیں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ ان کے بغیر آئندہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔

وہ چار باتیں یہ ہیں:-

1- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جنہوں نے ایمان اختیار کیا۔

"نظریہ" اور "ایمان"

اس آیت میں ایمان سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب تاریخ عالم کی شہادت پیش کی گئی ہے تو ایمان کے معنی بھی وہی لئے جانے چاہئیں جو دنیا کے تمام دینوں میں اصولی طور پر مانے جاتے رہے ہیں۔

مولانا محمد قاسمؒ فرماتے ہیں کہ "جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کی نیّت یا ارادہ کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ نیت یا ارادہ کرلے کہ میں اللہ کے سب حکموں کی تعمیل کروں گا تو یہ جامع نیت ایمان ہے"۔

جن لوگوں نے قرآن حکیم کو مانا یا اس سے پہلے جنہوں نے تورات یا انجیل کو تسلیم کیا انہوں نے ان کتب الہٰیہ میں معیّن اصول پائے اور ان اصولوں کو مان کر ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت بنالی اور انہیں انسانی اجتماع میں قائم کرنے کے لئے اپنا جان و مال تک قربان کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اسے ان کا "ایمان" کہا جائے گا۔ لیکن جن انسانی گروہوں میں ایسی الہامی کتابیں موجود نہیں ان کے اندر حکمائے الٰہی کی کوششوں سے جو صحیح علم آیا جس نے انہیں خدا پرستی کی راہ پر لگایا اور انہوں نے اسے تسلیم کرکے اس کے مطابق کام کرنے کا ارادہ کرلیا اور اس کی خاطر اپنا جان و مال قربان کرنے کا تہیہ کرلیا تو یہ ان کا ایمان ہوگا۔

اسلام نے ایمان کا جو مختصر اور جامع فارمولا پیش کیا ہے وہ یہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ۔

یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جیسا بھی وہ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور میں نے زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق سے اس کے تمام احکام قبول کرلئے"۔

پس قرآن کہتا ہے کہ کسی اجتماع کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے افراد کے دلوں میں صحیح علم کو اپنی جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو جماعت ایسے لوگوں سے بنی ہوئی نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ کبھی کامیاب ہوسکتی ہے۔

فلسفہ ولی اللّٰہی کی بنیاد

امام ولی اللہ دہلویؒ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ تمام الہامی شریعتوں کا موضوع انسانیت عامہ ہی رہا ہے۔ یعنی یہ تمام شریعتیں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی تھیں اور اسی کے تزکیے اور ترقی کے لئے آئی تھیں۔ مختلف شریعتوں میں جو ظاہری اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ ان قوموں کے لحاظ سے ہے جن میں وہ آئیں' ورنہ حقیقت میں ان سب شریعتوں کی تہ میں انسانی فطرت ہی کی ترجمانی کی گئی ہے اور سب میں مشترک امر یہی انسانیت عامہ ہے۔

اس لحاظ سے ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اسے یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایسے صحیح عقائد یعنی ترقی بخش نظام معنوی کا مالک نہ ہو' جن کی بنیاد انسانی فطرت پر ہو اور وہ ان عقیدوں کو عمل میں لانے کے لئے اپنا نصب العین اس طرح سے نہ بنالے کہ وہ ان پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو آمادہ ہو جائے اس وقت تک وہ کامیابی کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔

چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَ يَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْاٰرَاءِ الْكُلِّيَّةِ فِىْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَتِهٖ وَاِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّهٖ فَرُبَّمَا لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِمُخَاصَمَاتٍ اَوْ مُقَاتِلَاتٍ' فَيُعَدُّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 50 طبع نور محمد کراچی)

"یعنی جو لوگ اجتماعی رنگ میں سوچتے ہیں ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ حق کی اشاعت کرنے اور اسے چلانے میں اور باطل کو مٹانے اور اسے روکنے میں اپنی پوری کوشش صرف کریں لیکن یہ اکثر ممکن نہیں ہوتا جب تک حق کی حقانیت اور باطل کی غلطی ولائل و براہین کے ذریعے ثابت نہ کر دی جائے یا باطل کے مٹانے اور حق کے قائم کرنے کے لئے جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے قتال نہ کیا جائے اس وقت ان میں سے ہر ایک بات بہترین نیکی شمار ہوتی ہے"۔

غرض کامیابی کے لئے کوئی بلند نظریہ یا نصب العین قائم کرنا ضروری ہے جسے ایمان کا

درجہ دیا جا سکے۔ مسلمانوں کا انقلابی نصب العین قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں جنہیں خیر القرون (نمونہ کا دور) میں عمل میں لا کر دکھایا جا چکا ہے اور وہی نمونہ ہمیشہ کامیابی کا معیار ہے۔

تاریخ کی شہادت

کیا تاریخ سے کوئی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی شخص یا جماعت نے کوئی جامع نظریہ "ایمان" اختیار کئے بغیر کامیابی حاصل کی ہو؟

2- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور صالح اعمال کئے)

عمل صالح کیا ہے؟ : بدن انسانی کی ہر وہ حرکت و سکون جو انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس کی تعمیل و تکمیل کے لئے ہو، عمل صالح ہے۔

عمل کی صالحیت کا مدار : اصل میں کسی عمل کا اچھا یا برا ہونا، اس کی ظاہری شکل کے اعتبار سے اتنا نہیں ہوتا جتنا اس کی روح کے لحاظ سے اور کرنے والے کی اس نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اسے عمل پر اکساتی ہے۔ مثلاً دنیا کی تمام قوموں میں یہ مانا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت اچھا فعل (عمل صالح) ہے۔ گو ہر ایک قوم میں عبادت کی صورت الگ الگ رہی ہو۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا قرب حاصل کرنا انسان کے لئے ضروری ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کا جذبہ ہی عبادت یا صلوٰۃ کی اصل روح ہے اب اگر یہی عبادت صرف دکھلاوے کے طور پر کی جائے تو سب سے برا عمل تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۝ (6-4:107)

افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر صرف دکھلاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔

ایسے ہی کسی انسان کو مار ڈالنا بظاہر کتنی بری بات معلوم ہوتی ہے سب قوموں کے عقل مند لوگ اسے برا کہتے ہیں اور کہتے آئے ہیں لیکن جب حق کی حمایت میں مرنے اور مارنے کی نوبت آجائے یا کمزور انسانوں کو ظلم سے بچانے کی ضرورت پڑ جائے تو کوئی شخص

بھی قتل کرنے سے انکار نہیں کرتا بلکہ اس وقت انسانی قتل کو بہت قابل تعریف فعل سمجھا جاتا ہے۔

پس جو کام انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس نیت سے کیا جائے کہ سب انسانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے وہ عمل صالح ہے۔

"ایمان" اور عمل صالح کا تعلق

اصل میں ایمان جڑ ہے عمل کی۔ جب تک جڑ زندہ ہے۔ درخت زندہ ہے جب جڑ مرجاتی ہے درخت خود بخود مرجھا کر گر جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ایمان انفرادی اور اجتماعی کاموں کی بنیاد ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:

1- اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ (العنکبوت 29:2)

"کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی جانچ نہ ہوگی"۔

2- اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ○ (ال عمران 3:142)

"کیا تمہیں خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک معلوم نہیں کیا جو تم میں لڑنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا جو ثابت قدم ہیں"۔

3- سورۃ توبہ میں منافقین سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

(9:105)

"اور کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے"۔

4- اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت ان کے عملوں کی وجہ سے کرتا ہے نہ کہ ان

کے صرف اقوال کی وجہ سے: وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ○ (الانعام 6:127)

5- اور اصلی مومنوں کے اعمال یہ بتائے گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا○ (الانفال 8:74)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مومن ہیں"۔

6- اجتماعی طور پر اقوام کا امتحان بھی عمل کے مطابق ہوتا ہے محض عقیدوں کی بناء پر نہیں:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ○ (یونس 10:13-14)

"اور ہم یقیناً تم سے پہلی جماعتوں کو جب انہوں نے ظلم کیا، ہلاک کر چکے ہیں۔ حالانکہ انکے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ ہم مجرموں کی قوم کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت[1] دی۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح سے عمل کرتے ہو"۔

آخر میں قرآن حکیم نے یہ قطعی اور حتمی قانون فطرت بیان کر دیا ہے کہ:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں خلافت سے مراد بین الاقوامی حکومت ہے۔ (حجۃ البالغہ ص ج)

فَاُولٰئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا○ (نساء 4: 123-124)

"مدار نہ تمہاری امیدوں پر ہے نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کرے گا سزا پائے گا اور اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا اور جو کوئی اچھے کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا حق تِل بھر بھی ضائع نہ ہوگا"۔

خلاصہ یہ کہ ایمان قائم کرنے کے بعد اگر نتائج نکل سکتے ہیں تو فقط عمل سے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی (53: 24) کیا انسان کو صرف کسی چیز کی تمنا کر لینے ہی سے وہ مل سکتی ہے؟ نہیں بلکہ قاعدہ صرف یہ ہے کہ بلَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (53: 39) یعنی انسان کو وہی یا اتنا ہی ملتا ہے جو یا جتنا وہ خود عمل کرتا ہے۔ غرض ایمان عمل کی بنیاد ہے اور عمل ایمان کا نتیجہ' ایمان ایسا ہونا چاہے جو عمل پر اکسائے اور عمل وہ ہو جو ایمان کے مطابق ہو۔

تاریخ کی شہادت : اب تاریخ پر نظر ڈالو کیا اس میں ایک بھی شہادت یا مثال ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی اجتماع میں لوگوں نے اچھے عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان تو بنا لیا لیکن انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے ایمان کے مطابق نہ ڈھالی پھر بھی وہ اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ تاریخ کے سارے ورق الٹ جاؤ اس کی ایک مثال بھی نہ پاؤ گے۔ البتہ تاریخ انسانی سے جو حقیقت بلاتردید ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کے مطابق کام کیا اور اسے اجتماع میں غالب کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ پس ایمان کے مطابق کام کرنا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا ہی اصل میں عمل صالح ہے۔ اور ہمیشہ کامیابی اسی سے حاصل ہوئی ہے اور اسی سے حاصل ہوگی۔

3- وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وہ آپس میں حق کی تلقین کرتے ہیں۔

الحق کیا ہے؟

بنیادی طور پر حق میں پختگی اور ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں جب تک کوئی بات صرف علم کے درجے تک ہے ضروری نہیں کہ وہ عمل پر اکسائے لیکن جب کسی بات کا علم یقین کے اس درجے تک پہنچ جائے کہ وہ عمل صالح پر بھی اکسائے تو وہ حق بن جاتا

ہے[1]۔ اسی طرح جب ایمان انسان کے ہر عمل کی بنیاد بن جائے اور وہ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہ کرے بلکہ یہ محسوس کرنے لگے اگر یہ ایمان کسی طرح میرے دماغ میں سے نکال لیا گیا تو میں مر جاؤں گا اس وقت وہ ایمان حق کا درجہ حاصل کر لیتا ہے یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے ایمان میں امن اور اس کے مطابق عمل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے میں راحت پاتا ہے۔

پارٹی کی ضرورت

اگر کوئی شخص کسی عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان بنالے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے اور اپنا جان و مال اور سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا پختہ ارادہ بھی رکھتا ہو تو وہ اجتماع میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو نہ ملائے جن کا ایمان اس کے اپنے ایمان جیسا ہو اور پھر وہ سب مل کر اپنے مشترک ایمان کی تکمیل کے لئے پوری پوری اور انتہائی جدوجہد کریں اور اگر اپنے میں سے کسی کے ایمان یا عمل میں کمزوری یا کوتاہی پائیں تو اسے ایمان پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کریں[2]۔

پروپیگنڈے کی ضرورت

حقیقت یہ ہے کہ حق کی اشاعت کرنا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ اجتماع میں پھیلتا ہے اس سے پارٹی پیدا ہوتی ہے اور ترقی کرتی ہے جب تک حق کی حمایت میں قربانی دینے والی جماعت (پارٹی) پیدا نہ ہو جائے۔ اجتماع میں حق قائم ہو ہی نہیں سکتا' تاریخ ایسی مثالیں تو پیش کرتی ہے کہ ایک اولوالعزم نبی جانفروش افراد کی جماعت ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہا لیکن وہ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرتی کہ ایک صالح عمل صاحب ایمان فرد

1۔ کیونکہ جب کوئی تعلیم محض علم کے درجے سے نکل کر سوسائٹی میں گڑ جاتی ہے وہ مضبوط ہو جاتی ہے۔

2۔ یہ عمل تواصی بالحق ہے اس عمل میں کبھی کسی بات کے کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کبھی کسی بات کے کرنے سے روکا جائے گا اس لحاظ سے قرآن حکیم میں اسے امر بالمعروف، نہی عن المنکر بھی کہا گیا ہے۔

تن تنہا جماعت کے بغیر حق کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ا؎ امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْاَمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلٰی اُصُوْلٍ اُخْرٰی غَیْرِ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ، مِنْهَا اَنْ یَّدْعُوْا قَوْمًا اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَانَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَیُجَاهِدُبِهِمْ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقُهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَهُوَقَوْلُهٗ تَعَالٰی: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (3 : 110) وَذٰلِکَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَهٗ لَایَتَاتّٰی مِنْهُ مُجَاهَدَةُ اُمَمٍ غَیْرِ مَحْصُوْرَةٍ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 118)

"یعنی اس امام کو جو تمام قوموں کو ایک ملت پر جمع کرے ان اصولوں کے علاوہ جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اور اصولوں کی ضرورت ہے ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک جماعت کو صحیح پروگرام کی دعوت دے' انہیں (ان کی غلط کاریوں سے) پاک کرے پھر ان کی حالت کو درست کرے اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بنائے اور ان کی مدد سے تمام دنیا سے جنگ کرے اور انہیں دنیا بھر میں (دعوت و تبلیغ کے لئے) پھیلا دے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم بہترین) امت ہو جو تمام انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے) کا یہی مطلب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تن تنہا تمام قوموں سے لڑ نہیں سکتا"۔

ا؎ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں کئی جگہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ (48 : 29) (محمد ﷺ اور ان کے ساتھی) آیا ہے۔ یعنی آپ کی کامیابی کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے بلکہ ایک جگہ تو صریح لفظوں میں حکم دیا گیا ہے کہ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ (سورہ کہف 18 : 28) یعنی تو صرف ان لوگوں کے ساتھ وابستگی رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے رہتے ہیں۔ وہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں اور تیری آنکھیں انہیں چھوڑ کر نہ دوڑیں۔

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے۔

تاریخ کی شہادت

اب پھر انسانی تاریخ پر نظر ڈالو اور دیکھو کیا ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ ایک شخص ایمان اور عمل صالح کے باوجود اپنے ساتھ اپنے جیسے ہم خیال لوگوں کو جمع کئے بغیر اکیلا اور تن تنہا اجتماع میں اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا؟ تاریخ اس کی ایک مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

4- وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وہ آپس میں صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

"صبر" کیا ہے؟

جب انسان اپنے ایمان کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی راہ میں بے شمار مشقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں وہ انہیں جھیلتا ہے ان کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے ایمان پر مردانہ وار ڈٹا رہتا ہے۔ یہ صبر ہے۔

کفر کیا ہے؟

اگر رکاوٹیں زیادہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان آگے قدم نہ بڑھائے اور ٹائم مارک (Mark Time) کرتا رہے لیکن مشکلات سے گھبرا کر شکست مان لینا اور اصول سے پیچھے ہٹ جانا ہرگز جائز نہیں' ایماندار آدمی کا صرف ایک کام ہے' فرض ادا کرتا ہوا جان دے دے یا ٹائم مارک (Mark Time) کرے اور جب آگے بڑھنے کا موقع پیدا ہو' فوراً" قدم آگے بڑھائے۔ اصول سے پیچھے ہٹ جانا اور اپنے ایمان کا انکار کر دینا کفر ہے جو شخص کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹ جانے کو جائز سمجھ لیتا ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایمان والوں کے اجتماع کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اپنے جس ساتھی کو پھسلتا یا کمزور ہوتا پائیں اسے سہارا دے کر گرنے سے روکیں صرف اسی صورت میں اجتماع کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہئے کہ کسی اجتماع میں جو ایمان کسی نظریے پر قائم ہوا ہو اس میں دو وجہ سے کمزوری آسکتی ہے:

(الف) اس میں ضرورت کے مطابق ملی اشتراک نہ ہو اور دولت سارے اجتماع میں چکر لگانے کی بجائے ایک چھوٹے سے طبقے میں بند ہو کر رہ جائے اس حالت میں ایک بہت بڑا طبقہ نادار رہ جاتا ہے اب اگر مالدار لوگ خود داد عیش دیتے رہیں اور اپنے نادار ساتھیوں

کو ایمان پر قائم رہنے اور قربانیاں دینے کی تلقین کرتے رہیں تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ بددلی بڑھتی ہے جس سے دشمن کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اجتماع کی اندرونی پختگی اور مضبوطی کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ سارے اجتماع کی طبعی بنیادی ضرورتیں یعنی خوراک' لباس' مکان' تعلیم' صحت وغیرہ پوری ہوتی رہیں اگر ایسا نہ ہو تو نادار افراد اپنی ان ضرورتوں کے پورا کرنے میں اتنے پھنس جاتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی تکمیل سے قاصر رہ جاتے ہیں اور ہوتے ہوتے وہ اس تحریک سے بالکل ہی کٹ جاتے ہیں اس طرح سے تحریک مر جاتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ ایرانی اور رومی شہنشاہیتوں کی بربادی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان ملکوں کے مالدار طبقے اپنی عیش سامانیوں کے لئے کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتے رہتے تھے تو:

جَعَلُوْاهُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَمِيْرِ وَالْبَقَرِ يُسْتَعْمَلُ فِى النَّضْحِ وَالدِّيَاسِ وَالْحِمَارِ وَلَا تُقْتَنٰى اِلَّا لِيُسْتَعَانَ بِهَا فِى الْحَاجَاتِ ثُمَّ لَا نَتْرُكُ سَاعَةً مِنَ الْعَنَاءِ حَتّٰى صَارُوْا اَلَا يَرْفَعُوْنَ رُؤُسَهُمْ اِلَى السَّعَادَةِ الْاُخْرَوِيَّةِ اَصْلًا وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ذٰلِكَ (حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص (106'105

"انہیں گدھے اور بیل بنا چھوڑتے تھے جنہیں آبپاشی کرنے فصل کاٹنے اور گاہنے اور اپنی حاجتیں پوری کرنے میں استعمال کے لئے زندہ رکھتے تھے انہیں محنت مشقت سے ایک دم کی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ آخرت کی سعادت پر غور کر سکتے۔ رفتہ رفتہ ان میں ان امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی تھی"۔

(ب) اس میں علمی اشتراک نہ ہو یعنی جس عقیدے یا صحیح علم کو ایمان بنایا گیا ہے اس کے متعلق اجتماع کے ہر ایک رکن کو کم سے کم ضروری معلومات پوری طرح سے حاصل نہ ہوں بلکہ چوٹی کے چند لیڈر ہی تحریک کا علم رکھیں اور وہی پالیسی بنائیں اور عوام اس علم سے محروم ہوں اور پارٹی کے چلانے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ ہو یہ برہمن ازم (Brahmanism) ہے۔ اس صورت میں دشمن کا پروپیگنڈہ سخت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ پہلے تو جاہل لوگوں کے دلوں میں ایمان کے متعلق وسوسہ پیدا کرتا ہے پھر وسوسہ

بڑھتے بڑھتے شک میں بدل جاتا ہے اور پھر ہوتے ہوتے شک انکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے کبھی دشمن ڈھل مل یقین لوگوں کو اندرونی انتشار پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے لیکن اگر ہر شخص کو ضروری علم حاصل ہو تو کوئی بھی وسوسے میں مبتلا نہیں ہوتا اور تحریک دشمن کے فکری حملے سے محفوظ رہتی ہے۔

غرض مشکل حالات میں افراد کو ایمان پر قائم اور عمل پر آمادہ رکھنے کی عملی صورت اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اجتماع میں افراد کی ضرورت کے مطابق مالی اشتراک ہو اور ضروری علم عام ہو' کوئی شخص نہ بھوکا ننگا رہے اور نہ جاہل اور بے خبر۔

مساوات

جب اجتماع میں بقدر ضرورت مالی اور عملی اشتراک پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں ہر فرد کی بدنی اور عقلی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں کمزوروں کی خبر گیری اور ظالموں کی سرکوبی کا نظام مضبوط ہوتا ہے اس وقت اس اجتماع میں لیڈر شپ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو عوام کی خدمت کرنے میں سب سے آگے اور عدل و انصاف قائم رکھنے میں سب سے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں۔

تاریخ کی شہادت

اب تاریخ انسانی پر ایک نظر ڈالو! کیا اس کے اوراق اپنے اندر اس کی ایک مثال بھی رکھتے ہیں کہ کسی بلند نظریئے پر پارٹی بن جانے کے باوجود اس کے افراد میں ایمان اور عمل صالح بھی موجود ہوں وہ پارٹی استقامت کے ساتھ کام کرنے اور اندرونی مالی اور عملی اشتراک کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہو؟

انقلابی جماعت اور منافقین

"لیکن وہ نصب العین یا مقصد جسے ایمان بنا لیا گیا ہے بالکل صاف' واضح اور معین ہونا چاہیئے کیونکہ اسی صورت میں افراد پارٹی میں شامل ہو کر متحدہ طور پر کام کر سکتے ہیں۔ اگر نصب العین معین نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے مطلب کے معنی لے گا اور وہ نصب العین ہی جماعت (پارٹی) کے انتشار فکر کا باعث بن جائے گا۔ تاریخ اس امر کی بیسیوں مثالیں پیش کر سکتی ہے کہ نصب العین واضح نہ ہونے کے سبب سے پارٹی ہمیشہ اختلافات کی آماجگاہ بنی رہی اور وہ اپنے نصب العین کو عمل میں نہ لا سکی۔ تاریخ اسلام میں اس کی

مثل خوارج کی ہے جن میں نصب العین کی ترجمانی کے اختلافات پیدا ہوتے رہے اور یہ جماعت اپنی مستقل حکومت پیدا نہ کر سکی۔

کوئی نصب العین جتنا واضح اور معین ہوگا اتنا ہی اس پر ایمان لانے والے اس کی خاطر جان دینے پر زیادہ آمادہ ہو سکیں گے اور جتنا غیر معین اور مبہم ہوگا اتنا ہی فرار کی راہیں کھلیں گی اور لوگوں کو جان و مال بچانے کا موقع ملے گا۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک میں جان و مال بچانے کا موقع مل جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصب العین تو معین ہے لیکن بعض وہ ارکان جو اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں یہ لوگ منافق کہلاتے ہیں وہ مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ انقلاب کی مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) کا فرض ہوتا ہے کہ انقلابی پروگرام کی ترجمانی میں ایسے لوگوں کو داخل نہ کرے اور کوئی داخل ہو چکا ہو تو اسے جس طرح بھی ممکن ہو غیر موثر بنا دے۔

بعض اوقات کم علم یا جاہل ارکان بھی نصب العین کو مبہم بنانے میں حصہ لیتے ہیں ان کی تعلیم کا پورا پورا بندوبست ہونا چاہئے تاکہ یہ لوگ نصب العین کے متعلق صحیح علم حاصل کریں اور لاعلمی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نہ پھریں۔

ان دونوں صورتوں میں یعنی منافقوں اور جاہلوں کی موجودگی میں ساری جماعت کی علمی قوتیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے ان دونوں کا انسداد ضروری ہے"۔

سورت کا خلاصہ

اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ گواہ ہے کہ انسان اجتماعی تحریک میں چار اصول اختیار کر کے ہی کامیاب ہو سکتا ہے:

1 کسی ایسے عقیدے یا علم کو جس سے سارے اجتماع انسانی کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اپنا نظریہ جان کر کام کرنا

2 اس نظریے کے مطابق عملی زندگی بسر کرنا۔

3 اس نظریے پر ایک مضبوط جماعت پیدا کرنا۔

4 اس جماعت یا پارٹی کا انتشار پیدا کرنے والے بیرونی اور اندرونی حملوں سے محفوظ

ہوتا۔

(الف) بقدر ضرورت مالی اشتراک کے ذریعے سے' اور

(ب) علمی اشتراک کے ذریعے سے۔

ان میں سے پہلی دو باتوں کا تعلق اجتماع کے ہر ایک فرد کی ذات سے ہے جب تک کسی فرد میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں یعنی وہ ایک مشترک نظریے کو قبول کر کے اسے ایمان نہ بنالے اپنی جان و مال اس پر قربان کرنے کے لئے وقف نہ کر دے اور اپنی پوری زندگی اس نظریے کے مطابق بسر کرنے کا پختہ ارادہ نہ کر لے۔ اس وقت تک وہ پارٹی میں جگہ نہیں پا سکتا۔

باقی دو باتیں اجتماع کے متعلق ہیں۔ یعنی پارٹی میں اندرونی اشاعت ہو تاکہ ہر رکن اس نظریے کو جسے سب نے ایمان بنالیا ہے اچھی طرح سمجھے اور اس پر قائم رہے۔ اور بیرونی پروپیگنڈا ہو' جس سے پارٹی کے ارکان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے نیز اس جماعت میں بقدر ضرورت مالی اور علمی اشتراک ہو' تاکہ تمام افراد اطمینان قلب اور روشن دماغی کے ساتھ کام کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو مالی اور علمی مدد دیتے رہیں جس اجتماع میں یہ باتیں نہ ہوں وہ توڑ دینے کے لائق ہے۔

انقلاب

یہ چھوٹی سی سورت قرآن حکیم کی انقلابیت کو پوری طرح سے واضح کرتی ہے اس میں انقلاب کے وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جن کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے عمل کر کے قرآن حکیم کی حکومت قائم کر دکھائی۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کی پیروی کرنے کا تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ریاضی کے چار ابتدائی قاعدے۔[ا] نہ ریاضی کے ان قاعدوں کے استعمال سے کسی غلط نتیجے کے نکلنے کی توقع ہو سکتی ہے نہ انقلاب کے ان اصولوں کے استعمال سے کسی کے خلاف توقع نتیجہ نکلنے کا اندیشہ' ایسے ہی ریاضی کے ہر ایک قاعدے کے استعمال سے جو نتیجے حاصل ہوتے ہیں وہ اسی قاعدے کے استعمال سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ کسی اور قاعدے کے استعمال سے نہیں ایسے ہی انقلاب سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور طریقے سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔

ا۔ یعنی جمع' تفریق' ضرب' تقسیم۔

حقیقت میں انقلاب ایک طریق کار (Methodology) ہے جس کے تین حصے ہیں:
1- نصب العین (Ideal) 2- جماعت (Party)
3- لائحہ عمل (Programme) "اس لحاظ سے اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو"....

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں نصب العین معین کرنے کی ضرورت اور اس کے مطابق عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں جماعت کی ضرورت جتائی گئی ہے اور اس کے پیدا کرنے کا طریق بتایا گیا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں انقلاب کے عملی پروگرام یا لائحہ عمل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

نوع انسانی کی ساری تاریخ گواہ ہے کہ ان چار قاعدوں کے عمل میں لائے بغیر انسان کبھی حق کو قائم نہیں کر سکا اور تاریخ کا یہ مسلسل عمل ظاہر کرتا ہے کہ ان چاروں اصولوں پر عمل کئے بغیر کوئی جماعت کبھی حق کو قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تاریخ اسلام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت یا زیادہ سے زیادہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک جو پچاس برس کا زمانہ ہے۔ وہ انقلاب کی یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہے اس زمانے میں قرآنی نظام سیاست' معاشیات اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے طریقوں کو غالب کرنے کا نصب العین معین شکل میں ان کے سامنے تھا۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (9:100) مہاجرین اور انصار میں سے ابتدائی مسلمان' وہ مرکزی جماعت تھی جو حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کی رہنمائی کرتی تھی۔ انہوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق فوجی لائحہ عمل کمل کیا پہلے عرب پر قبضہ کر کے قومی انقلاب قائم کیا' پھر ایران اور روم کے علاقوں پر قبضہ کیا اور پھر رفتہ رفتہ مشرق اور مغرب کی طرف بڑھے اور نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ 2:5 ے 11)
"اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں"۔

آج بھی مسلم نوجوان انقلاب کے انہی اصولوں کو اختیار کر کے قومی اور بین الاقوامی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ان اصولوں کو اختیار کئے بغیر وہ قرآن حکیم کو کبھی بھی کامیابی کے ساتھ کامل طور پر قائم نہیں کر سکتا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآنی اصول حیات کو قائم کئے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم کا بین الاقوامی اور عالمگیر غلبہ ہی وہ مطمع نظر ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پارٹی کے سامنے رکھا اور جس کی کامیابی کی خاطر انہوں نے جان توڑ کوشش کی آج بھی ہمارے نوجوانوں کے سامنے یہی نظریہ یہی نصب العین اور یہی مقصد حیات ہے۔ ان انقلابی اصولوں کے مطابق دین اسلام کا غلبہ دین کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دینُ اللہ کا غلبہ ادیان پر قائم کرنے کا عمل حضرت رسول اکرم ﷺ نے شروع فرمایا فَقَهَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الْاُمِّيِّيْنَ حَتّٰى دَانُوْا بِالْاِسْلَامِ "یعنی آنحضرت ﷺ نے عرب پر سیاسی غلبہ حاصل کیا یہاں تک کہ اہل عرب اس دین کے قانون کے مطیع ہو گئے۔

اس کے بعد بقول امام ولی اللہ دہلویؒ غلبہ اسلام کی دوسری منزل آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں نے طے کی اور اسلام کو ایرانی اور رومی سلطنتوں پر سیاسی غلبہ دیا۔ اب مسلمان نوجوان کا فرض ہے کہ وہ بھی پہلے اپنے وطن عزیز میں قرآن کا غلبہ قائم کریں اور اس کے بعد اسے دنیا بھر کی سب سے بڑی سیاسی و معاشی طاقت بنائیں تاکہ وہ انسانی قدریں دنیا میں قائم ہو سکیں جو وہ غالب کرنی چاہتا ہے۔ واللہ المستعان۔

تفسیر سورہ الجمعہ

سورہ جمعہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے جی آفس لاہور

فون: 7239138

تفسیر سورۃ الجمعہ

(مدنی سورۃ ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الصف کے ساتھ ربط

رسول اللہ ﷺ کو اپنا بین الاقوامی پروگرام پورا کرنا اسی طریقے پر آسان تھا جس پر حضرت مسیحؑ نے تورات کی اشاعت عامہ کی کوشش کی یعنی ہر قوم میں سے اپنے نظریات ماننے والی جماعت تیار کرلی جائے اور وہی جماعت اپنی قوم کے مخالفوں سے لڑے اور اپنے پروگرام کو حاکمانہ شان دے دے۔ اگر ایک مرکز سے کوئی شہنشاہ اٹھے اور وہ ساری دنیا کو فتح کرتا پھرے (جیسے پہلے زمانے میں سکندر یا اس سے بھی پہلے ذوالقرنین کے نمونے موجود ہیں۔ تو وہ کوئی دیرپا بین الاقوامی مرکز پیدا نہیں کرسکتا اور نہ اس طرح سے پیدا شدہ بین الاقوامیت پائیدار ہوسکتی ہے اگر اس قسم کے حاکموں کا پیدا ہونا ایک فکر کے عمومی غلبے کے لئے ضروری ہے تاکہ عام لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ اس فکر میں کتنی طاقت ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اس کے اظہار کے لئے وقتاً فوقتاً انسانیت میں بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر ان کے ذریعے سے اوروں کی مستقل تربیت نہیں ہوسکتی۔

قومی انقلاب سے قرآنی تحریک کو فائدہ

جیسے ایک شہر کی تہذیب و اصلاح کے لئے اس شہر کے ہر ایک خاندان کی اصلاح اسی حصے پر ہونی ضروری ہے اسی طرح ایک مملکت کی اصلاح جو انقلاب کا نتیجہ ہونی چاہئے اس مملکت کے تمام شہروں میں اس تہذیب کے مراکز قائم کئے بغیر نہیں ہو سکتی بین الاقوامی پروگرام کے لئے زبانوں سے علیحدہ ہونے والی قومیں ایک اکائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اکائیوں کی اصلاح مستقل بنیادوں پر قائم ہونی چاہئے۔ اب یہ چیز قائم ہو جائے تو بین الاقوامی پروگرام دنیا کے سامنے صاف ہو کر آئے گا اور دیر تک چلے گا اس میں یہ طاقت آجائے گی کہ اگر اس کی تحریک میں کبھی عارضی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو اس کے اندر ہی سے انقلابی قوت پیدا ہو کر اس کمزوری کو دور کردے اور اس تحریک کی اصلاح کردے۔

مضبوط مرکز کا نقصان

اگر قوموں کو کسی بین الاقوامی مرکز کے ساتھ اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ وہ بے دست و پا ہو کر رہ جائیں تو اس مرکز میں کمزوری آنے کے بعد ان میں انقلابی تحریک پیدا ہونا اور ان کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا نہایت مشکل ہو جائے گا ایک بڑے مرکز سے اقوام میں ایک پروگرام جاری کرنے سے اگر یہ فائدہ سامنے آتا ہے کہ تحریک بہت جلد پھیل جاتی ہے تو اس کے مقابلہ میں یہ خطرہ بھی پیش نظر آتا ہے کہ اگر اس مرکز میں خرابی آجائے تو اتنی بڑی قوموں کی اصلاح خطرناک طور پر مشکل ہو جائے گی اور پھر وہ خرابی انڈے اور بچے دے کر قوموں کو بہت دور تک گمراہ کر دے گی۔

صحیح طریق عمل

اس لئے صحیح طریق عمل جو آج تک دنیا میں تجربے سے مفید ثابت ہوا ہے یہی ہے کہ ہر ایک قوم کے اندر اس کی ذہنیت کے مطابق اس کی زبان میں بین الاقوامی اصول کا مخزن جمع کر دیا جائے وہ قوم اپنے بھلے برے کا فیصلہ کرنے کے لئے خود مختار ہو اس طرح ایک پروگرام پر مختلف قومیں تیار ہو جائیں تو ان کو کس مرکز میں بیٹھ کر بین الاقوامی پروگرام کامیاب بنا لینا چنداں مشکل نہیں ہے۔

بین الاقوامی مرکز

ہم اس بین الاقوامی مرکز کے لئے کوئی ایسی سرزمین تجویز نہیں کر سکتے جو کسی خاص قوم کے تمدن سے رنگین ہو اگر یہ بین الاقوامی مرکز کسی خاص متمدن قوم کے ہاتھوں میں آجائے گا تو وہ اپنے قومی پروگرام ہی کو بین الاقوامی درجہ دینے کے لئے اسے بری طرح استعمال کرے گی۔ اس لئے ہم حجاز کی سرزمین کو جو وادی غیر ذی زرع ہے اور جس کا بیت العلم اقوام میں حرم کا درجہ پیدا کر چکا ہے۔ بین الاقوامی مشاورت کے لئے بطور مرکز تجویز کرتے ہیں اور اس کی مرکزیت کو تمام دیگر مراکز پر راجح مانتے ہیں بشرطیکہ اس پر کسی خاص متمدن قوم کا تغلب پیدا نہ ہو جائے اور حجاز اپنی فطری آزادی پر قائم رہے۔

سورۂ صف کے آخری حصے کے مطابق حضرت مسیحؑ کا جو طریق عمل بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمی مشن قائم کیا اس کی مثال سورۃ الجمعہ میں آتی ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۝

کیا خدا محتاج ہے؟

اہل علم کو اشاعت معارف کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں اللہ ان کا محتاج نہیں ہے زمین اور آسمان کا نظام اس پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام اپنی حکمت کے مطابق چلاتا ہے۔ وہ اس میں کسی کا محتاج نہیں ہے تو جو نظام وہ انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بھی وہ انسانوں کا محتاج نہیں ہو سکتا پھر وہ انسانوں سے کیوں کہتا ہے کہ وہ یہ کام کریں اور خدا کے لئے کریں؟ یہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ترقی کا موقعہ دیا جائے۔

زمین و آسمان اللہ کی پاکیزگی کی شہادت دیتے ہیں اور ان کی ساخت ثابت کرتی ہے کہ اللہ ان صفات کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ

(1) الملک (2) القدوس (3) العزیز (4) الحکیم۔

اس کائنات میں خدا تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ کا کامل ظہور ہو رہا ہے چنانچہ خدا کے سوا

کوئی شخص اپنے آپ کو حقیقی اور مطلق معنوں میں الملک (بادشاہ) نہیں کہہ سکتا۔ ساری کائنات میں حکومت اور بادشاہی دراصل اللہ ہی کی ہے اسی طرح کوئی اپنے آپ کو عیوب ظاہری و باطنی سے قدوس (پاک) نہیں کہہ سکتا۔ کائنات صرف خدا ہی کو کامل اور اکمل طور پر عیوب سے پاک ثابت کرتی ہے ایسے ہی حقیقی عزت اور اس کے ذریعہ سے غلبہ صرف خدا کو حاصل ہے اور سب کی عزتیں اور غلبے اس کے غلبے اور عزت کے دھندلے نقوش ہیں۔ حکیم بھی حقیقت میں اللہ ہی ہے جو اس کائنات کا خالق باری اور مصور ہے وہی اس کائنات کے تمام اجزا اور ان کے باہمی ربط اور ان کی اندرونی روح سے واقف ہے پس حکمت کا مالک اصل میں اللہ ہی ہے۔

ان صفات کے بیان کی غرض

اللہ تعالیٰ جو الملک القدوس العزیز اور الحکیم ہے ان صفات کے تقاضوں پر انسان کو ترقی دینا چاہتا ہے۔

① الملک

اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی بادشاہی میں نیابت اور خلافت دینی چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جیسے اس کا حکم ملائک (فرشتوں) کے ذریعے سے آسمانوں میں پورا ہوتا ہے اسی طرح نوع انسان میں بھی اس کا حکم پاکباز فرشتہ خصلت انسانوں کے ذریعے سے پورا ہو۔

② القدوس

خدا تعالیٰ قدوس ہے وہ تمام عیوب سے پاک ہے اس کے نام کی جو حکومت قائم ہو اور اس کے نام سے جو تعلیم دی جائے اس میں بھی انسانی عیوب پیدا نہیں بلکہ وہ جماعت جو اللہ کے نام کی حکومت پیدا کرے انسانی کمالات کا بہترین مظاہرہ کرے اور اس میں خدا کی قدوسیت کا رنگ (صبغۃ اللہ) غالب ہو۔ دنیا کی حکمران جماعتوں میں جتنے عیوب پائے جاتے ہیں یہ جماعت نسبتاً پاک ہو دنیا کی معلم جماعتوں میں جس قدر غلطیاں راسخ ہو چکی ہیں۔ قدوسیوں کی یہ جماعت ان سے بھی پاک ہو یہ اللہ کا منشا ہے اور قدوسیت الٰہی کی مناسب ہے۔

③ العزیز

اللہ تعالیٰ ان قوموں کو جو قرآن حکیم کی تعلیم بلند کریں عزت دینی چاہتا ہے وہ اس تعلیم کے ذریعے سے دنیا میں غلبہ حاصل کریں گے اور آخرت میں مراتب رفیعہ پر فائز ہوں گے۔

④ الحکیم

عزت ایک دفعہ سیاسی یا فوجی غلبے سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن اسے صدیوں تک سنبھالنے کے لئے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے خدا اس جماعت کو حکمت بھی عطا کرنا چاہتا ہے تاکہ حکومت اور حکمت ان میں جمع ہو جائیں کسی قوم میں حکومت سنبھالنے کی طاقت اتنی ہی ہوگی جتنی اس میں حکمت ہوگی۔

حکمت کیا ہے

فطرت انسانی کے جو طبعی تقاضے ہیں ان کی پوری سمجھ پیدا کرنا الحکمت ہے یعنی افراد انسانی، اقوام اور اصناف کے تقاضوں کو سمجھنا اور ان کے نوعی تقاضوں کے ماتحت لانا حکمت ہے افراد، اشخاص، اقوام اور اصناف کے تقاضے غیر متبدل نہیں ہیں مگر انسانیت کے تقاضے مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰه ان تقاضوں کو سمجھنا ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَه ان تقاضوں کے مطابق قرآن کے احکام نافذ کرنا حکمت عملی ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ قرآن حکیم (یٰسین والقرآن الحکیم) کے ذریعے سے انسانوں کو حکمت سکھائے پس خدا کی حکومیت، قدوسیت، عزیزیت اور حکیمیت کا تقاضا ہے کہ ایک نبی ایسا پیدا ہو جو ساری نوع انسانی کو نوعی تقاضوں کا صحیح علم دے اور یہ علم منظم طور پر اہل دنیا کو سمجھا دے۔

اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ' الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

۔ قرآن حکیم نے اپنی آمد کا منشا ان الفاظ میں بتایا ہے۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (الصف آیت 9' الفتح آیت 28)

اس کے لئے حزب اللہ کا قیام ضروری ہے جو قرآن حکیم کو اپنا پروگرام بنا کر آگے بڑھائے اور غالب کرے۔ حزب اللہ کے لئے سیاسی غلبہ لازم ہے ورنہ اس کا پروگرام دنیا میں چل نہیں سکتا۔ حزب اللہ کی تشکیل کا پروگرام سورۃ مجادلہ سے شروع ہوتا ہے اور اسی سورت سے حزب اللہ کے غلبہ کی پیشگوئی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ سورۃ مجادلہ کے آخری حصے میں آیا ہے کہ

کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ

یعنی خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کا دنیا میں غالب آنا حتمی اور یقینی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ اس لئے وہ اپنے رسولوں کی جماعتوں کو عزت دیا کرتا ہے۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (سورہ المنافقون آیت 8)

اس کے بعد سورۃ حشر میں آتا ہے:۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝
(1:59)

یہ سورت بھی حزب اللہ کے سیاسی غلبے کی پیشگوئی کرتی ہے جس کے لئے اس سورت (الحشر) میں حزب اللہ کے حربی پہلو کی تکمیل پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیت میں خدا تعالیٰ کی دو صفات العزیز اور الحکیم کا ذکر نہایت معنی خیز ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ غلبہ حاصل کرے گا اور اس کے پروگرام کو زیادہ مستحکم اور پائیدار بنانے کے لئے اسے حکمت کی تعلیم دی جائے گی جس کے بغیر کوئی غلبہ مستقل نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد الممتحنہ میں حزب کے نظام کو اندرونی طور پر مضبوط بنانے اور تعلقات خارجہ کو استوار کرنے کے لئے ہدایت دی گئی ہیں۔ اس لئے اس سورت میں "العزیز" اور "الحکیم" کے اسمائے حسنٰی کے اعلاوہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے بعد سورہ صف میں حشر کے مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے (یعنی حشر) میں حزب اللہ کے حربی اصولوں کی تشکیل پر زور دیا گیا ہے۔ تو صف میں تیاری کے احکام دیئے گئے ہیں اور بنی اسرائیل کے قومی انقلاب کی مثال پیش کی گئی ہے اس لئے یہاں پھر ان اسمائے حسنٰی کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں غلبہ کا پہلو ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝

سورۃ جمعہ میں غلبے کے اس پروگرام کو اور واضح کیا گیا ہے اور بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کی طرز پر نہ صرف قومی انقلاب کی دعوت دی گئی ہے بلکہ دوسری قوموں میں قومی انقلابات لانے کی دعوت دی گئی ہے اور بنی اسرائیل میں جن باتوں نے انقلاب کی روح کچلی تو ان کی توضیح بھی کر دی گئی اس لئے الحشر اور الصف میں خدا تعالٰی کے جو اسماء حسنٰی آ چکے ہیں۔ یعنی العزیز' اَلْحَكِيْمُ عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ' اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ' اَلْمَلِكُ' اَلْقُدُّوْسُ' اَلسَّلَامُ اَلْمُؤْمِنُ' اَلْمُهَيْمِنُ' اَلْجَبَّارُ' اَلْمُتَكَبِّرُ' اَلْخَالِقُ' اَلْبَارِئُ' اَلْمُصَوِّرُ) ان میں سے غلبہ ظاہر کرنے والے جامع اسماء حسنٰی یعنی اَلْمَلِكُ' اَلْقُدُّوْسُ' اَلْعَزِيْزُ اور اَلْحَكِيْمُ کو سورۃ جمعہ کا عنوان بنایا گیا ہے۔

(2) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝

چنانچہ خدا نے اُمیوں میں سے ایک انسان چن لیا اس کے اندر ایسی ہمت اور عالی دماغی پیدا کی کہ وہ اس نیابت الٰہی کے پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

نبی اُمیّوں میں سے کیوں لیا گیا؟

وہ ان پڑھ لوگوں میں سے لئے گئے۔

کیونکہ پڑھے لکھے لوگ اہل کتاب۔ اپنی فطرت خراب کر چکے ہیں۔ ان کے قلوب شکوک و اوہام کے گہوارے بنے ہوئے ہیں وہ حقیقت شناسی سے بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کو کوئی بات سمجھانا آسان نہیں ہے۔ مکہ معظمہ ایک غیر متمدن مرکز ہے اور کسی خاص قوم کے تمدن کے زیر اثر نہیں ہے۔ اس لئے بھی یہ مرکز اس قابل ہے کہ صحیح اور صالح

تعلیم جو انسانیت کی اساس پر قائم ہو اس قوم میں پھیل سکے۔ اہل قریش اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں وہ قدیم روایات عالیہ کے حامل ہیں۔ اگرچہ اس وقت جہالت کے باعث ان کی حالت اچھی نہیں ہے لیکن اوپر کے پردے کے نیچے صالح اور کارکن طاقت موجود ہے۔ وہ بین الاقوامی پروگرام اخذ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں پھر ان پر کوئی حکومت بھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے ان پر پابندیاں عائد ہو چکی ہوں ہر ایک خاندان اور ہر گھرانہ اپنی فطری آزادی پر قائم ہے۔ اگر ان لوگوں کو بین الاقوامی پروگرام کے اصول صحیح طور پر سمجھا دیئے جائیں تو ان کے تمام خاندان اس میں رنگین ہو جائیں گے اور اس طرح بین الاقوامی کام کے لئے پنیری تیار ہو جائے گی۔

عام اہل یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب اور اہل عرب کو اُمّی، ہمارے نزدیک مجوس، ہنود اور بدھسٹ بھی اُمّی اقوام میں داخل ہیں۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے جس کے احکام کو یہ ناقابل تبدیل قانون مانتے ہوں۔ اگر کوئی تھی بھی تو مرور زمانہ سے وہ عوام میں سے بالکل نکل چکی ہے اور عوام اتنے جاہل رہ گئے ہیں کہ انھیں کسی کا علم بھی نہیں ہے اور یہ صرف اپنے علماء کی زبانی تعلیم ہی کو خدائی تعلیم مانتے ہیں صرف نصاریٰ اور یہود ساری انسانیت کو جامع نہیں ہیں۔ انسانیت کو جمع کرنے کے لئے ہنود، مجوس اور بُدھوں کو بھی ذہن میں لانا پڑتا ہے۔

"الملک" کا اثر حیات انسانی پر

چھوٹے چھوٹے فقرے ہوں جن میں حکمت کے گر مستور ہوں، الفاظ فصیح ہوں جملے کی ترکیب دلکش ہو ایسے جملوں کو آیات کہا جاتا ہے۔

رسول ان کو اس قسم کی آیات سکھاتا ہے، جن میں فطرت انسانی کے مطابق احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام انسانیت عامہ کے تقاضے پورے کرتے ہیں رسول ان کو یہ باتیں اپنی قوم کی مادری زبان میں جو فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور یاد کرواتا ہے کیونکہ یہ لوگ ان پڑھ ہیں اس قسم کے جملے ان کو روز مرہ کام آنے والے ہیں۔ یہ استدلال کی الجھنوں سے پاک ہیں۔ اس قسم کے مختصر جملوں پر حکمت کی بڑی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے حکمت کے چار اصول قرار دیئے ہیں۔

(1) طہارت (2) سماحت (3) خضوع (4) عدالت

انہوں نے حکمت منزلی، حکمت بلدی، حکمت ملی اور بین الاقوامی حکمت انہی اصول اربعہ پر راجع کر دکھائی ہے۔ اگر ان اساسات کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں بغیر کسی خاص ترتیب کے عام لوگوں کے پیش کر دیئے جائیں اور ان میں سے ہر شخص ایک جملہ چن کر اسے اپنا مقصد زندگی بنا لے تو یہ اس قوم کی حکیمانہ ترقی کے لئے بنیاد ثابت ہوں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں حکمت کے ان جملوں کی اہمیت کو نظرانداز کر دیا گیا ہے اور فقط توحید کے لفظ کو سامنے رکھ کر تمام شرائع کو اس طرف راجع کر دکھائے ہیں اور عدالت کو بالکل بھول گئے ہیں۔

توحید اور عدل

ہماری تحقیق یہ ہے کہ اسلام نے توحید پر جو زور دیا ہے اور شرک کے رد کی جو اہمیت جتائی ہے تو اس کی روح یہ ہے کہ مشرک سب سے بڑا ظالم ہے۔ دوسرے لفظوں میں توحید انسانیت کی سب سے محکم اساس ہے۔ اگر ہمارے بچوں اور ان پڑھ لوگوں کو اخلاق کے اساسی جملے یاد کرا دیئے جائیں جو ان کے روز مرہ میں استعمال ہو سکتے ہیں تو ہماری ذہنیتیں قرآن حکیم کے سمجھنے کے لئے بہت جلد تبدیل ہو سکتی ہیں مگر اس کوتاہی نے باوجود بہت محنت کرنے کے ہمیں نتائج سے محروم کر رکھا ہے۔

اگر تقویٰ کے لفظ میں عدالت شامل ہے جیسے اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی سے سمجھ میں آتا ہے یا جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ کی آیت میں اشارہ ہے اور ہم ان اشاروں کو صحیح طور پر سمجھ لیتے تو ہماری سوسائٹی اتنی نہ گرتی۔ لا الٰہ الا اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاف قائم کیا جائے۔ یہ "قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ" کا ترجمہ ہے۔ اگر کوئی جماعت اللہ کے سوا تمام معبودوں کا انکار کردے اور جس سوسائٹی میں رہے وہاں انصاف قائم کرے اور وہ انصاف کو اپنے ایمان کے مرکزی نقطے تک پہنچا دے یعنی اسے جتنا اللہ پر یقین ہے اسی قدر انصاف کرنا اپنا فرض بنا لے تو اس سے بڑھ کر نہ انقلابی جماعت ہو سکتی ہے نہ اصلاح کرنے والی۔

خدا کی قدوسیت کا اثر

(2) وَیُزَکِّیۡہِمۡ جو بات کہی جائے سوچ سمجھ کر کہی جائے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جائے۔

تزکیہ کیا ہے؟

ایسی بات دنیا میں اثر پیدا کرتی ہے اس سے انقلاب نمایاں ہوتا ہے اور اس سے اصلاح ہو سکتی ہے پس سوچ سمجھ کر ذمہ داری سے بات کہنا تزکیہ ہے۔

لوگوں کو اصول بتا دیئے گئے ہیں اب ان سے جو کچھ کہا جائے وہ ان اصولوں کی طرف راجع ہونا چاہئے۔ وہ اپنے معاملے کو گھر میں جاری کریں یا شہر میں۔ ان کا تعلق ان کی ذات کے ساتھ ہو یا حکومت کے ساتھ۔ ان اصولوں سے جو انہوں نے ابتدا میں اپنا لئے ہیں۔ باہر نہیں جائیں گے۔ ہر معاملے کی تہہ میں وہ انہی اصولوں کو ملحوظ رکھیں گے۔

ذمہ داری کا مطلب

سوچ سمجھ کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک بات کہتے ہیں تو وہ خود بھی اس کے پورے پورے پابند ہوتے ہیں۔ یہ ان کی ذمہ دارانہ حیثیت ہے۔ اس کے لئے انسان تزکئے کے بعد ہی تیار ہوتا ہے۔ ان دونوں خوبیوں کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ گندی ہے جس میں اس قسم کی کوئی گندی عادت ہو اس کی نسبت کہا جائے گا وہ نادان یا جاہل ہے۔ ایک شخص کو کہا جائے کہ وہ بدمعاش ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ اس قسم کی گندگیوں سے پاک انسان مزکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں انسان کو پاک کرنے کی طاقت ہے۔ ہر فرد کے دل میں پاکیزگی کا خیال مستقل طور پر قائم کر دیتے ہیں۔ یہ ہے یُزَکِّیۡہِمۡ کا ترجمہ۔

العزیز کا اثر

وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ

اَلۡکِتَاب : جماعتی قانون، اسے افراد کی حالت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اگر جماعت مجموعی طور پر اس کی پابندی نہ کرے تو برباد ہو جائے گی افراد میں صلاحیت باقی

رہے تو ممکن ہے مگر افراد میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی اس قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی وہ اس جماعت کا مستقل عنوان ہوتا ہے۔

ناقابل تبدیل قانون کو عربی میں لکھا ہوا قانون کہا جاتا ہے۔ حاکم جب ایک قانون کو لکھ دیتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لئے توریت کے غیر متبدل احکام عشرہ کو الکتاب کہا گیا ہے اسی طرح قرآن حکیم کو بھی جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں غیر متبدل ہے اور جو حقیقت میں توریت ہی کا دوسرا ایڈیشن ہے الکتاب کہا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی ایک ایک سورت بھی الکتاب ہے۔ اس میں مفرد جملوں کے تعلیمی درجے ہیں۔ بعض میں اونچی تعلیم ملحوظ رکھی گئی ہے کتاب سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک سورت کے ان مفرد جملوں یا آیتوں کے نظام کو سمجھا جائے۔

يُعَلِّمُهُمْ : رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے ہیں یعنی ان میں یہ سمجھ پیدا کر دیتے ہیں۔ اب ایک سورت پڑھنے والا اس کا مطلب نکال لے گا اس میں کوئی تمہید ہو گی کوئی دلیل ہو گی اور کوئی نتیجہ ہو گا۔ سب میں ایک نظام اور ربط پایا جائے گا اس کے بغیر کوئی مجموعہ کتاب کہلا ہی نہیں سکتا۔

تناسق سُور اور ربط آیات کی ضرورت

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں سورتوں کے تناسق کا علم بہت تھوڑا رہ گیا ہے گو آیات کے تناسق کا علم کافی حد تک محفوظ ہے۔ ایک ہی قسم کی آیتیں مختلف سورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ لوگوں نے ان کے خصائص پر بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ علم باقی رہتا تو وہ مختلف خیال اپنے فکر کے لئے قرآن سے استدلال نہ کر سکتے۔ چونکہ سورتوں کے تناسق اور ایک ہی مضمون کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ربط کا علم نظر سے گم ہو چکا ہے۔ اس لئے عالم ایک سورت کی ایک آیت سے ایک نتیجہ نکال لیتا ہے اور دوسرا عالم کسی دوسری سورت کی آیت سے ایک اور مطلب نکال لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم سے دو مختلف چیزوں کے لئے سند مل سکتی ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کا فکر پیدا کر دینا عقلمندوں کے نزدیک نہایت نازیبا ہے۔

قانون کی پابندی سے جماعت کی جو شیرازہ بندی ہوتی ہے وہ اس جماعت کو عزت مند بناتی ہے تو خدائے عزیز اس کتاب (قانون) کے ذریعے سے مومنوں کو عزت دینی چاہتا

ہے

اَلْحَکِیْم کا اثر
یُعَلِّمُھُمُ الْحِکْمَةَ

الحکمہ قانون کی روح کا نام ہے

قرآن حکیم انسانیت میں جو تہذیب پیدا کرنی چاہتا ہے اس کی بنیاد انسانیت کے عام اصولوں پر ہوگی۔ ان احکام سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ انسانیت مکمل ہوتی جائے گی احکام کی یہ روح معین کر دینا تاکہ ان احکام سے انسانیت کو اس طرح ترقی دینے کے سوا دوسرے مطلب کے لئے کس طرح پڑھنی چاہئے یہ الکتاب (The Law Letter of) ہے اس کی تشریح و توضیح فقہا (Gurists) کا کام ہے قرآن حکیم نے نماز کے متعلق یہ بھی فرمادیا ہے۔ کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طہٰ آیت نمبر14) یعنی نماز ادا کرنا اس مطلب کے لئے ہے کہ انسان کو اس کا رب یاد آتا رہے۔ یہ صلوٰۃ کی حکمت کہلائے گی۔اب اگر ہم صورۃ" جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کے تمام قوانین کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر اللہ کا ذکر ہماری طبیعتوں میں راسخ نہیں ہوتا تو سمجھا جائے کہ ہماری نماز منافقانہ ہے۔ اور نماز پڑھنے سے کوئی دنیاوی فائدہ مقصود ہے۔ اس ایک جملے نے نماز کو غلط طریقے پر استعمال کئے جانے سے روک دیا۔

اسی طرح قرآن حکیم کی نسبت کہا گیا کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی یہ انصاف قائم کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اس ایک جملے میں قرآن حکیم کی ساری حکمت ضبط کر دی گئی ہے۔ اب اگر قرآن پڑھنے والوں کا مقصد انصاف قائم کرنا نہیں ہے تو وہ حقیقت میں قرآن نہیں پڑھ رہے۔ وہ منافقانہ نماز کی طرح کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے صورۃ" قرآن کو ڈھال بناتے ہیں۔

(2) وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

یہ لوگ اس سے پہلے ان قوانین اور ان کی روح سے قطعاً" نا آشنا تھے۔ گو ان میں صلاحیت موجود تھی۔ مگر معلمین سے بعد ہو جانے کی وجہ سے ان کی سوسائٹی کا نظام اس

موضوع سے بہت دور آگے بڑھ کر اس جماعت نے قیصر و کسریٰ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ بین الاقوامی پروگرام سے نا آشنا تھے۔ لیکن جب وہ پروگرام ان کو دیا گیا تو انہوں نے اسے آگے بڑھانے کی تمام شرطیں پوری کیں اور دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیتوں کو چیلنج دے دیا یہ نتیجہ تھا اس تربیت کا جو قرآن نے انہیں دی۔

(3) وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اُمّیوں کا دوسرا طبقہ

اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ سے مراد ایرانی ہیں۔ یہ امیوں کا دوسرا طبقہ ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دوسری قوم جو ابھی تک عرب سے نہیں ملی وہ ان کی قوم ہے۔ مِنْهُمْ کی ضمیر هُمْ کا مرجع اُمّیین ہی ہے۔

اہل فارس ابتداء میں ایک کتاب کے مالک ہوں گے۔ لیکن اب وہ کتاب ایسے چھوٹے سے طبقے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی جس نے اس کے علم پر قبضہ کر رکھا تھا اور یہ علماء ہی اس علم کے خزینہ دار رہ گئے تھے۔ عوام بالکل امی تھے اب یہ لوگ عربوں سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گئے آگے یہ چل کر ایرانی ہی ہندوؤں اور بدھوں کے استاد بنیں گے۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلام ایرانی علماء کی کوششوں سے پھیلا اسی طرح ترکوں کو بھی ایرانیوں ہی نے اسلام سے متعارف کرایا اس طرح اسلام کی بین الاقوامیت متحقق ہو گئی۔

مکہ میں بین الاقوامیت اور اس کی ترقی دراصل اس قسم کی بین الاقوامیت کا بیج مکی زندگی میں ہی بویا گیا تھا کیونکہ بلال حبشی' صہیب رومی اور سلمان فارسی کو اس زمانے میں قریش کا ہم پلہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ حالانکہ یہود نے تورات کو ماننے والی غیر یہودی اقوام کو اپنے برابر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابتدائی مکی زندگی میں جس بین الاقوامیت کی بنیاد اشخاص کی شمولیت سے رکھی گئی تھی اس نے آگے چل کر اقوام کی بین الاقوامیت کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ جہاد میں ایران فتح کرنے کے لئے عرب کے ساتھ عراقی نو مسلم بھی شامل ہوئے۔ ایسے ہی رومی فتوحات میں شام کے نو مسلم عربوں کے شریک رہے یہ وہ

صورت ہے جس کی طرف سورہ صف کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ۝

یعنی ہر قوم کو دعوت قرآن دی گئی اس میں سے جو حصہ اس تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس نے اپنی قوم کو ان لوگوں سے جنگ کی جو اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور خدا کی مدد سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آ گئی۔ اس کام میں عربوں نے ان کی رہنمائی کی۔

غیر ممالک میں مراکز

یہاں ایک مخفی دستور حقیقت کی طرف تنبیہہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہو گئے ہماری سمجھ میں مکہ معظمہ میں انہی قوموں کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح عراق اور شام کی حدود کے اندر آنے والے انقلاب کے مراکز پیدا ہو چکے تھے اسلامی فتوحات کی سرعت کا یہ راز ہے جس کی طرف تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سورہ صف ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عراق اور شام کے اندر قرآن کی تعلیم پھیلائی گئی۔ جس سے خود ان قوموں کا ایک طائفہ اس پروگرام کو ماننے والا پیدا ہو گیا اور بعد میں اپنے دشمنوں سے مڑ گیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے تمام عملیات میں یہ حکمت ملحوظ نظر آتی ہے۔

(4) ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۝

بین الاقوامی مرکزیت

یہ خصوصیت' جو اس بین الاقوامی مرکز قائم کرنے والی جماعت کو نصیب ہوئی کہ ان

کے پروگرام پر دوسری قوموں کے جسے ٹھیک ہوتے جاتے ہیں۔ اور اپنی قوموں سے لڑنے میں زیادہ ہمت دکھاتے ہیں اللہ کا خاص فضل ہے۔ (آیت نمبر5 تا 8)

یہود کی گرلوٹ

حضرت مسیحؑ نے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ تعلیمی کام شروع کیا ان کے حواریوں کی زندگی میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ وہ تعلیم دیتے ہوئے شہید ہوئے مگر تعلیم کو ترک نہ کیا۔

حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے کام کے نمونے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی کام کیا یہ انصار اور مہاجرین ہیں جب کام بڑھا تو فرائض تقسیم ہو جائیں گے لیکن جو چیز سب میں مشترک رہے گی وہ یہ ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبرائیں گے۔ عدم تشدد کی پابندی کریں گے تعلیم دیں گے۔ اور جب تک انہیں خاص تیاری کے بعد حکم نہ دیا جائے۔ وہ لڑیں گے نہیں اس کے باوجود وہ موت سے نہیں بھاگیں گے۔ ظاہر ہے کہ مخالف قوتیں کب یہ برداشت کر سکتی ہیں کہ ان کے نظام کو توڑنے والی تعلیم ان کے گھروں میں پھیلے؟ وہ ضرور رکاوٹیں ڈالیں گے وہ ان لوگوں کو تکلیفیں پہنچائیں گے حتی کہ قتل بھی کریں گے۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ اب اگر ان میں یہ جذبہ کمزور ہو گیا ہے اور وہ موت سے گھبراتے نہیں تو وہ کار آمد ثابت نہیں ہوں گے۔ اگلی آیتوں میں یہی مضمون آتا ہے۔

(5) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

انقلاب کے لئے موت سے بے خوفی کی ضرورت

یہود اس بزدلی اور منافقت کا مجسمہ ہیں ان کا اس بات کو نہ سمجھنا کہ تعلیم موت سے نڈر ہوئے بغیر جاری نہیں رہ سکتی ان کو انسانیت سے گرا دیتا ہے وہ جس تحریک کے حامل ہیں وہ اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تحریک ہے جس تحریک میں اتنی نہیں کس درجے کی بھی انسانی عزت و شرف کا شائبہ ہو گو وہ اتنی جامعیت نہ رکھتی ہو کہ اس میں اخلاق فاضلہ اور

اعمال صالحہ ہوں بلکہ صرف ایک آدھ میں انسانیت کی شان بلند کرنے والی ہو وہ بھی دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی تعلیم جاری رہ سکتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں پارٹی پیدا ہو گی جب تک اس کے معلم اور مبلغ موت سے نڈر ہو کر آگے نہ بڑھیں یورپ کی انقلابی سوسائٹیوں کو دیکھ کر یہ فکر بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ انسانیت کی بہت تھوڑی جزوی خدمت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بھی ان کو موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے باوجود وہ بے خوف ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء کی ایک جماعت ہے جو حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کی حامل ہے۔ وہ یہ ضرورت محسوس نہیں کرتی کہ (لَمْ يَحْمِلُوْهَا) وہ اس ڈیوٹی کے لوازم محسوس نہیں کرتے۔ نام تو ہے وہ تورات سکھانے والے حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ مگر سکھانے کی جو شرطیں ہیں وہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے۔ اس صورت میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسانیت سے گر گئے ہیں کیونکہ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس تعلیم کو قبول کیا ہے اسے آگے بڑھانے کے لئے موت تک قبول کی جائے پس وہ نرے گدھے ہیں اور کتابیں لادے پھرتے ہیں۔ مگر ان کا مطلب نہیں سمجھتے جس سے ان کے دلوں میں کام کا ارادہ پیدا ہو گدھے پر کتابیں لادو اسے کچھ خبر نہیں ہو گی کہ کتابیں ہیں یا اینٹیں۔

بِئْسَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ظلم اور تکذیب ایات اللہ

قرآن حکیم جیسی تعلیم کا ان کو گدھا کہنا معمولی بات نہیں ہے انہوں نے ظلم کی بنیاد ڈال دی ہے انصاف کا ایک قانون قوم مانتی ہے تو وہ دنیا میں بہترین نمونہ پیش کر سکتی ہے۔ اب انصاف کے اتنے بڑے قانون کو جو حضرت موسیٰؑ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلا اور بیکار اور بے ثمر بنا دینا اور اس کی تعلیم برائے نام جاری رکھنا اور ایسے نمونے تیار کرنا جن سے کوئی شخص تربیت نہ پا سکے بہت بڑے ظلم کی بنیاد ڈالنا ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو

مجرم تک نہیں مانتے تو گویا موسیٰؑ کی تعلیم ان کے نزدیک صحیح نہیں تھی اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر یہ لوگ چل رہے ہیں یہ آیات اللہ کی صریحی تکذیب ہے سیاسی کاموں میں اس طرح نہیں ہو سکتا کہ ایک تحریک کی تائید کرنے والا ہے دونوں اس کے موید مان لئے جائیں تو یہ حقیقت میں اس تحریک کی تکذیب ہے کام سے انکار کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دینی کام میں سر جاتا نظر آتا ہے اس سے انکار کر دینا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

ان لوگوں کو ایک دفعہ صحیح بات بتا دی گئی ہے مگر اب وہ اس پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اس لئے اب ان کو نیا نبی دینا ضروری نہیں۔ نبی ایسی مردہ جماعت کے سامنے آکر کیا کرے گا؟

سورۃ اعراف رکوع نمبر22 میں ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝ یعنی جو لوگ کتاب الٰہی کے حامل ہوتے ہوئے اور کائنات میں ہدایت کا سامان ہوتے ہوئے اور اس امر کے باوجود ان قلب، بصر اور سمع جیسے ذرائع حصول علم دیئے گئے ہیں سوچتے ہیں اور سوچ کر کام کا ارادہ نہیں کرتے وہ حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ حیوانات علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے محروم ہیں وہ اگر سوچ سمجھ کر اپنی راہ عمل تعین نہ کریں تو یہ ان کی فطرت ہے مگر انسان جب اس قسم کی روش اختیار کرے تو وہ اپنی انسانیت سے گر جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہ وہ مطلق حیوانیت کے مقام پر ٹھہر جائے بلکہ وہ اپنے قویٰ کو غلط طریق پر استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح حیوانیت مطلقہ سے بھی گر جاتا ہے اس لئے اس آیت میں کہا گیا کہ ان کی مثال بہت بری ہے۔ بئس مثل۔ واللہ اعلم

اب یہود کو ان کی غلطی پر صاف الفاظ میں متنبہ کیا جاتا ہے۔

(6) قُلْ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۝

یہود کو چیلنج

یعنی اگر یہود کا یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح موسیٰؑ کو ساری دنیا سے چن لیا ایسے ہی موسیٰؑ کے متبع ہونے کی وجہ سے یہود دنیا کی ممتاز ترین قوم ہے اور کوئی قوم اس مقام پر نہیں پہنچی تو ان کا زعم صرف اسی صورت میں صحیح مانا جا سکتا ہے کہ موسیٰؑ کی تعلیم کے پورے پورے پابند ہوں اور خدا سے موت مانگیں یعنی جس میدان میں موت کا اندیشہ ہو وہاں آگے بڑھ کر اپنی تعلیمات کو پھیلائیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت مسیحؑ کے حواریوں سے بہتر مانتے ہیں مگر وہ لوگ تو مسیح کی تعلیم اور تورات موت کے منہ میں جا کر پہنچا آتے ہیں اگر یہود سچے ہیں تو انہیں بھی اس طرح آگے بڑھ کر میدان میں جانا چاہئے۔

تمنائے موت کی تفسیر قرآن سے

تمنائے موت کی تفسیر قرآن نے کر دی ہے ایک صحابی بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے وہ کہنے لگے کہ کاش ہمیں بھی کفار سے لڑنے کا موقع ملتا پھر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ دیکھا کہ ہم کیا کرتے۔ اس کے بعد احد کی جنگ ہوئی وہ اصحابی اس جنگ میں شامل تھے۔ مگر احد میں شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۝ (آل عمران آیت نمبر 142 رکوع نمبر 14)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں تمنائے موت کے معنی ہیں۔ میدان جنگ میں جانے کے لئے آمادہ ہونا دوسرے لفظوں میں قتل ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا۔ قرآن کا پروگرام ہو یا تورات وہ ایک ہی چیز ہے۔ یورپ کی انقلابی جماعتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس میں موت سے نڈر ہونے کا مادہ نہ ہو وہ کسی معمولی انقلابی تحریک کو کامیابی سے نہیں چلا سکتا۔ قرآن حکیم یا تورات کے انقلاب کو

کامیاب بنانا تو بہت بڑی چیز ہے۔

(7) وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۝

موت سے بھاگنے کا سبب

چونکہ یہ لوگ انسانیت کے درجہ سے گر چکے ہیں اس لئے یہ کبھی ایسے میدان میں نہیں اتریں گے جہاں انہیں موت کا خوف ہوگا۔ غلط طریقے پر زندگی تعمیر کرنا اپنے شرعی پروگرام کی مخالفت کرتے ہوئے سامان زندگی جمع کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جس کی ایک علمی جماعت مرتکب ہو سکتی ہے اگر وہ ایسے موقعوں پر جانے لگیں تو جو سامان انہوں نے اکٹھا کر رکھا ہے اور جس کے بڑھانے میں وہ دن رات مگن ہیں وہ برباد ہو جائے گا مگر انہیں سامان دنیا کی فراغت نصیب نہ ہوگی جب تک وہ اپنے قانون کی حکومت نہ کر لیں گے۔ لیکن وہ اس قانون کی حکومت قائم کرنے کے لئے قربانی دینے کو تیار نہیں اس لئے ان کا اس پروگرام پر قبضہ جما کر بیٹھنا ظلم عظیم ہے۔

جملہ معترضہ : ہم نے اپنی بیرونی زندگی میں اپنے ہندوستانی نوجوانوں کو جو کالجوں میں تعلیم پا چکے تھے یا ہماری اپنی درسگاہوں میں پڑھ چکے تھے کافی تجربہ کیا ہے۔ ان میں موت کے منہ میں جانے کی ہمت کسی دوسری قوم کے نوجوانوں سے کم نہیں پائی گئی۔ ایک ایک آدمی کو تین تین دفعہ موت کے منہ میں بھیجا گیا۔ وہ خوشی خوشی گیا اور کامیاب واپس آیا۔ اگر ہم یہ چیزیں نہ دیکھ لیتے تو ہمیں کبھی یہ ہمت نہ ہوتی کہ ہم شاہ ولی اللہؒ کے پروگرام یا شیخ الہندؒ کے پروگرام کو زندہ کرنے کا نام لیتے چونکہ ہمارے نوجوانوں میں یہ مرض سرایت نہیں کئے ہوئے اس لئے ہم خداوند تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں کہ اگر ہماری قوم میں دین کی پابندی کے ساتھ آج کے سائنٹفک انقلاب کا ڈھنگ پیدا ہو سکے تو ہم دنیا کی قوموں کی صف اول میں بیٹھ سکیں گے اسے چاہے مرض سمجھو یا خوبی ہماری قوم دین کے پروگرام کے سوا کسی اور پروگرام پر اٹھے گی نہیں یورپین ذہنیت کے لوگ اسے مرض ہی سے تعبیر کرتے ہیں مگر ہمارے پاس ایک دینی انقلابی پروگرام موجود ہے اور وہ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ پر ہے جس کی تربیت دادہ نوجوان موت سے نہیں گھبراتے اس لئے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہم کو اس پروگرام سے پوری طرح واقف کر دیا جائے تو وہ کسی

دوسری قوم سے ہرگز پیچھے نہ رہیں گے۔

جو موت سے گھبراتے ہیں وہ پیچھے ہٹ نہیں سکتے

یہاں ہم یہ بات نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی مرشد نما بزرگ علمی تفصان رکھنے والا استاذ موت کے منہ جانے کے لئے آمادہ نہیں ہے تو اسے جماعت کی سرداری سے مستعفی ہو جانا چاہئے ہمارے استاذ حضرت مولانا محمود حسنؒ ہمارے بزرگوں میں تیسرے طبقے کے آدمی ہیں پہلے طبقے کے لوگ وہ تھے جو حضرت مولانا کے ساتھی تھے دوسرے طبقے کے وہ لوگ تھے جو مولانا گنگوہیؒ کے طرز کے تھے) مولانا شیخ الہند دونوں جماعتوں سے پیچھے کی جماعت کے تھے ہم نے ان کو موت سے اتنا بے خوف دیکھا ہے کہ ہم دنیا کے کسی انقلابی کو ان کے برابر نہیں مان سکتے۔ اس لئے ہماری طبیعت میں فخر ہے کہ ہمارا استاذ دنیا کا سب سے زیادہ موت سے بے خوف بزرگ تھا۔ جس جماعت کا رہنما ایسا ہو اور جس کے نوجوان افراد ایسے ہوں جیسے ہم نے دیکھے وہ دنیا میں ناکام نہیں رہ سکتے مگر شرط یہ ہے کہ موت سے ڈرنے والے آدمیوں کو جماعت کی رکنیت سے قطعاً خارج کر دیا جائے۔

ہمارے استاذ جہاد کی تحریک کے رہنما ہماری اس جماعت کے سب آدمی اس چیز کو جانتے ہیں حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں سورۂ برات کی کسی آیت کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے فلاں سن میں علماء کو دعوت جہاد دینی شروع کی تو سوائے مولانا کے اس تحریک کا کہیں سے جواب نہ ملا۔ یہ اتنی صاف بات ہے کہ مولانا ابوالکلام بھی جو دوسری جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اسے جانتے ہیں اسی طرح علی گڑھ کی جماعت کے لوگ بھی اسے جانتے ہیں اب اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں۔ مولانا شیخ الہند کی جماعت میں ایک طبقہ ان کی تحریک کی عملاً مخالفت کرتا رہا کم سے کم ان کے عمل سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا شیخ الہند کے طریقے کی تغلیط ہو جاتی ہے مگر وہ مولانا کے خلاف زبان سے کچھ نہیں کہتے ہم نے ایک مرتبہ اپنی جماعت کے لوگوں کو ایک مثال دے کر یہ بات سمجھائی۔ کہ مولانا شیخ الہندؒ کو ماننے والی جماعت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

① ایک جماعت تو وہ ہے جو حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو صحیح مانتی ہے اور ان کے ساتھ شریک کار ہو گئی ہے۔

② دوسری جماعت وہ ہے کہ ان کے پروگرام کو صحیح تو مانتی ہے لیکن یہ لوگ کام نہ کر سکے اور اپنی کمزوری کا عذر پیش کرنے لگے اور اپنے آپ کو مجرم کے طور پر پیش کرنے لگے یہ دونوں لوگ ایسے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان والی جماعت تھی۔

③ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے قول و فعل سے حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ اور مدعی ہیں کہ ہم مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد ہیں۔ اور ان کے علوم کے حامل ہیں یہ جماعت ایسی ہے جیسی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منافقین کی جماعت تھی۔

اب ہم کہتے ہیں کہ یا تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ مولانا شیخ الہندؒ جاہل اور مفسد تھے انہوں نے مسلمانوں کو غلط راستے پر ڈال دیا اور ان کو بہت نقصان پہنچایا۔ اگر مولانا شیخ الہندؒ کو حق پر مان لیا جائے تو ان کے اتباع میں سے جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فکراً ان کے خلاف تلقین کرتے ہیں وہ ان کے مکذب ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ مولانا شیخ الہندؒ کا مسلک بھی ٹھیک ہو۔ اور ان کے خلاف دعوت دینے والی جماعت راستی پر ہو اس قسم کے لوگوں کو ضرور دیوبندی جماعت کی لیڈر شپ سے علیحدہ کر دیا جانا چاہئے جب تک یہ منافقین پیدا کرنے والے لوگ ذمہ داری کے مناصب پر قابض رہیں گے۔ مخلصین آگے بڑھ کر کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ آج ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم ان کو جماعت سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مگر جب ہمارا بس چلے گا ان کو ملک سے خارج کرنے' جیل میں قید کرنے یا موت کی سزا دینے سے کبھی گریز نہیں کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

(8) قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

موت سے مفر نہیں

موت سے ڈرنے والے لوگ موت سے بچ نہیں سکتے۔ وہ نہایت نامعقول فکر میں پھنس کر رہ گئے ہیں جس قسم کی توقعات انہوں نے باندھ رکھی ہیں وہ مرنے سے پہلے کبھی پوری نہ ہو سکیں گی بلکہ وہ حسرتیں لے کر مرجائیں گے اور پھر اتنے بڑے پروگرام کو برباد کرنے کی ذمہ داری کی جواب دہی کے لئے خدا کے سامنے حاضر ہوں گے وہ ان کے تمام

ظاہری کاموں اور ان کے دلوں کے خفیہ ارادوں کو بخوبی جانتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے درس عبرت

حاصل یہ ہے کہ قرآن عظیم نے اسی تعلیم کے لئے دو نمونے پیش کئے ایک قریش کا اور ایک آرین قوموں کا یہ دونوں قرآن حکیم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اور موت سے نہیں ڈریں گے یہ حضرت مسیحؑ کے حواریین کا نمونہ تھا۔ جو قرآن حکیم نے معین کیا ہے۔

اس کے بعد دوسری جماعت یہود کی پیش کر دی گئی ہے۔ جنہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کام کرنے والوں کو تنبیہہ کر دی گئی کہ ان کے نمونے کی پیروی نہ کریں اور ان سے کوئی مشابہت اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں جس طرح نصاریٰ نے باوجود یہود کے ہاتھوں تکالیف اٹھانے کے ان کی اس نالائق حرکت میں موافقت نہیں کی مسلمان بھی اس بری حرکت میں ان کی موافقت نہیں کریں گے قرآن حکیم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کا نمونہ زندہ کر دیا مگر وہ یہود کے طرز عمل سے بیزار ہے یہود پر ایک دفعہ تو حضرت مسیحؑ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے لعنت پڑی اور دوسری مرتبہ وہ قرآن حکیم کی مخالفت کی وجہ سے ملعون ہوئے ان کی کبھی موافقت نہ کی جائے گی انہوں نے طلب دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنا لیا ہے۔ چنانچہ آج سرمایہ داری کا مرکز یہ ہو رہی ہیں۔

ہنود اور یہود کی مماثلت

ہماری سمجھ میں ہندو برہمن یہودیوں کا پورا پورا نمونہ ہیں اگر یورپ میں سرمایہ داری کی مصیبت یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے تو ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان میں ہندو جو برہمنوں کے تابع ہیں (گاندھی جی ہوں یا مالوی جی) سرمایہ داری کی وہی مصیبتیں پیدا کریں گے جو یہود نے یورپ میں پیدا کیں ہم ان لوگوں کے ساتھ مل کر کسی شکل میں کام کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر یہ ملکی خدمت میں کوئی سچا کام کریں تو اس میں بھی ان کے ساتھ نہ شرکت کریں۔ یعنی ان سے قطعی طور پر مستغنی ہو جائیں ہم نے ابھی یہ درجہ اپنے لئے پیدا نہیں کیا بعض اوقات وہ اچھا کام کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے علیحدہ رہ کر اتنا اچھا کام نہیں کر سکتے تو ہم اس خاص حرکت میں

ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کا سارا پروگرام ماننے کے لئے تیار ہیں۔

(9) يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

یہودیت سے بچنے کا طریق

اب مسلمانوں کو ایسا طریقہ بتانا چاہئے کہ ان میں یہودیت نہ آئے اس میں شک نہیں کہ کسی زمانے میں یہود اچھی قوم تھے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ (البقرہ 2 نمبر 27)

مگر ان میں بعد میں تنزل آگیا مسلمانوں کو ان باتوں سے متنبہ کر دینا چاہئے جس سے یہ تنزل پیدا ہوا تاکہ وہ ان باتوں سے بچے رہیں۔

نمبر 9 اس امر کی توضیح شروع ہوتی ہے۔

جماعتی کام میں ایک وقت ہے یا تو قرآن کی انقلابی تعلیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی تیاری ہو سکتی ہے یا روپیہ کمایا جا سکتا ہے اگر اس قسم کا تعارض ایک وقت میں پیدا ہو جائے تو ہمیشہ روپیہ پیدا کرنے کے خیال کو چھوڑ دینا چاہئے یہ جذبہ اسی وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سعی نہ کی جائے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اگر تمہیں انقلابی تحریکوں کی حقیقت ان کی کامیابی کے پروگرام کا موازنہ ہے تو تم کبھی مالی منفعت کو اس انقلابی فکر یامت پر ترجیح نہیں دو گے۔

انقلاب میں کامیابی کی شرط

کسی جماعت میں انقلابی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس کے کارکنوں کا دماغ بلند ہو وہ انقلابی معاملات کو آخر تک سوچ سکیں ان کی ہمت اتنی بلند ہو کہ وہ اس راہ میں تمام مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کر سکیں جب رہنمائے انقلاب

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دیں یعنی اگلے ہفتے کا پروگرام دیں تو وہ لوگ جو انقلاب کی حقیقت سمجھ چکے ہیں۔ اس اجتماع سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے وہ کسی مالی منفعت کے خیال سے اس جماعت کی حالت سے کوتاہی نہیں کر سکتے۔

(10) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِى الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ : پس جب نماز ادا ہو چکی ہو تو زمین پر چلو۔ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

انقلاب اور جلبِ مال

اس میں شک نہیں کہ انقلابی ضروریات اور مالی ضروریات شخصی کا تعارض پیش آئے تو انقلابی ضروریات کو ترجیح دی جانی چاہئے مگر مقصود یہ نہیں ہے کہ اکتساب مال کو کلیتہً ترک کر دیا جائے بلکہ انقلابی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اور پروگرام سیکھ چکنے کے بعد مالی منافع حاصل کرنے میں بھی پوری ہمت سے کام لو مدعا صرف یہ ہے کہ حصول مال کو انقلابی کاموں پر ترجیح نہ دی جائے۔

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یعنی جتنی مالی منفعت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ اللہ سے طلب کرو اس طرح تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے کی ہمت پیدا کر لو تاکہ علمی مجلس میں جو وقت صرف کیا ہے اس کی کسر بھی نکل جائے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۝ جب تم مالی معاملات میں مصروف ہوتے ہو اس وقت بھی اللہ کو نہ بھولو۔ بلکہ اسے یاد رکھو اللہ تمہیں اتنی سمجھ دے دے گا کہ تم اس کمی کو پورا کر لو۔

ایک محسوس مثال

اگلی آیت میں اس کلیہ قاعدے کو ایک محسوس مثال کے ذریعے سے عام فہم بنا دیا گیا ہے۔

(11) وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

ترجمہ : اور جب وہ لوگ تجارت یا تماشہ دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نماز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے ایک قافلہ آیا۔ لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلے والوں سے ملنے چلے گئے تاکہ پہلے معاملہ کر کے زیادہ نفع حاصل کر سکیں۔ اس قسم کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ جب انقلابی علمی کام ہو رہا ہو مالی معاملات اور کھیل کود سب مؤخر کر دینے لازم ہیں۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم سے جو طاقت جماعت میں پیدا ہوگی وہ تجارت اور لہو و لعب سے بدرجہا بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

انسان انقلابی عقل میں جتنی ترقی کرے گا اتنا ہی تجارت میں بھی زیادہ نفع کمانے کی قابلیت پیدا کرے گا۔

تجارتی پیچ بھی انقلابی تحریکات کے داؤ پیچ کی مانند ہیں جن لوگوں کے دماغ انقلابی مسائل حل کر سکتے ہیں وہ اس دماغی قوت کو تجارتی کاموں کی طرف متوجہ کریں تو وہاں بھی مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

(نوٹ) موت سے بھاگنا اور اس منفعت کو انقلابی کاموں پر ترجیح دینا نفاق کا سبب بن جاتا ہے۔ جو شخص اس عادت میں مبتلا ہو جائے وہ پکا منافق ہے۔ چنانچہ اگلی سورت اسی ذہنی حالت پر تبصرہ کرتی ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۂ منافقون ہے۔

قرآنی حزب انقلاب

سورہ المجادلہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی

مرتب

غازی خدا بخش (مرحوم)

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے جی آفس لاہور

فون: 7239138

حرف اول

یہ حقیقت مسلم ہے کہ یہ دور اجتماعیت کا دور ہے اور اس دور میں وہی فکر انسانیت کے اجتماعی تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے جو قرآنی اجتماعیت کے قیام کی نقیب ہو' اسی اجتماعیت کے قیام کے لئے پہلا عملی مرحلہ تنظیم سازی کا ہے کیونکہ کوئی بھی فکر خواہ وہ کس قدر بلند اور اعلیٰ کیوں نہ ہو' تنظیم اور حزب کے بغیر چند الفاظ سے زیادہ اہمیت نہیں پاتا۔ اسی بناء پر قرآن حکیم نے اجتماعی زندگی کی اہمیت اور نظم و ضبط کی ضرورت کو زیادہ واضح کیا۔ جس کے نتیجے میں جماعت صحابہ جیسی حزب اللہ وجود میں آئی۔ جس نے عالمی طاغوتوں کی سرکشی کا قلع قمع کر کے نظام عدل قائم کیا۔

زیر نظر کتابچہ میں قرآن حکیم کی سورۃ مجادلہ کی روشنی میں اسی حزب انقلاب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جس کو جناب غازی خدا بخش مرحوم نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی سعادت ہے کہ اس کے توسط سے پہلی بار یہ کتابچہ منظر عام پر آیا ہے۔ امید ہے کہ احباب فکر اسے نہ صرف پسند کریں گے بلکہ اس کی روشنی میں اپنے لائحہ عمل کا جائزہ بھی لے سکیں گے۔

چیئرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

عرض مرتب

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے فرمایا کہ میرے شاگردوں میں ادب قرآن میں جو درجہ کشمیر کی وادی لولاب کے سید انور شاہ کو حاصل ہوا وہ کسی اور کو نہیں اور قرآنی سیاست میں جو درجہ عبید اللہ سندھی نے حاصل کیا وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آیا۔ یہ بات شیخ الہند نے کب کہی؟ جب انگریز نے انہیں مالٹا میں قید کر دیا۔ یہ بات کس نے سنی؟ یہ ان کے شاگرد حسین احمد مدنی نے سنی جب وہ ان کے ہمراہ اسیر مالٹا تھے اور مولانا سندھی عملی طور پر قرآنی سیاست میں حصہ لے رہے تھے اور استاد محترم کے ارشاد کے مطابق افغانستان پہنچ کر افغان فوجوں کو ہمراہ لے کر انگریز فوجوں کے مقابلے میں سینہ سپر تھے۔ آخر انگریز صلح پر مجبور ہو گئے اور ایک شرط یہ قرار پائی کہ عبید اللہ سندھی کو افغانستان میں نہ رہنے دیا جائے۔ حضرت سندھی نے اپنی پچیس سالہ جلاوطنی کی میعاد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے روس' ترکی اور حجاز کا رخ کیا۔ انگریز نے حضرت سندھی کو افغانستان میں نہ رہنے دیا۔ مولانا سندھی نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور آخر ہندوستان سے نکلوا دیا۔ پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد اپنی قوم کو ووٹ کی قیمت سمجھانے کی غرض سے ہندوستان میں قدم رکھا یہ پاکستان بننے سے پہلے کی باتیں ہیں۔

شیخ التفسیر حضرت لاہوری سے امام انقلاب سندھی نے ان کے شاگردوں میں سے دو نوجوان طلب کئے۔ حضرت لاہوری نے اپنے دو شاگرد ان کے حوالے کئے۔ ایک تھے شیخ بشیر احمد بی اے اور دوسرا راقم آثم خدا بخش عفی عنہ' جو کچھ عرصہ کے لئے کابل' مکہ معظمہ اور سندھ کے گوٹھ پیر جھنڈا میں حضرت سندھی کی رفاقت میں رہا۔ حضرت سندھی نے وصال سے پہلے چار ہزار صفحات مختلف امالیوں میں قرآن و حدیث' سیاست اور تصوف وغیرہ کے موضوعات پر لکھوا دیئے۔ انہیں امالیوں میں سے ایک امالی کی ایک سورۃ قارئین کے غور و فکر کے لئے تحریر کی جاتی ہے۔

غازی خدا بخش (مرحوم)

مقدمہ

یہ سورۃ حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت ثابت کرتی ہے۔ یہ عقلی طور پر طے ہو چکا ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی ڈکٹیٹر شپ (Party Dictator Ship) کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم جو انقلاب لانا چاہتا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ کتاب الہی کی حکومت تمام قانون پر غالب ہو جائے۔ اس مضمون کو پورا کرنے والی جماعت حزب اللہ کہلائے گی۔ یہ سورت حزب اللہ کی ضرورت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتی ہے۔

مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں۔

(۱) مکے کے مشرکین اور (۲) منافقین مدینہ

خلافت باطنہ

مسلمان مشرکین مکہ پر ایک حد تک بدر میں فتح پا چکے ہیں مکہ معظمہ میں حزب اللہ کی جو بنیاد رکھی گئی تھی اور ایک لحاظ سے مخفی جماعت کو منظم کر لیا گیا تو اطراف مکہ معظمہ میں اسلام پھیلایا گیا یہ لوگ اسلام لانے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ سمجھتے کہ قرآن حکیم کے خلاف کوئی چیز نہیں ماننی چاہئے۔ اس طرح قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے والی جماعت منظم ہو گئی مگر شروع شروع میں اس کی تنظیم مخفی تھی۔ اس لئے لوگوں کو اب تک عام طور پر علم نہیں ہے کہ مکہ معظمہ ہی میں حکومت پیدا ہو چکی تھی اس لئے شاہ ولی اللہ اسے خلافت باطنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

(فیوض الحرمین و تفہیمات الہیہ جلد اول ص ۳)

اس جماعت کے نظام سے السابقون الاولون من المهاجرين والانصار واقف تھے۔

حزب اللہ کی ضرورت

دوسری جماعت جس سے مسلمانوں کا واسطہ پڑا وہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے طرفدار منافقین تھے۔ وہ خفیہ چالیں چلتے مگر بظاہر اسلام کا دعویٰ بھی کرتے جاتے۔ اندیشہ

تھا کہ جب تک مسلمانوں کے خاص لوگ ان غلط کاروں کی تدابیر کے رد کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اسلام میں ایک بڑا رخنہ پیدا ہو جائے گا پس ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی ضرورت تھی جو قباحتوں اور شرارتوں کا سدباب کرتی رہے۔ اس جماعت کا نام حزب اللہ رکھا گیا۔ سورۃ مجادلہ میں اس جماعت کی تشکیل کا اعلان کیا گیا ہے اور اس کی ضرورت سمجھائی گئی ہے۔ اب قرآن حکیم کی خدمت کرنے والی جماعت کا نظام مکمل ہو گیا۔ اگر کوئی لڑے یا کوئی پروپیگنڈا کرے یہ اس کے خلاف لڑائی اور پروپیگنڈہ کرے گی۔

ایک اسلوب نزول

قرآن حکیم کے نزول کا عام اسلوب یہ رہا ہے کہ عام عرب کی ذہنیت میں حکمت کا کوئی اعلیٰ مسئلہ مرتکز کرنے کے لئے اس امر کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے جو اس مقصد سے کسی قدر قرب رکھتا ہو۔ اس واقعہ سے لوگ متاثر ہو جائیں تو ذہن عامہ کی اس توجہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن ایک اعلیٰ اصول سمجھا دیتا ہے۔ اور عوام کو اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ترتیب نزول و کتابت

نزول قرآن میں جس قسم کی تقدیم و تاخیر منقول ہے کتابی صورت میں وہ ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اس لئے کہ نزول کے وقت عوام کی ذہنی حالت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ وہ جلدی سمجھ جائیں مگر واقعات کی ترتیب ایسی نہیں ہو سکتی کہ ان کے مطابق ایک کتاب مرتب ہو سکے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ جب منزل آیتیں کتابی صورت میں لائی جائیں گی تو جو لحاظ مخاطبین اولین کی ذہنیتوں کا پہلے رکھا گیا تھا۔ اب وہ ملحوظ نہ رکھا جائے گا۔ اس لئے اب ان کو ایسے ابواب و سورتوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جس کا سلسلہ نیا فکر پیدا کرنے کے لئے مفید ہو اس میں گہرا فکر کرنے والے پیش نظر رکھے جائیں گے پس سورتوں کی کتابی ترتیب کا نزولی ترتیب سے مختلف ہونا ضروری ہے۔

ایک بڑھیا (خولہ) کو اس کا خاوند (اوس بن ثابت) ایسے لفظوں میں طلاق دے دیتا ہے کہ اب وہ کسی حالت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ وہ بڑھیا بال بچے لے کر کہاں جائے؟ اور کیا کرے؟ رجوع نہ کرنا جاہلیت کی پرانی رسم تھی یعنی کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ انت علی کظھر امی (اسے اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں) تو جاہلی خیال کے مطابق وہ عورت کسی شکل میں بھی مرد کے گھر نہیں رہ سکتی تھی۔

جس عورت پر مصیبت کا یہ پہاڑ ٹوٹا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر آتی ہے اور علیحدہ بیٹھ کر اپنی مصیبت کا اظہار کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ بتائیے میں کہاں جاؤں اور بچوں کو کس طرح پالوں۔ رسول اللہ ﷺ اسے کوئی خلاصی کا طریقہ نہیں بتاتے اور فرماتے ہیں کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ قانون یہی ہے مگر بڑھیا ہے کہ برابر چیتا کیے جاتی ہے اور دم نہیں لیتی وہ بار بار یہی کہتی ہے کہ خدا کے لئے بتائیے اب میں کیا کروں؟

یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پیش آیا وہ فرماتی ہیں کہ میں پاس ہی بیٹھی تھی مگر وہ خاتون اتنی دبی زبان میں باتیں کرتی تھی کہ میں اس کی بات نہ سمجھ سکتی تھی اس پر سورۃ مجادلہ کی آیات نمبرا تا ۴ نازل ہوئیں جن میں حکم دیا گیا کہ ظہار کے کفارے کے بعد عورت اپنے شوہر کے گھر بس سکتی ہے۔

اسلوب قرآن

قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ اجتماعی سیاسی امور کے سمجھانے کے لئے گھریلو واقعات کو عنوان بناتا ہے کیونکہ عرب اپنے گھر پر حاوی تھے۔ اگر ملک کو ایک بڑا گھرانا فرض کر لیا جائے تو جو اصول تدبیر منزل میں کام دیتے ہیں وہی تدبیر ملک میں ---- کام دے سکتے ہیں۔

یہ ایک مخصوص واقعہ ہے عام طور پر اس قسم کے حادثات پے در پے نہیں ہوا کرتے۔ اس حادثے کے واقع ہونے پر قرآن حکیم نے عرب کے ایک مسلم قانون میں مناسب ترمیم کر دی۔ اس قسم کی جتنی ترمیمیں قرآن حکیم میں نازل ہوتی ہیں وہ سب

ایسے وقت میں نازل ہوئی ہیں۔

جب لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے لئے ایک آسانی کردی گئی ہے۔ مگر یہ واقعہ حکم کے نزول کا سبب خفی ہی بن سکتا ہے گو یہ قوم کے ذہن میں جلی ہو کر نہیں آیا۔ بایں ہمہ اس قسم کی مشقت کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے اور ترمیم کو سن کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حکم نے سوسائٹی کے لئے کتنی سہولت کردی ہے یہاں سے انتقال ذہنی کیا جاتا ہے اسے عربی فن شعر میں بڑا براعتہ الاستہلال کہتے ہیں یعنی ایک غیر متعلقہ چیز کہہ کر شاعر لوگوں کو توجہ نہایت لطیف انداز سے ایک اور مضمون کی طرف لے جاتا ہے۔ اس میں سننے والوں کو بڑا لطف آتا ہے عرب ذہنیت اس طرح کے تکلم سے بخوبی آشنا تھی۔

واقعہ ظہار اور قیام حزب اللہ میں ربط

سیاست اجتماع سے پیدا ہوتی ہے اور عرب شعوب و قبائل میں متفرق ہیں۔ ایک قبیلے کی اجتماعیت اپنے ہی اندر محصور ہے۔ بین القبائل کوئی اجتماعیت نہیں ہے جو جماعت اس قسم کی محدود اجتماعیت رکھتی ہے وہ رفتہ رفتہ تفرقہ اور انفرادیت میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ہر گھر دوسرے گھر سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مصالح میں منہمک ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ منزل آتی ہے کہ خود اس گھر کے اندر کی اجتماعیت میں تفرق و تشتت پیدا ہونے لگتا ہے اور افراد خانہ میں انفرادیت آجاتی ہے۔ اس طرح فطرت انسانیہ جو اجتماعیت پر پیدا کی گئی ہے خراب ہو جاتی ہے عرب میں رسم ظہار کے ذریعے مرد اپنی بیوی سے کنارہ کشی کر لیتا تھا پھر ایک ایسی ہی رسم "ایلاء" تھی اور تیسری رسم طلاق تھی ان کے ذریعے سے اجتماعیت خانگی کو توڑا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے ان تخریبی رسوم کو یا تو بالکل منسوخ کر دیا یا نہایت محدود کر دیا اور ایسی شرطوں سے مشروط کر دیا جن سے ان کی مضرت محدود ہو گئی چنانچہ اس صورت میں جو مجادلہ اور شکوہ مذکورہ ہے۔ اس سے مقصود اس تخریبی حالت کی اصلاح ہے۔ وہ عورت رسم ظہار کی مضرت محسوس کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ مل جائے۔ وہ ان سینکڑوں عورتوں میں سے

ہے جن کو یہ مصیبت پیش آچکی ہے یا آسکتی ہے خود حضرت محمد ﷺ بھی اس کی مضرت محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی طریقہ معلوم ہو جائے جس سے اجتماع ملی کو نفع پہنچے اور یہ رسم ختم ہو جائے اس احساس کے جواب میں سورۃ مجادلہ میں آیات نمبر ۱ تا ۴ نازل ہوئیں۔ اس طرح اجتماعیت قومی میں ایک خرابی موجود ہے کہ عرب لوگ ایک غیر عرب قوم کے ایماء پر ایک ترقی کن جماعت (مسلم) میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ضرورت ہے کہ اجتماعیت خانگی کی خرابی دور کرنے کے ساتھ اجتماعیت قومیہ کی اس دشمن طاقت کا بھی استیصال کر دیا جائے۔

چنانچہ آیت نمبر ۴ کے آخری الفاظ وللکفرین عذاب الیم اور آیت نمبر ۵ ان الذین یحادون اللہ و رسولہ کبتوا کما کبت الذین من قبلھم و قد انزلنا ایت بینت ط و للکفرین عذاب مھین

ان دونوں چیزوں کی مشابہت پر دال ہیں آیت ۴ کے اخر میں عذاب الیم ہے آیت نمبر ۵ کے اخر میں عذاب مھین ہے اور جو لوگ اجتماعیت ملیہ کو برباد کرتے ہیں وہ عذاب الیم کے مستحق ہیں اور جو لوگ اجتماعیت ملیہ کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب مھین کے سزا وار ہیں۔ اول الذکر لوگوں کے لئے حدود مقرر کر دی گئیں اور آخر الذکر لوگوں کے لئے حزب اللہ کا قیام و قوام ضروری قرار دیا گیا۔ آگے چل کر حزب اللہ کی تفصیل اور حزب الشیطان کے ساتھ مقابلہ بیان کر دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

تفسیر سورۃ المجادلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت نمبر۱قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا و تشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاور کما ان اللہ سمیع بصیر

ترجمہ: بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کی جناب میں شکایت پیش کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

ایک غلط رسم کی اصلاح

آیت نمبر۲ الذین یظھرون منکم من نسائھم ما ھن امھا تھم ان امتھاتھم الا اللائی ولد نھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو وہ ان کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں ان کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ان کا اپنی بیویوں کو ماں کہہ دینا بری بات اور جھوٹ ہے مگر اللہ اس قسم کی لغو حرکت کو معاف کر سکتا ہے اور بخش سکتا ہے۔

آیت نمبر۳ والذین یظھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالو فتحریر رقبہ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اپنے قول سے رجوع کرنا چاہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں اس سے پیشتر کہ وہ اپنی بیویوں کو چھوئیں تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے ورنہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے یعنی اگر تم اس قانون کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کو دھوکہ نہ دے سکو گے اور وہ تم کو اس کی ضرور سزا دے گا۔

آیت نمبر ۴ فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتومنو باللہ ورسولہ وتلک حدود اللہ وللکفرین عذاب الیم

ترجمہ: جس شخص کے پاس آزاد کرنے کے لئے غلام نہ ہو تو وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے اس سے پہلے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوئے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ قانون اس لئے بنایا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان قائم رہے اور رسولؐ پر بھی ایمان قائم رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ جو لوگ ان حدود کی پابندی قبول کرنے سے انکار کریں گے وہ دردناک عذاب پائیں گے اب یہاں سے حزب اللہ کی تشکیل کی ضرورت بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۵ ان الذین یحادون اللہ و رسولہ کبتو کما کبت الذین من قبلھم و قد انزلنا ایت بینت و للکفرین عذاب مھین ٥

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اوندھے منہ گرائے جائیں گے جیسے ان سے پہلے لوگ اوندھے منہ گرائے گئے۔ یقیناً ہم نے یہ آیات واضح نازل کی ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کریں گے ان کو بے عزتی کا عذاب چکھایا جائے گا۔

منافقین کی شکست

مذکورہ آیت نمبر ۵ میں الذین یحادون اللہ سے مراد منافقین ہیں۔ کما کبت الذین من قبلھم سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہیں بدر میں شکست اور ذلت نصیب ہو چکی ہے۔

قد انزلنا ایت بینت اس دوسری جماعت (منافقین مدینہ) کو ذلیل کرنے کے لئے یعنی تمہاری جماعت کے اندر جو رخنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کا سدباب کرنے کے لئے ہم نے واضح اور صاف اصول بیان کر دیئے ہیں کہ تم یوں اپنی جماعت منظم کر لو وللکفرین عذاب مھین اس پارٹی کا نیا نظام منظم ہو جانے کے بعد یہ منافقین منہ نہ دکھا سکیں گے۔

آیت نمبر۶ یوم یبعثھم اللہ جمیعا فینبئھم بما عملوا احصاہ اللہ و نسوہ ط واللہ علی کل شئی شھید

یہ لوگ اللہ کے سامنے اکٹھے کیے جائیں گے تو ان کا جماعتی حساب ہو گا اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مخفی اعمال بتائے گا۔(فینبئھم بما عملو) اللہ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے۔

(احصہ اللہ) حالانکہ وہ بھولے ہوئے ہیں۔(فنسوہ) اللہ ہر چیز پہ شاہد ہے۔ واللہ علی کلّ شئی شھید

جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز منافقین کو ان کے اعمال بتائے گا اللہ چاہتا ہے کہ مومن بھی کوشش کر کے ان کو بتائیں اور جس طرح یہ خفیہ خفیہ کام کرتے ہیں مومن بھی ان کے کام پر تنقید کر کے ان کو یہیں دنیا میں بتا دیں۔(یہ ہمارا استنباط ہے) اس سے حزب اللہ کے منظم ہونے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

آیت نمبر۷ الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموت وما فی الارض ما یکون من نجوی ثلثہ الا ھو رابعھم ولا خمسہ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانو ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیامہ ان اللہ بکل شئی علیم٥

مسلم خفیہ جماعت

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے؟ جب تین آدمی آپس میں مشورہ کرتے ہیں تو چوتھا خدا ہوتا ہے اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا خدا ہوتا ہے اگر ان سے کم یا زیادہ ہوں تو بھی وہ جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ قیامت کے روز ان کے اعمال بتائے گا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

چھوٹی سے چھوٹی جماعت تین یا پانچ آدمیوں کی بنائی جا سکتی ہے اور اگر اتنے بھی میسر نہ ہوں تو ان سے کم بھی بنائی جا سکتی ہے۔ غرض جتنے آدمی ملیں کام شروع کر دینا

چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حزب الشیطان کام کر رہی ہے اس کے مقابلے میں حزب اللہ بھی اپنا کام شروع کرے۔

آیت نمبر۸ الم تر الی الذین نهوا عن النجوی ثم یعودون لما نهوا عنه و یتنجون بالاثم والعدوان و معصیت الرسول واذاجاء وک حیو ک بما لم یحیک به الله و یقولون فی انفسهم لو لا یعذبنا الله بما نقول حسبهم جهنم یصلونها فبئس المصیر

حزب الشیطان کے اصول

اس آیت میں حزب الشیطان کے کام بیان کئے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے کہ کن باتوں کے لئے خفیہ سوسائٹی بنانا ممنوع ہے اور وہ یہ ہیں (۱) اثم (گناہ) (۲) عدوان (سرکشی) (۳) معصیت الرسول (رسولؐ کی نافرمانی)

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو خفیہ مشورہ بازی سے روکا گیا مگر وہ وہی کام کرتے ہیں جن سے ان کو روکا گیا اور گناہ سرکشی اور رسولؐ کی نافرمانی کے لئے مشورہ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ایسے لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن سے اللہ تجھے سلام نہیں کرتا اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں کرتا ان کے لئے جہنم کافی ہے وہ اس میں پڑیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانہ ہے۔

یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو بعض ذو معنی فقرے استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہوتی تو اللہ ہم پر عذاب کرتا اس طرح وہ اپنی خفیہ جماعت کے کارنامے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

آیت نمبر۹ تا ۱۱ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس قسم کی خفیہ سوسائٹی بنائیں نیز اس کے قواعد بتائے گئے ہیں۔

آیت نمبر۹ یا یها الذین امنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوابالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوه بالبر والتقوی ط واتقوالله الذی الیه تحشرون ۵

حزب اللہ کے بنیادی اصول

اے مسلمانو! تم جب آپس میں مشورے کرو تو اثم' عدوان اور معصیت الرسول کے لئے مشورے نہ کرو بلکہ نیکی (بر) اور انصاف (تقویٰ) پھیلانے کے لئے مشورے کرو اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف اٹھا کر لوٹائے جاؤ گے۔

مسلمانوں کو اس قسم کی جماعت بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مقصد متعین کر لینا چاہئے یعنی (بر) (اخلاقی قانون) اور تقویٰ (انصاف) کے قیام کے لئے۔

قانون کے بعض حصے اخلاقی ہوتے ہیں یہ قانون کی روح ہوتے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جس کے چلانے میں حکومت ------ قوت بھی استعمال کر سکتی ہے اسے تقویٰ بھی کہا گیا ہے پس وہ جماعت قانون کی شکل (تقویٰ) اور روح (بر) دونوں کو قائم رکھنے کے لئے ہو نہ کہ اثم عدوان اور معصیت الرسول کے لئے واتقوالله الذی الیه تحشرون اپنی سوسائٹی کا اصل حاکم اللہ ہی کو سمجھو غائب اور حاضر سب کو جانتا ہے جب مسلمان اس قسم کی سوسائٹی بنالیں گے ان کا ڈر جاتا رہے گا۔

آیت نمبر ۱۰

انما النجوی من الشیطن لیحزن الذین امنو و لیس بضارهم شیئا الا باذن الله وعلی الله فلیتوکل المومنون ٥

شیطانی خفیہ مشورہ بازی مسلمانوں کو غم میں ڈالتی ہے مگر یہ ان کو اللہ کے حکم کے بغیر ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مومن صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔

حزب اللہ کا فائدہ

منافقین نے خفیہ جماعت بنا کر مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرانا شروع کر رکھا ہے کہ ہمارا تعلق یہودیوں کے ساتھ ہے جن کے آگے قیصر روم کے ساتھ تعلقات ہیں اس لئے

ہم اور یہودی قیصر کی طاقت استعمال کر کے مسلمانوں کو برباد کر دیں گے لیکن اسے معمولی چیز سمجھنا چاہئے اور جب ان کے پروپیگنڈے کا استیصال کرنے والی حزب اللہ قائم ہو جائے گی تو اس حزب الشیطان کا ضرر ختم ہو جائے گا جیسے ایک چیز سے بیماری پیدا ہوتی ہے تو اللہ نے اس کا علاج پیدا کر دیا ہے وہ علاج کرنا چاہئے۔ اس سے فائدہ ہو گا ایسے ہی سوسائٹی حزب الشیطان کا دخل پیدا ہو گیا ہے یہ حزب الشیطان ضرر پہنچانے کے لحاظ سے اصل چیز نہیں ہے بلکہ نفع و ضرر اصل میں اللہ کے دست قدرت میں ہے حزب الشیطان کا پیدا ہو جانا حزب اللہ کے قیام کا معمولی سبب ہے پس مسلمانوں کو اللہ کے بھروسے پر کام کرنا چاہئے اور اسلامی سوسائٹی کو ان بادشاہوں کے پراپیگنڈے کے اثرات سے محفوظ و مطمئن کرنے کے لئے ایک جماعت بنالینی چاہئے جیسے عام مضر اسباب کا توڑ سوچنے کے لئے انسان اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے ویسے ہی اس صورت میں بھی کرنا چاہئے۔

آیت نمبر ۱۱ یا یھا الذین امنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحو یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزو فانشزوا یرفع اللہ الذین امنو منکم والذین اتنوا العلم درجلت ط واللہ بما تعملون خبیر

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں کھلے کھلے بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جاؤ اللہ تمہیں پھیلا دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جاؤ! تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

خفیہ تنظیم

اس آیت میں خفیہ سوسائٹی کے اندرونی نظام پر بحث ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں ایک شخص حکم دینے والا ہونا چاہئے تم اس کے حکم کے مطابق بیٹھو اور اس کے حکم سے جلسہ برخاست کرو وہ "صدر" کون ہو گا؟ وہ شخص ہو گا جسے ایمان اور علم زیادہ دیا گیا ہو پس ایسے شخص کو "صدر" بنالو اور اس کے حکم کے مطابق جلسہ کیا کرو۔

جس طرح ایک عورت نے اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کر لیا تم بھی اسی اللہ کے حکم سے اپنا گھر درست کر لو۔

آیت نمبر ۲ یا یھاالذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموبین یدی نجولکم صدقۃ ذلک خیر لکم واطہر ط فان لم تجدوفان اللہ غفور رحیم

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جب تم رسول اللہ سے مشورے کا ارادہ کرو تو تم اپنے مشورے پیش کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو یہ تمہارے لئے اچھی اور زیادہ پاک بات ہے اگر صدقہ دینے کے لئے نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس مالی قربانی کی شرط سے۔ ۔۔۔۔اکثر منافقین جھڑ جائیں گے

۔۔۔۔۔ پھر باقی ایمان اور علم کی شرط کے ماتحت رک جائیں گے۔ اس طرح سوسائٹی کا اندرونی نظام منافقین سے پاک ہو جائے گا۔

اس جماعت کے فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہونے چاہئیں۔

آیت نمبر ۳ اشفقتم ان تقدموا بین یدی نجولکم صدقت ط فاذلم تفعلو و تاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوۃ فاتوا الزکوۃ فاطیعوا اللہ و رسولہ ط واللہ خبیر بما تعملون ۵

کیا تمہیں خوف ہوا اس چیز کا کہ اپنے مشورے پیش کرنے سے پہلے صدقات دو؟ تو جب تمہی نے یہ نہ کیا دراں حالیکہ اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے تو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ تعالیٰ اور رسول ؐ کی اطاعت کرو اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یعنی جو شخص صدقہ نہ دے سکے یہ نہیں کہ وہ اس وجہ سے اپنا حق رکنیت ہی کھو بیٹھے گا بلکہ وہ اپنا استحقاق اپنے علم و عمل سے پیدا کر سکتا ہے یعنی اس مجلس کے مقاصد پر عمل پیرا ہو کر دکھائے اور لوگوں کو خیرات اور اطاعت رسول پر جمع کرے!

ان میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے دونوں محکم ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس جماعت کا مالی نظام الگ ہونا چاہئے۔ اور انہی لوگوں کی کمائی میں سے اس کے فنڈ کی بنیاد پڑنی چاہئے اگر کسی کے پاس روپیہ نہ ہو تو اس کے ایمان اور عمل صالح کی بناء پر اسے ممبر بنایا جا سکتا ہے یہاں حزب اللہ کی تشکیل اور

اندرونی نظام کے متعلق ہدایات پوری ہو گئیں اس کے بعد آیت نمبر ۱۴ تا ۲۰ حزب الشیطن یعنی مسلمانوں کے مخالف کام کرنے والی جماعت کی تصریح آتی ہے۔

آیت نمبر ۱۴ الم تر الی الذین تولوا قوما غضب اللہ علیھم ط ماھم منکم ولا منھم و یحلفون علی الکذب و ھم یعلمون ٥

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اس قوم سے رشتہ الفت استوار کیا ہے جو اللہ کی مغضوب علیہ ہے؟ وہ لوگ نہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے' وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ اس چیز کو بھی جانتے ہیں۔

الذین تولو سے مراد منافقین ہیں قوما غضب اللہ علیھم سے مراد یہود ہیں۔

جب قرآن حکیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں غالب ہو گا تو منافقین یہ باتیں سن کر یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں جو یہ باتیں قیصر تک پہنچا دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال پورا ہونے سے پہلے قیصر کی طاقت عرب کو ہڑپ کر لے۔ یہودی نہ مسلمانوں کے دوست ہیں (ماھم منکم) کہ ان کے فائدے کی بات کریں گے نہ منافقوں کے دوست ہیں (ولا منھم) کہ عرب کی ترقی کی حمایت کریں گے۔ وہ جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۵ اعد اللہ لھم عذابا شدیدا ط انھم ساء ما کانوا یعملون ○

اللہ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ نہایت ہی برا ہے یعنی ان منافقین اور یہود کو عنقریب نہایت دردناک سزائیں ملیں گی تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

آیت نمبر ۱۶ اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ فلھم عذاب مھین ○

ان لوگوں نے قسموں کو اپنے بچاؤ کے لئے ڈھال بنا کر رکھا ہے اور اس طرح وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک لیتے ہیں ان کے لئے بے عزت کرنے والا عذاب ہے۔

آیت نمبر ۱۷ لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولا دھم من اللہ شیئا اولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون ○

ان کے اموال اور اولاد ان کے کسی کام نہ آئیں گے اللہ کے مقابلے میں یہ لوگ آگ کے مستحق ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

منافقین اور یہود سے سلوک

یہ لوگ مسلمانوں میں شامل ہو کر قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر سگالی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے باوجود وہ مسلمانوں کی جماعت میں رخنہ پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں حزب اللہ جب مضبوط ہو جائے تو ان کو ذلت آمیز شکست دے کر نکال کر باہر کرے گی۔

اس وقت ان کے اموال اور اولاد جن کے بھروسے پر وہ اس قسم کی کارروائیاں کر رہے تھے کسی کام نہ آئیں گے اور موت کے بعد اپنے اعمال کی پاداش میں جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۸ یوم یبعثھم اللہ جمیعا فیحلفون لہ کما یحلفون لکم و یحسبون انھم علی شئی الا انھم ھم الکذبون ○

جس روز ان سب کو اٹھائے گا یہ اس کے سامنے بھی اس طرح قسمیں کھائیں گے جیسے اب تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی بات بن جاتی ہے۔

خبردار! یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

یعنی یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا وقار قائم کر لیتے ہیں اللہ کے سامنے بھی اپنا صدق ثابت کریں گے لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں اس دن سے پہلے ہی اللہ مسلمانوں کے سامنے ان کے جھوٹے وقار کا بھانڈہ پھوڑ دے گا اور وہ یوں کہ حزب اللہ ان کا پردہ فاش کر دے گا۔

منافقین اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے

مگر مذہبی کام کچھ نہ کرتے تھے اس پر بھی گمان کرتے تھے کہ انهم علی شیئی یعنی ہم ایمان پر ہیں یعنی ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو مانتے ہیں اس لئے وعدہ انعام یعنی فتح میں ہمارا بھی حصہ ہے اور آخرت میں بھی ہمیں بلند درجات نصیب ہوں گے مگر وہ اسلام کی خاطر جانی اور مالی قربانی نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ جھوٹے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

فقاتل فی سبیل اللہ ج لا تکلف الا نفسک و حرض المومنین (النساء ۸۴)

ترجمہ: راہ حق میں لڑیئے آپ اپنی ذات کے ہی مکلف ہیں اور مسلمانوں کو آمادہ قتال کیجئے تو وہ کہتا ہے انا اول المسلمین (فرمانبرداروں میں پہلا) مگر یہ منافق اس کے خلاف کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹ استحوذ علیهم الشیطن فانسٰهم ذکر اللہ ط اولٰئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن هم الخسرون ○

ان پر شیطان چھا گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی بھیجی ہوئی یاد دھانی بھلا دی ہے یہ حزب الشیطان ہے اور خبردار یہ حزب الشیطن ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہے۔

شکست کی مکرر پیش گوئی

یعنی شیطان نے ان کو تورات بھلا دی ہے اور ان کی کوششیں صرف کھانے پینے اور دنیاوی عزت و جاہ کے حصول تک محدود رہ گئی ہے تورات کو زندہ کرنے والا نبی آیا ہے تو یہ اس کی مخالفت کرنے لگ ہیں یہ کیسے احمق ہیں؟ یہ حزب الشیطن ہیں یہ حزب اللہ کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

آیت نمبر ۲۰

ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولٰئک فی الاذلین

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔ بھلا اس سے ذلیل تر کون ہو سکتا ہے جو اپنے دین اور اپنی قوم کی مخالفت شروع کر دے؟ پس یہ لوگ دنیا میں ذلیل ہوں گے۔

آیت نمبر ۲۱ — کتب اللہ لا غلبن انا و رسلی ان اللہ قوی عزیز

اللہ نے لکھ دیا ہے - - - - کہ بلا شک و شبہ میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کرتے ہیں یقیناً اللہ قوت و عزت دینے والا ہے۔

اللہ کا یہ قاعدہ تمام آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے پس رسول اللہ ﷺ کا غلبہ مقدر ہے اور ان کا غلبہ گویا تمام رسولوں کا غلبہ ہے۔

آیت نمبر ۲۲: — لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یو ادّون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا اباء ھم اوابناء ھم اوا خوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ ویدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ط رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ط اولئک حزب اللہ ط الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

تجھے ایسے آدمی نہیں ملیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی گانٹھیں' چاہے یہ مخالفین ان کے آباء' بیٹے اور بھائی بند اور اہل قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں' یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان رقم کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ذریعے مدد دی ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے پانی کے سوتے بہتے ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ حزب اللہ ہے اور یقیناً ہمیشہ حزب اللہ ہی غالب رہتا ہے۔

رضی اللہ عنھم — اللہ ان سے راضی ہے اس لئے جب قرآن کی حکومت پیدا ہو گی تو وہ اس کے حاکم ہوں گے۔

رضوا عنہ — وہ اللہ کی اس کتاب کو چھوڑ کر اور کچھ نہیں چاہتے وہ اس پر راضی ہیں۔

المفلحون — وہ حزب اللہ ہی ہمیشہ غالب رہا ہے اور قاعدے کے مطابق اب بھی کامیاب و کامران ہو گا۔ حزب الشیطن ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔

قرآنی اقدام انقلاب

سورہ حشر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے جی آفس لاہور

فون 7239138

حرف اول

قرآن حکیم جس ہمہ گیر انقلاب کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس نے حزب وتنظیم کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور تاریخ انسانی اس قرآنی حقیقت کو ثابت کرتی آرہی ہے کہ انقلابات عالم کے پیچھے ایک منظم حزب وجماعت کا اساسی اور بنیادی کردار ادا ہوتا ہے۔ قرآنی انقلاب کی جماعت اعلیٰ مقاصد کی خاطر رجعت پسند طاقتوں سے محاذ آرائی کو ایک ناگریز ضرورت کے طور پر قبول کرتی ہے۔ چنانچہ معروضی حالات کے تحت وہ دفاعی حکمت عملی اور پیش قدمی کی پالیسی دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرتی ہے۔

برعظیم ہند میں انگریزی استعمار کے دور میں بعض مسلم زعماء نے اس خیال کو عام کرنے کی کوشش کی کہ اسلام میں محض دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سوچ ذہنی مرعوبیت اور فکری پراگندگی کا مظہر ہے اور قرآن حکیم اور اسوہ حسنہ دونوں اس کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر سورت الحشر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اقدامی جنگ (غزوہ بنی نضیر ۴ھ) ہی کا ذکر ہے اور یہ قرآن حکیم کے انقلابی ہونے کی ایک واضح اور بین مثال ہے۔

یہاں معذرت کے ساتھ یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ تفسیر جس مسودے سے نقل کی گئی ہے اس کے آخری صفحہ کی چند سطور کرم خوردہ ہونے کے باعث ہم قارئین کے سامنے پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ ہمیں متبادل مسودے کی تلاش ہے جونہی ان سطور کا علم ہوا اگلے ایڈیشن میں انہیں شامل اشاعت کردیا جائے گا۔

چیئرمین

غزوہ بنی النضیر

یہ غزوہ ۴ھ میں غزوہ احد اور بیر معونہ کے بعد ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضموی کے ہاتھوں بنی کلاب کے دو اشخاص کا قتل ہوگیا۔ یہ قبیلہ چونکہ بنی نضیر کا حلیف تھا (بنو نضیر یہود کے تین قبائل میں سے ایک تھا) اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی دیت (خون بہا کی رقم) سے متعلق گفتگو کرنے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ سمیت کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی تھے۔ وہ لوگ بظاہر بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آپ کو ایک دیوار کے پاس بٹھا دیا۔ بعد ازیں یہ سازش تیار کی کہ دیوار کے اوپر سے ایک بڑا پتھر آپ پر گرا کر آپ کو قتل کردیا جائے اس منصوبہ کی بذریعہ وحی اطلاع ملتے ہی آپ وہاں سے فوراً" خاموشی سے چلے آئے آپ کے جانے کی اطلاع پاکر صحابہ کرام بھی چلے آئے' آپ نے ان کو بنی نضیر کے منصوبہ سے آگاہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے بنو نضیر کو دس دن کے اندر مضافات مدینہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور یہ بھی واضح کردیا کہ اس مدت کے بعد تم میں سے جو شخص علاقہ میں پایا جائے گا وہ قتل کردیا جائے گا۔ یہ لوگ جانے پر آمادہ تھے لیکن حزب منافقین کے سربراہ عبداللہ بن ابی نے یقین دہانی کرائی کہ اس کی جماعت کے دو ہزار ارکان امداد کے لئے تیار ہیں۔ حتیٰ کہ قلعہ بند ہونے کی صورت میں قلعہ کے اندر ایک ساتھ مرنے پر بھی کمربستہ ہیں۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ کا گروپ اور بنو غطفان کا گروہ بھی اس مشکل گھڑی میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ لہٰذا نبوی حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بنو نضیر نے مضافات مدینہ چھوڑنے سے انکار کردیا۔

اس ہٹ دھری کے جواب میں آپ نے مدینہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام المکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فوج کا علم دیا۔ چنانچہ بنو نضیر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اور منافقین' بنو قریظہ اور بنو غطفان میں سے کسی نے بنو نضیر کا ساتھ نہ دیا۔ بالآخر بنو نضیر نے اپنے مکانات اور قلعہ چھوڑ کر

باہر جانے پر آمادگی ظاہر کردی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ آلات حرب کے سوا اونٹ پر جس قدر اسباب لادا جاسکے اس کو معہ اہل وعیال لے کر علاقہ خالی کردیں۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر منتقل ہوگئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ سورہ حشر' سورۃ بنی النضیر ہے۔

(ماخوذ از اصح السیر)

موضوع

سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ کی جس تشکیل کا ذکر آیا ہے وہ منافقین کی سازشوں کی روک تھام کے لئے ہے۔ اب اس کے ساتھ حربی قوت کا نظام بھی ملا دیجئے تو یہی حزب اللہ سیاسی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ہی حربی حریفوں کا مقابلہ بھی کرے گا۔ سورۃ الحشر میں حزب اللہ کی اس جدید توسیع کا ذکر ہے۔

حزب کا سیاسی ارتقاء

جب ایک حزب ایک خاص نظریئے پر قائم ہوجاتا ہے وہ اندرونی مزاحمتوں کو بھی دور کرتا ہے اور بیرونی حملوں کو برداشت کرکے ان کا مقابلہ بھی کرسکتا ہے۔ اس قسم کے حزب کے مرتب ہوتے ہی اس کا اپنے مخالف نظریات کے احزاب کے ساتھ اعلان جنگ ہوجاتا ہے۔ وہ دنیا میں صرف اپنی ہستی اور اپنے ساتھیوں کی ہستی برداشت کرتا ہے مثلاً" جو حزب اس حزب کی قیادت کو تسلیم کرلے اسے تو وہ اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے مگر کسی خود مختار مخالف حزب کی ہستی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے مخالف احزاب کی مخالفت کرنا اس کا فرض ہوجاتا ہے۔ ان مخالف احزاب کے خلاف اعلان جنگ کرنا اس کی طبعی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لڑائی کا موقعہ ملے یا نہ ملے سیاسی احزاب کے ارتقاء کا یہ فلسفہ ہے۔

حزب اللہ کی تاسیس مکہ معظمہ میں

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزب مکہ معظمہ میں پیدا ہوا' وہاں وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند آدمیوں سے زیادہ اس کے ماننے والے نہ تھے بایں ہمہ ایک دنیا ان کے نام سے کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اس حزب کو فنا کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ وہ حضرت ابراہیم کی متابعت میں حنیفی دین کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتا تھا اور کسی مخالف قوت کو نہیں مانتا تھا۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ تھی۔ یہ حزب مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اپنا نظام مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے فی الحال طرح دیتا جاتا تھا۔ جس نے مخالفت کی یا ضد اس سے ہٹ گئے یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی۔ اس کا

مطلب یہ نہ تھا کہ ان کے نزدیک لڑنا جائز نہ تھا۔ بارہا ایسے مواقع آئے کہ لوگوں نے خواہش کی کہ لڑنے کی اجازت مل جائے۔ مگر قرآن نے اس وقت یہی حکم دیا کہ "کفوا اید یکم" (اپنے ہاتھ روک کر رکھو) اس سے بھی واضح سند یہ ہے کہ سورۃ کافروں کی سورت ہے اور وہ تمام دنیا کی مخالفین کے لئے الٹی میٹم ہے کہ تم سے صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو لوگ دین کے اندر سیاست "کیسے ترقی کرتی ہے" کے سیاسی اصول پر مطالعہ نہیں کرتے بلکہ سب چیزوں کو اخلاقی نقطہ نگاہ سے حل کرنا چاہتے ہیں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور قرآن حکیم کی تعلیم کو منظم طور پر کبھی بھی سمجھا نہیں سکتے۔

حزب اللہ مدینہ منورہ میں

حزب اللہ جس کی بنیاد مکہ معظمہ میں رکھی گئی تھی اب اپنا مرکز بدل کر مدینہ منورہ میں جمع ہوتا ہے۔ وہ یہاں نسبتاً آزاد ہے۔ یہاں کمزور طاقتوں نے حزب اللہ کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ سورۃ مجادلہ میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ان مخالفین کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر ان کا سدباب نہ کیا گیا تو یہ اس نئی سوسائٹی کو کھا جائیں گے اس پر مسلمان سنبھلے اور منافقین ڈر گئے۔

منافقین سے مقابلہ

منافقین جس طاقت کے بل بوتے پر باتیں بناتے تھے وہ یہود کی طاقت تھی جن کے قریبے پاس ہی تھے۔ ادھر حجاز کی تمام سرمایہ داری یہود کے قبضے میں تھی۔ اور جاہلیت میں قریش بھی تاجر ہونے کی حیثیت میں سرمایہ داری سے کسی قدر انس پیدا کر چکے تھے۔ اس لئے یہود اور قریش ہم پیشگی کی وجہ سے آپس میں ملتے رہتے تھے۔ اب ان لوگوں نے ادھر تو مدینہ میں مسلمانوں کے گھروں میں فساد ڈلوانے کے لئے خفیہ سازشیں شروع کردیں اور ادھر کسریٰ و قیصر تک اپنے پیام پہنچانے شروع کردیئے۔ اب اس سیاسی پارٹی کا جو اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہو ایسی حالت میں صبر سے بیٹھے رہنا جائز نہ تھا۔ اگر مخالفین حملہ نہیں کرتے تو یہ سیاسی حزب حملہ کرے گا۔ یہ ہے وہ حملہ جسے اول الحشر (۲:۵۹) کہا گیا (غزوہ بنی نضیر ۴ھ کا واقعہ ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ پہلا اقدامی حملہ تھا۔ اس سے پہلے جتنی جنگیں تھیں وہ سب مدافعانہ تھیں۔ بعض لوگوں نے صرف ان مدافعانہ جنگوں سے قاعدہ بنا لیا کہ حزب اللہ کا کام صرف مدافعانہ جنگ کرنا ہے۔ یہ لوگ ان اقدامی جنگوں کو بھی دیکھیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے کیں (غزوہ بنی نضیر اس قسم کی اقدامی جنگوں کی پہلی مثال ہے)۔

کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے

مسلمانوں میں قدیم سے ایسی جماعتیں چلی آتی ہیں جو اسلام کا نام تو لیتی ہیں مگر اس کی سیاست نہیں سمجھتیں۔ ایسی جماعتوں کے لوگ اسلام کی تعلیم کو فقط اخلاقیات میں منحصر کر دیتے ہیں اور سیاسی تقدم کو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں جن کا تحقق ناممکن ہے۔ اسی طرح وہ قوم کو مار دیتے ہیں۔ اس قسم کی جماعتیں جہاں کہیں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں انہوں نے فائدے کی بہ نسبت نقصان زیادہ پہنچایا۔

پاک و ہند میں انگریزی غلبے کے بعد مسلمانوں میں دو تحریکیں چلائی گئیں۔

بعض نے قرآنی حکمت نہ سمجھتے ہوئے اس خیال کی تائید کی کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اسلام نے کبھی حملہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مدافعت ہی کی ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا۔

قرآن حکیم کی آیت هوالذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کی صورت میں انقلابی ذہنیت والے استاد ہر طبقے میں موجود رہے۔ مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی انقلابی تخیل ان میں پایا گیا۔

اسلام اور جنگ الغرض انقلابی جماعت دیکھے گی کہ وہ مخالفوں کا مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ اقدامی حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کرے گی۔ اس مسئلے کو یوں حل کیا گیا کہ حملہ کرنے میں پیش قدمی کرنا یا مدافعت پر اکتفا کرنا یہ دوسرے درجے کی چیز ہے۔ اس کا فیصلہ

کرنا قائد لشکر کا کام ہے۔ یہ اصولی بحث نہیں ہے۔ کمانڈر اپنی فوج کی حالت کے مطابق مدافعت ہی کو کافی سمجھے گا۔ تو فقط مدافعت ہی کرے گا۔ اور اگر حملہ کرنا ضروری خیال کرے گا تو حملہ کرنے میں پیش قدمی کرے گا۔

دنیا میں مذہبی پروگرام دو طریقوں پر چل رہے ہیں۔ بعض مذاہب وہ ہیں جو لڑنا اور حملہ کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں سمجھتے جیسے بدھ دھرم والے جو اصولاً اہنسا کے قائل ہیں اور جنگ کو کسی شکل میں بھی جائز نہیں سمجھتے۔

دوسرے وہ مذاہب ہیں جن کے نزدیک حسب ضرورت لڑنا جائز ہے۔

پس اصولی بات یہ ہے کہ کسی مذہب کے نزدیک جنگ جائز ہے یا نہیں۔ اس معیار کے مطابق قرآن حکیم جنگ کو بالکل جائز رکھتا ہے۔ قرآن حکیم ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کا زبردست حامی ہے۔ قرآن فقط انقلابیوں کی چیز ہے جو مناسب موقع پر اپنے انقلاب کی کامیابی کے لئے لڑنا جائز سمجھتے ہیں۔

تفسیر سورۃ الحشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ سبح للہ ما فی السموت وما فی الارض و ھو العزیز الحکیم

ترجمہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

سورۃ مجادلہ کے ساتھ ربط

سورۃ مجادلہ میں مسلمانوں کو حزب اللہ کی تنظیم جدید کی جو دعوت دی گئی تھی اور جس کی توسیع کی طرف اس سورۃ (الحشر) نمبر۵۸) میں ان کی توجہ دلائی گئی ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ اس کا محتاج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمان کا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام پورے غلبے اور حکمت کے ساتھ چلا رہا ہے۔ مگر وہ مسلمانوں کو حزب اللہ کی توسیع کے ذریعے سے غلبہ (عزت) دینا چاہتا ہے۔

- هو الذی اخرج الذین کفر فامن اھل الکتب من دیار ھم لاول الحشر ما ظننم ان یخرجوا وظنوا انھم ما نعتھم حصو نھم من اللہ فا تھم اللہ من حیث لم یحتسبوا فقذف فی قلوبھم الرعب یخربون بیو تھم بایدیھم فایدی المومنین

ترجمہ وہی ہے جس نے ان کو جو اہل کتاب میں سے منکر ہیں لشکر کے پہلے ہی اجتماع پر ان کے گھروں سے نکال دیا تم خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے پھر اللہ نے ان کو آن لیا جہاں سے انہیں خیال نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔

یہود کی شکست اور اپنے ہاتھوں تخریب

خدا کا عزیز اور حکیم ہونا یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ کے قیام کے بعد پہلے ہی اجتماع عسکری اور اقدامی حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے فضل سے یہود کو اپنے گھروں سے نکل جانا پڑا۔ مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہودی نکلیں گے نہیں اور خود یہودی بھی اپنے قلعہ نما مکانوں میں اپنے آپ کو محفوظ اور مستحکم سمجھتے تھے۔ مگر اللہ نے مسلمانوں کی دھاک ان کے دلوں میں بٹھا دی اور یہود نے خود ہی اپنے مکانوں کو گرانا شروع کردیا اور اس تخریب...... Scorched earth policy میں وہ حکمت الہی کام کرتی تھی جو مسلمانوں کو عزت اور یہودیوں کو ذلت دینا چاہتی تھی۔ مسلمانوں نے بھی ان یہودیوں کو برباد کیا اور ان کے قلعوں کے توڑنے پھوڑنے میں کمی نہ کی۔

فاعتبر وا یا اولی الا بصار

اے آنکھوں والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔

مسلمانوں کے لئے عبرت

یعنی مسلمانوں میں ایسی جماعت کبھی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ اس لئے یہودی تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ اور مسلمان قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور قرآن حکیم اور تورات حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ جب تورات کے ماننے والوں نے اپنے آپ کر

تورات سے بعید کرلیا تو ان کا یہ حال ہوا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے گھربار برباد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمانوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ وہ دنیا میں انقلابی کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں اور خدا نے انہیں کامیاب ہونے کا موقعہ دیا ہے۔ اگر وہ اس انقلاب سے پیچھے ہٹیں گے تو دوسری قومیں ان سے ضرور انتقام لیں گی۔ پس ایسی حالت کبھی پیدا ہی نہ ہونے دی جائے۔

۳۔ ولو لا ان کتب اللہ علیھم الجلاء لعذبھم فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب النار

ترجمہ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ان پر جلا وطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کیلئے آگ کا عذاب ہے۔

یہود کی جلا وطنی

تورات میں یہود کو بتایا گیا تھا کہ اگر تم نے تورات کے احکام کی خلاف ورزی پر ضد کی تو تم سے حکومت چھین لی جائے گی۔ اور پھر یا تو تم جلا وطن کردیئے جاؤ گے یا قتل کردیئے جاؤ گے ان دونوں باتوں میں سے ایک کا مستحق ہونا ضروری ہے۔

بنی نضیر کو تورات کی دو سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی۔ پس اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "اگر اللہ نے انہیں جلا وطن کرنا نہ لکھ دیا ہوتا"۔

اکثر تفاسیر پڑھنے والے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ حکم جلا وطنی خاص طور پر ان یہودیوں کے لئے تھا۔ مگر ہم یوں سمجھتے ہیں کہ تورات میں دو سزاؤں میں سے ایک کا ملنا مستحق ہے یعنی جلا وطنی یا قتل۔ اس لئے آیت کا ترجمہ یوں کریں گے کہ "اگر ان یہود کو تورات کی خلاف ورزی کی پاداش میں سزا دینے میں جلا وطنی داخل نہ ہوتی تو قتل کردیئے جاتے مگر چونکہ قتل کی متبادل سزا جلاوطنی بھی تھی اس لئے ان کو جلا وطنی ہی کی سزا دی گئی جو دونوں میں سے نرم سزا تھی" مسلمانوں کی حالت کے اس وقت یہ مناسب سزا تھی جو وہ دے سکتے تھے۔

دنیاوی عذاب

اگر یہود اپنے شقاق کے بعد مدینے میں رہتے تو ضرور قتل کردیئے جاتے..... ولھم فی الدنیا عذاب مسلمانوں کے تمکن کے بعد ان کا مدینے میں رہنا دشوار تھا۔ انقلاب کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ مخالف فکر کو برداشت نہیں کرتا اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب (جزیرہ عرب سے یہود ونصاری کو نکال دو) سے مراد حجاز علی سبیل الوجوب ہے اور باقی عرب سدا الذریعہ ہے۔

۴۔ ذلک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ ومن یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب

ترجمہ یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوئے اور جو کوئی اللہ کا مخالف ہوا تو اللہ کا عذاب سخت ہے۔

جلاوطنی کیوں؟

ان کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے نہ صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی بلکہ تورات کے احکام کی خلاف ورزی بھی کی۔ جو لوگ خدا کے احکام کی نافرمانی کریں ان کو خدا تعالی سخت سزا دیا کرتا ہے۔

۵۔ ما قطعتم من لینۃ اوترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین

ترجمہ جو کھجور کا درخت تم نے کاٹ ڈالا یا اپنی جڑ پر کھڑا رہنے دیا تو وہ اللہ کے حکم سے ہے اور اس لئے کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

میدان جنگ میں صحیح فیصلہ

مسلمانوں نے یہودیوں کے بعض درخت کاٹ ڈالے اور بعض یونہی چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ کہ کاٹنا ضروری تھا یا چھوڑنا۔ اس پر اللہ تعالی نے فیصلہ کیا کہ دونوں ہی درست ہیں پس میدان جنگ میں کام کرنے والے لوگ جو فیصلہ

بھی کریں صحیح مانا جاتا ہے اس پر تنقید کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ فوج کی ایک کمپنی ایک طرف سے حملہ کرتی ہے اور دوسری دوسری طرف سے ان کے کمانڈر اپنی ہی کمپنیوں کو جو حکم دیتے ہیں وہ صحیح ہیں۔ ان پر یہ بحث کرنا کہ فلاں نے درست حکم دیا اور فلاں نے غلط یہ اصول جنگ کے خلاف ہے۔ یہ ترجمہ ہے فباذن اللہ کا یعنی جنگ کا جو قانون اللہ تعالی نے عقلمندوں کو دیا ہے یہ اس کے اندر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اللہ نے کاٹنے کا حکم دیا اور کسی کو نہ کاٹنے کا۔ اللہ حزب اللہ کے کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اللہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔

۶۔ فما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما او جفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شی قدیر

ترجمہ اور جو مال اللہ نے اپنے رسول پر ان (کفار) سے لوٹا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ولیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ دیتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

الحشر کا اصل موضوع

یہ آیات نمبر۶ تا ۱۰ اس سورۃ (الحشر) کا بحث اصلی ہیں سورہ مجادلہ میں صحیح اصول عقلی اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر حزب اللہ کے قیام کی توضیح کی گئی تھی مگر ایسی جماعت اموال واقتصادیات کے اشتراک کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں حزب اللہ کے فنڈ کی تشریح کی گئی ہے۔

یہود جب خارج البلد ہوئے تو وہ تمام اٹھانے کے قابل چیزیں لے گئے اور اراضی اور چاہات (کنویں) باقی رہ گئے یہ چونکہ لڑائی کے بغیر ہاتھ آئے تھے اس لئے ان کو فے کا مال قرار دیا گیا۔ ان آیات نمبر(۶ تا ۱۰) میں مال فے کی تقسیم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم سورہ انفال میں کی گئی ہے اور مال فے کی تقسیم اس سورت (الحشر) میں کی گئی ہے۔

فے کی تعریف

اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ چونکہ تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر یہ مال حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالی نے مخالفین کے دلوں میں رعب ڈال دیا (اس رعب میں ان مسلمانوں کا بھی کچھ اثر ہے جو اس وقت جنگ میں شریک نہیں ہیں) اس لئے اس طرح حاصل شدہ مال فقط سپاہیوں کا حق نہیں ہوگا بلکہ سب مسلمانوں کا حق ہوگا۔

فے کی اراضی کس کی ہیں

اپنے رسولوں کو ہمیشہ اللہ تعالی غالب کرتا ہے۔ وہ اس فتح کا معاوضہ اپنی ذات کے لئے نہیں چاہتے کہ اب یہ زمین ہماری ملکیت ہوگئی بلکہ اب وہ اس حزب اللہ کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس حزب اللہ نے اپنے اپنے تھوڑے تھوڑے صدقات سے مالی اساس قائم کی تھی۔ (المجادلہ ۱۳)

اب خدا نے اپنے فضل سے زمین دے دی۔ یہ زمین اس حزب کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حزب اللہ کی ترقی کی رفتار ہے یعنی پہلے حملہ کرنا جائز ہوگیا اور نیز فتوحات میں سے اجتماعی فائدہ پہنچا۔ پہلی فتوحات میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا وہ سب سپاہیوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ اب وہ اجتماعی حق بن گیا۔

انقلاب کی حقیقت

یہ ہے انقلابی قوت' اس کا نام لڑائی نہیں ہے اس کا نام انقلاب ہے لڑائی تو لڑائی کے اصولوں پر لڑی جائے گی اور سپاہیوں کو مال غنیمت دیا جائے گا یا تنخواہ دی جائے گی۔ مگر انقلاب میں فقط میدان جنگ میں لڑنے والا حصہ کام نہیں کرتا۔ بلکہ نہ لڑنے والا

حصہ بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً" وہ پروپیگنڈہ کرکے فوجوں کی مدد کرتا ہے یہ جو مخالفین کے دلوں میں رعب پڑا یہ پروپیگنڈہ کرنے والے حصے کی برکت سمجھی چاہئے اسی کی طرف آیت نمبر۵ میں اشارہ ہے کہ کاٹنا اور نہ کاٹنا دونوں جائز ہیں کیونکہ لڑنے والا حصہ فوجی ضرورت کے پیش نظر درختوں کو کاٹتا ہے۔ اور نہ لڑنے والا حصہ مستقبل کے استفادے کے پیش نظر نہیں کاٹتا۔

نمبر۷۔ ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نهکم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شدید العقاب

ترجمہ جو مال اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے لوٹایا تو وہ اللہ کیلئے رسول کے لئے قرابت والوں کے لئے یتیموں کی لئے محتاجوں کے لئے اور مسافر کیلئے ہے تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان گردش میں نہ رہے اور جو تم کو رسول دے تو لے لو اور جس سے منع کرے تو چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

مال فے کے پانچ حصے

مال فے کے مندرجہ ذیل پانچ حصے ہوں گے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ رہیں

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربی بحیثیت رسالت

الف (۱) للفقراء المهجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم

(۲) والذین تبوء والدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم

(ب) والذین جاء و من بعدهم

(۳) والیتمی

(۴) والمساکین

(۵) وابن السبیل

اللہ کا حصہ "تبرکا" ہے

اللہ کا یہ حصہ "تبرکا" ہے۔ گویا مال فے کسی کا ذاتی اور شخصی حق نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اللہ ہی کا سب کچھ ہے۔ کیونکہ بادشاہی اللہ کی ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ اس لئے ملکیت بھی اللہ کی ہے۔ پس اللہ کے بندوں کو تغلب دکھانے کا کون سا موقع ہے۔

اس کے بعد مال فے کے عملی طور پر پانچ حصے کئے گئے۔

رسول اللہ کا حصہ: آپ کے بعد کس کا؟

(۱) ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ خاندان نبوی اور جو ذوالقربیٰ ہوئے وہ اس حصہ میں سے حصہ پائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا جانشین ان کے حصے کا حقدار ہے یا نہیں؟ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے اپنے آپ کو اس حصے کا حقدار مقرر نہیں کیا مگر سیدنا حضرت عثمانؓ نے حصے کا مالک قرار دیا۔

ذوی القربیٰ

(۲) ذوی القربیٰ یعنی وہ لوگ جو امور رسالت میں شریک کار ہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ یہ آپ کے شخصی رشتہ دار نہیں ہیں۔ شخصی رشتہ داروں کو آپؐ کے حصے میں سے ملے گا۔ پس ذوی القربیٰ سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا شاف ہے۔ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار وہ ہے جو آپ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے جتنا وہ اپنے ماں باپ سے کرتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

لایوٴمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (الحدیث)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ اپنوں کا سا معاملہ کریں گے اور ان کی حاجات کی کفالت ذوی القربیٰ کی طرح کریں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرا نے خادمہ طلب کی تو فرمایا کہ انصار کے یتیموں کو تم سے زیادہ ضرورت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی کی ضرورت

اگر کتاب الٰہی کی اشاعت کو پارٹی پروگرام میں منضبط کرلیا جائے۔ جیسے ہم سورہ مجادلہ میں حزب اللہ کی تاسیس سے استنباط کرچکے ہیں اور انسانی عقلمند جماعتوں کا فیصلہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی کی آمریت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا تو انبیاء کرام کی کامیابی کو ان کی پارٹیوں کی کامیابی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انبیاء کرام اپنی پارٹیوں کے لیڈر ہوتے ہیں اس لئے دنیا غلطی سے رہنما کو ڈکٹیٹر سمجھ لیتی ہے۔ حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقا کی کامیابی کے بغیر کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاء کی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت نمبر۲۶ ملاحظہ ہو۔

قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الارض فلا تاس على القوم الفسقين

ترجمہ اللہ نے فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے وہ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے۔ سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر

حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت پر ربط آیات میں تحریر فرمایا اگر یہ (بنی اسرائیل) ایسے ہی ڈرپوک اور بے حس ہوگئے ہیں تو ان کو ارض مقدس کی بادشاہی دینے سے کیا نفع ہوگا؟ لہٰذا سزا کے طور پر یہ چالیس سال یہاں جنگل میں پھریں تاکہ بے غیرت اور بے حس بڈھے مرجائیں اور ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہو۔ وہ جاکر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جمالے۔

ادھر قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو الذین معہ کی کامیابی پر منحصر کرتا ہے۔

الف لکن الرسول والذین امنو معہ جا ھدوا باموالھم وا نفسھم واولئک لھم الخیرات واولئک ھم المفلحون اعد اللہ لھم جنت تجری من تحتھا الا نھر خلدین فیھا ذلک الفوزا العظیم

(سورۃ التوبہ آیت ۸۸' ۸۹)

ترجمہ لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں اللہ تعالٰی نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

(ب) محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین امنوا و عملو الصالحات منھم مغفرۃ و اجراً عظیما (سورہ الفتح)

ترجمہ محمدؐ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع و سجود کررہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔ یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے قوی کردیا۔ پھر موٹی ہوگئی۔ پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کسانوں کو خوش کرنے لگی۔ تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربٰی کون ہیں

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی کامیابی ان کے حزب کی کامیابی ہی ہوتی ہے اس کے بعد اگر یہ پوچھا جائے کہ رسولؐ کے ذوی القربٰی ہیں؟ تو بلا تامل یہی جواب دیا جائے گا کہ "اسؐ کی پارٹی کے ممبر" مگر ایک ایسا آدمی جس نے انبیاء کی کامیابی کا ایسا نقطہ نگاہ سے مطالعہ نہیں کیا۔ کہے گا "رسول اللہ کے شخصی رشتہ دار"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قربی

نبی اکرم کے نسبی رشتہ دار اولاد بنی ہاشم اور پھر اولاد علیؓ اور اولاد عباسؓ ان کی سیاست کا مخصوص انداز یہی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے طریق پر خلافت قائم کرکے آپ اس کے مرکز میں آنا چاہتے تھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استحقاق کی ہر گز صراحت نہیں فرمائی۔ بنی امیہ کی خلافت کے زمانے میں بنی ہاشم حزب مخالف کی حیثیت اختیار کرچکے تھے۔ اب انہوں نے جماعت کے ذریعے سے کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد دو حصے ہوگئے (۱)بنی عباس (۲) علویین

نسبی قربی کسی ترجیحی حق کے مستحق نہیں

بنی عباس نے مرکزی خلافت پر قبضہ کرلیا اور علویوں نے اطراف مملکت پر علوی

آیت قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (سورہ الشوریٰ آیت ۲۳)

ترجمہ کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے)۔۔۔۔میں ذوی القربیٰ سے اپنی ذات مراد لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اجر یہ ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی حکومت قیامت تک تمام مسلمانوں کے گلے میں پڑی رہے خواہ وہ حکومت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کا اجر یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے اقرباء سے محبت سے پیش آنے لگیں۔

واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والا رحام ان اللہ کان علیکم رقیبا

(سورۃ النساء آیت نمبرا)

ترجمہ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں کے بارے میں سے خبردار رہو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

شریعت اسلامیہ کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ دعوۃ الی اللہ ہے اللہ کے احکام کا اتباع

ہے اور ان کا انصاف کے ساتھ قیام ہے۔ شریعت الٰہیہ کا دوسرا جزو اعظم جو اس سے متفرع ہوتا ہے صلہ رحمی ہے یعنی اہل حق کے حقوق بے کم وکاست ادا کئے جائیں انسانی فطرت اسی پر مجبور ہے اور قرآن حکیم اس فطرت انسانی ہی کے تقاضے پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے اگر یہ فطرت خراب ہوجائے تو انسانیت خراب ہوجاتی ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے فرماتے ہیں کہ میری رسالت کا اجر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم آپس میں صلہ رحمی کرو اور اس باب میں گمراہی میں مبتلا نہ ہوجاؤ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ واضح موجود نہیں ہے کہ مودۃ فی القربیٰ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ مودۃ ہے۔

مودۃ فی القربیٰ کا اصل مفہوم

اس دعوت کی کہ لوگ اپنے اپنے اقربا کے حقوق ادا کریں یہ حکمت تھی کہ لوگ اس پر مطمئن تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں ہمارا ہی نفع ہے۔ پس اہل بیت اور سب مائیں اس دعوت کو سنتی تھیں کیونکہ قطع رحم سے سب سے زیادہ نقصان امہات ہی کو پہنچ سکتا ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ وسعی اصلاح کا اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتے کہ ہماری اولاد ہماری خدمت کرے تو وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہوجاتی تھیں۔ جو شخص مکہ معظمہ میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار کا مطالعہ کرے وہ اس چیز کو نہایت بین پائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قل ما سلتکم من اجر فھو لکم

(سورہ السبا آیت نمبر ۴۷)

ترجمہ کہہ دیجئے میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تم ہی رکھو

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے انبیاء کی طرح امت سے کوئی مادی یا غیرمادی اجر طلب نہیں کرتے۔ وہ تو ساری عمر یہی فرماتے جاتے ہیں کہ ان اجری الا علی

اللہ السبا نمبر ۴ الفرقان نمبر ۵۷ یوسف نمبر ۱۰۴ یونس نمبر ۷۲ ہود نمبر ۵۱) یہی سنت انبیاء ہے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ حقدم فی الا سلام ہونے کی وجہ سے بنو ہاشم مجموعی سے افضل واولی ہیں، بشرطیکہ ان میں شرائط خلافت پائی جائیں۔

الغرض قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی رشتہ داروں کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس لئے ان سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو حضورؐ کی تحریک میں جان ومال لٹا کر شریک ہوتے ہیں۔ وہ حزب اللہ کے مندرجہ ذیل تین اجزاء ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین قسم کے ذوی القربیٰ

۱۔ مہاجرین۔ آیت نمبر ۸

۲۔ انصار آیت نمبر ۹

۳۔ تابعین باحسان آیت نمبر ۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پوزیشن

یہ تینوں قسم کے لوگ ذوی القربیٰ کی تفسیر ہیں۔ فے میں سے جو حصہ ۵؍۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہ کافی بڑی مقدار ہے۔ یہ اس لئے دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی یعنی نسبی رشتہ دار بہت سے ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طبعی حقوق ہیں۔ ان کے مصارف اس حصے میں سے نکلیں گے۔ ذی القربیٰ کا جو ۵؍۱ حصہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اور نسبتی رشتہ داروں کے لئے نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تو یہ ہے کہ وہ اپنا ذاتی پانچواں حصہ بھی کبھی پورا وصول نہیں کرتے بلکہ ازواج مطہرات اور قریبی رشتہ داروں کے واجبی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ رقم پھر یتامی اور مساکین کے حصے میں

لوٹا دیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ خیال بنانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵/۱ حصہ اپنے ذاتی نام سے اور ۵/۱ حصہ اپنے ذوی القربیٰ کے نام سے لیتے ہیں یہ اس پرانی سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے شہنشائیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بنی ہاشم میں چند آدمی اس خیال کے ضرور پیدا ہو گئے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کو کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسلی حق جس کے بعض بنی ہاشم مدعی تھے قائم نہ ہو سکا۔ یہ اسلامی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا شرف ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بعض بنی ہاشم کی پالیسی چل جاتی تو ساری دنیا یہی کہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کرکے اپنے خاندان کے لئے چند روزہ شہنشاہی پیدا کرلی۔

حضرت ابو بکرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

بعض بنی ہاشم نے بہت عقلمندی سے اپنی اس رائے کی رہمائی کے لئے حضرت فاطمہ الزہراؓ کو انتخاب کیا اور انہیں میراث کا مدعی بنا کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیجا حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی سے انکار کردیا۔ اور کہا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کو نفقہ دیتے تھے میں بھی دیتا رہوں گا اس سے زیادہ تمہارا کوئی حق قائم نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکرؓ کی عقلمندی اور استقامت نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالیا۔ بعض بنو ہاشم کے اتباع اسے اچھا نہیں سمجھتے مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ روپیہ کیوں نہیں کماتے

یتامیٰ کے لئے روپے کی ضرورت

(۳) یتامیٰ۔ جو لوگ جہاد میں شریک ہوکر شہید ہوں ان کے بچوں کی کفالت اور تربیت کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا ضروری ہے۔

مساکین کے لئے روپے کی ضرورت

(۴) مساکین۔ اسباب و موانع کی وجہ سے جو لوگ کامیاب نہ ہو سکیں انھیں اتنی مدد دی جائے کہ وہ اپنے پیشے اور کام کے آلات فراہم کرکے اپنا کام جاری کر سکیں۔ ایک کاریگر کے پاس اپنے کام کرنے کے اوزار نہ ہوں تو وہ ضائع ہو جائے گا اسے اس فنڈ سے روپیہ دینا جائز ہے۔ اس کے بعد وہ قوم کا ایک مفید فرد بن جائے گا۔

ابن السبیل سے کیا مراد ہے؟

(۵) ابن السبیل۔ پراپیگنڈہ جس قدر ضروری ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں پراپیگنڈہ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی خوشی سے ملنے آئیں اور سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں ان کا خرچ اس فنڈ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی سیاحت مسلمانوں کا عمومی فرض ہے۔ سیروافی الارض کی بار بار تاکید کی گئی ہے کہ جو شخص یہ فرض ادا کرنا چاہتا ہے اس کا نفقہ مسلمانوں کے ذمے ہے۔ قرآن حکیم میں السائحون (سورہ توبہ) کے علاوہ سائحات (سورہ تحریم) کا بھی ذکر ہے کیونکہ تنظیم ملت محض مردوں ہی سے نہیں ہوتی بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں سے ہوتی ہے۔ سیاحت سے غیر مسلم اقوام کے مکائد کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ اطلاعات مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ بعض اوقات ممالک غیر سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ ملت اسلامیہ میں اسے شائع کیا جائے۔ حج کی تشریح اس غرض کو بہت حد تک پورا کرتی ہے۔

کی لا یکون دولتہ بین الا غنیا منکم (تاکہ وہ تمہارے اغنیا ہی میں دست بدست منتقل نہ ہوتی رہے)

اسلام اور سرمایہ داری

پارٹی کا جو مرکزی خزانہ جمع ہو رہا ہے اگر اس میں یتیم مسکین اور ابن السبیل کو بھی وہی حق دے دیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین ومتوسلین کو دیا جاتا ہے تو سرمایہ داری کی ظاہری صورت بھی ختم ہو جائے گی۔

سرمایہ دار لوگ اپنا تفوق جتانے کے لئے اپنی سوسائٹی علیحدہ کر لیتے ہیں۔ یہ طریق بتدریج سرمایہ داری کے تغلب کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب روپیہ ان کے ہاتھوں میں سے علیحدہ نہیں آتا بلکہ یتیم اور مسکین کو بھی اس میں برابر کا شریک بنادیا گیا ہے تو سرمایہ داری بنیادی طور پر اسلام میں نہیں آئے گی۔

عادلانہ تقسیم

اس تقسیم سے فیئی کی دولت غربا اور مساکین میں بٹ جائے گی۔ جو غنائم قتال کے بعد حاصل ہوں ان کا ۵/۴ حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔ لیکن فے کا کل مال فقراء میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح فقراء اور اغنیاء دونوں کے لئے آمدنی کے مستقل ابواب معین ہوں گے اور یوں حزب اللہ کا قیام تقویٰ پر رہا۔ یعنی منصفانہ تقسیم پر (المجادلہ ۹)

اراضی فے اور حقوق کاشتکاری

فے میں جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گی ان میں زمین پر کاشتکاروں کے حقوق مسلم رہیں گے۔ اس کی صورت یوں خیال کی جاتی ہے کہ "ملک میں ایک حکومت متغلب تھی اسے اس پارٹی نے شکست دے کر زمین کی حکومت کا چارج لے لیا یہ اراضی ان کاشتکاروں کے قبضے میں سے نہیں نکالی جائے گی" کیونکہ وہ اس اسلامی انقلابی پارٹی سے براہ راست نہیں لڑے وہ ایک متغلب حکومت کے ماتحت تھے۔ اس کے دباؤ سے جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ جب اس حکومت کو شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلم

حکومت کو اپنے اوپر اس طرح تسلیم کرلیا جس طرح پہلی منقلب حکومت کو مانتے تھے ان لوگوں کو جو زراعت پیشہ ہیں زراعتی حقوق سے محروم کرنا خطرناک غلطی ہوگی۔ پس یہ زمین اپنے کاشت کاروں سمیت اس نئی حکومت کے قبضے میں آئے گی۔ یہ گورنمنٹ کاشت کاروں سے جو حق وصول کرے گی وہ اس پارٹی کے ارکان میں تقسیم ہوگا۔ زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اگر یہ کاشت کار نااہل ثابت ہوں تو دوسرے کاشتکار ان کی جگہ لگا دیئے جائیں گے مگر وہ ہوں گے اسی ملک کے لوگوں میں سے۔ اس طرح اسلامی انقلاب نے اپنے ماتحت ہوم رولر جماعتیں پیدا کرلیں۔ اسلامی حکومت اصل میں وحدانی حکومت نہیں جیسے ایک قوم کی ہوتی ہے بلکہ وہ ایک انٹرنیشنل حکومت ہے۔

زمین پر ملکیوں کا حق مسلم

ہر ایک ملک کی زمین سے سب سے پہلے اہل ملک فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ حق ملکیوں کے لئے مسلم رکھا گیا ہے مگر وہ کاشتکاری کرکے ہی فائدہ اٹھائیں گے۔ حکومت اس پارٹی کی ہوگی جو ملک کو فتح کرے گی۔ ملکیوں میں سے جو لوگ اس پارٹی میں شامل ہوتے جائیں گے وہ حکومت میں حصہ لے سکیں گے۔ اس طرح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ کاشتکار اسلام قبول کرکے اپنے ملک کے پورے مالک بن جائیں گے۔

اسلام کو ان لوگوں کی اصلاح پیش نظر ہے ان کی اراضی پر قبضہ کرکے کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ ان کے ملک میں ایک غلط نظام حکومت کرتا تھا۔ اسے توڑ کر صحیح نظام پر چلنے کی آسانیاں بہم پہنچادیں۔

اراضی کی کاشت سے دو حصے حاصل ہوں گے۔

(ا) ایک حصہ پیداوار کاشتکاروں کے قبضے میں جائے گا اس سے حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہوگا اور کاشتکاروں سے زمین چھین کر دوسرے ملک کے کاشتکاروں کو نہیں دی جائے گی۔ جب تک وہ حکومت کا حق ادا کرتے رہیں ان کی اراضی ان کے قبضے میں رہیں گی۔ خود اس ملک کے دوسرے کاشتکاروں کو بھی ان کی اراضی چھین کر نہیں دی جائے گی۔

(۲) پیداوار کا دوسرا بڑا حصہ حکومت کے خزانے میں جائے گا۔ ہماری فقہی اصطلاح میں اس کا نام "خراج" ہے۔ اس کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔ یہ کاشت کار اور حکومت کے درمیان مصالحت سے طے ہو سکتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جنس میں ادا کرنا اسے "مقاسمہ" کہتے ہیں۔ (۲) نقدی کی صورت میں ادا کرنا اسے "خراج مؤظف" کہتے ہیں۔

خراج کا مصرف

خراج سے جو آمدنی سرکاری خزانے کو ہوگی وہ عام مسلمانوں کے فوائد میں استعمال کی جائے گی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کسی خاص شخص کا کوئی حق نہیں مانا جائے گا۔ یہ فقہ حنفی کے عام مسائل ہیں جو ممالک اسلامیہ میں معمول بہ ہیں۔ جس پارٹی نے اپنا خون دے کر انقلاب برپا کیا ہے اسے زندہ رکھنے کے لئے اسے روٹی دینا ضروری ہے۔ اس لئے یہ اس کا حصہ ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا دانشمندانہ فیصلہ

جب عراق کی اراضی فتح ہوئیں تو وہاں کسریٰ کی حکومت متغلب تھی اور ملکی کاشتکار ہی اراضی کی مالک تھے۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ زمینیں ہمیں تقسیم کردی جائیں۔ سیدنا عمرؓ نے نہایت دور اندیشی سے کام لے کر مجاہدین کا یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی رائے تھی کہ ان زمینوں کی آمدنی مسلمانوں کی فوجی قوت اور سلطنت کا نظام قائم رکھنے والی طاقت کے لئے وقف کردی جائے تاکہ انقلاب کو اور آگے بڑھا سکیں۔ مگر جن لوگوں کا مطالبہ تھا وہ راضی نہ ہوتے تھے اس پر بارہ ماہ برابر جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ کو یہ آیت (الحشر) یاد آئی' سیدنا عمرؓ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ یہ چیز تو سارے مسلمانوں کی ہے فقط مجاہدین کی نہیں ہے اس لئے تقسیم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اس تشریح پر سب متفق ہو گئے۔

درس و اعتبار

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مفتوحہ زمینیں شخصی ملکیت میں نہیں دی جا سکتیں اور یہاں سرمایہ داری ذبح ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعی کی رائے

یہ مسئلہ شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی اساس ہے انہوں نے "ازالۃ الخفاء" میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے شاہ صاحب نے اس رسالے میں حضرت عمر بن الخطاب کا جو مذہب لکھا ہے اس میں حضرت امام شافعی کی یہ رائے بتائی ہے کہ یہ زمین قابل تقسیم مانی جانی چاہیے۔ یہ عربی نیشنلزم ہے وہ عرب نیشن ہی کو ساری دنیا پر غالب بنانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام ممالک پر عربوں کا مستقل قبضہ ہو اور وہی ساری دنیا کے جاگیرداری کے اصول پر مالک مان لئے جائیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ملک فتح کیا ہے۔ کیا یہ وہی شہنشاہی نہ ہو گی جو قیصر و کسریٰ کی تھی اور جسے برباد کرنے کے لئے قرآن آیا؟ مگر شاہ صاحب حضرت امام شافعی کے اس فکر کا نہایت عقلمندی مگر نہایت شدت سے رد کرتے ہیں اور یہاں سے ان کی قوت اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ائمہ احناف کی رائے اور شاہ ولی اللہ

اتفاق کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف امام شافعی کے موافق نہیں ہیں۔ شاہ صاحب ان کی طرف داری کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنت کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی تھی۔ ہندوستان کی تمام زمینیں خراجی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تقسیم شخصی نہیں ہو سکتی۔ مگر پچھلے بادشاہوں نے اپنی کمزوری کے سبب سے اس اصول کو توڑ دیا اس لئے ان کی سلطنتیں برباد ہو گئیں۔

کیا اکراہ فی الدین جائز نہیں؟

اسلام ایک انقلاب لاتا ہے۔ اس کی انقلابی پارٹی اپنی ڈکٹیٹر شپ پیدا کرنے کے لئے لڑتی ہے۔ ہم اسے اعلانیہ قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے قانون کی اتنی بھی عزت نہیں کر سکتے کہ اس کے جبری غلبے کے حامی ہوں تو پھر ہمارے انقلاب کی کامیابی معلوم! قرآنی قانون کے ماتحت جو غلبہ حاصل ہو گا قرآن اسے جبر قرار نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے لا اکراہ فی الدین' قد تبین الرشد من الغی۔ البقرہ ۲۵۶) اس آیت کا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے یہ کیا ہے کہ قد تبین الرشد کو لا اکراہ کی علت بنایا ہے یعنی چونکہ قرآنی ہدایت اس کی مخالف قوتوں کی گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے اس لئے تھوڑے سے جبر کو جبر نہیں کہنا چاہئے۔ کیا انسانوں کو تباہی کے منہ میں دے دیا جائے اس لئے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ جبر کر رہے ہیں؟ جب غلامی طبیعتوں میں راسخ ہو جائے تو آزادی ان کو جبراً ہی دینی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ اگر رباء (سود) کو جبراً بند کرنے کا حکم بھی ملا دیا جائے تو یہ دو حکم سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔

فلسفہ ولی اللہ اور انقلاب

اسلام کا یہ وہ انقلاب ہے جسے حضرت شاہ صاحب کا فلسفہ اپنا اساس قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ انسان کی تمام ضرورتیں تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً خدا شناسی اور رشتہ داروں کے حقوق کو انسانی فطرت کے مطابق تسلیم کرتا ہے مگر اموال میں یہ انقلاب تمام دنیا میں عدل کو جاری کرنا چاہتا ہے ہم اس فلسفے کو اساس بنا کر تمام دنیا کو مسلمان بنا سکتے ہیں۔ ایک حصہ تو اس تحریک کو ظاہراً اور باطناً قبول کرے گا۔ اور باقی ہمارا دوست ہو جائے گا۔ اور پھر وہی مسلم اور ذمی کی تقسیم ہو کر اسلام آج کے زمانے میں بھی غالب آسکتا ہے(وما ذلک علی اللہ بعزیز)

آیت نمبر۸ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئک هم الصدقون۔

ترجمہ۔ (یہ مال) ان وطن چھوڑنے والے ضرورت مندوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے ہوئے آئے ہیں' اللہ کا فضل اور رضا مندی ڈھونڈھتے آئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' وہی لوگ سچے ہیں۔

آیت نمبر۹ والذین تبوءوا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدلن فی صدورھم حاجتہ مماالتوا فیو ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصتہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون

ترجمہ۔ اور (مال فے) ان لوگوں کے لئے جوان سے پہلے اس گھر (مدینہ) اور ایمان کو ٹھکانہ بنا چکے محبت کرتے ہیں ان سے جو ان کے پاس ہجرت کر آئے اور اس سے اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیدی جائے اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اور اگرچہ ان پر فاقہ ہو' اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچالئے گئے تو وہی مراد پانے وائے ہیں

آیت نمبر۱۰ والذین جائوا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا با الایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاللذین امنو ربنا انک رئوف رحیم

ترجمہ۔ اور (مال فے) ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے بیر نہ رکھ اے رب تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔

ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر

مذکورہ بالا یہ تینوں آیات ذوی القربیٰ کی صحیح تفسیر ہیں۔۔۔۔ یعنی رسالت کے قریبی رشتہ دار یہ لوگ ہیں۔ تیسری شق (والذین جاء ومن بعد ھم) میں قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں الفقراء المھاجرین اور الذین تبوء الدار والایمان یہ انقلاب کی مرکزی طاقت ہے۔ انہیں کسی اور جگہ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار (التوبہ! ۱۰۰) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انقلاب اور اسلام کا لزوم

اگر یہ ہماری سمجھ صحیح ہے کہ قرآن حکیم ایک انقلابی پروگرام دیتا ہے تو پھر اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں ہے کہ مسلمان کسی زمانے میں بھی انقلاب سے غافل نہیں ہو سکتے اور قرآن کے انقلابی نظریات کو چھوڑنے والے مسلمان قرآن حکیم کے حامل نہیں کہلا سکتے بلکہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کے پس افتادہ حصے ہی بن سکتے ہیں' مگر قرآن حکیم کی تحریک کو آگے چلانے والے لوگوں میں ان لوگوں کا ہرگز شمار نہیں ہو سکتا جبکہ وہ قرآن کے انقلاب کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اسے چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مجددین اور انقلاب

جو لوگ ہر صدی میں نیا انقلابی نظام لائیں گے وہ اسلامی زبان میں مجددین کہلاتے ہیں۔ الف ثانی کی تجدید ہندوستان میں حضرت شیخ احمد سرہندی سے شروع ہوئی اور امام ولی اللہ نے اسے مکمل کیا۔ ہندو پاکستان کے لئے یہی ایک نظام ہے جس میں وہ اسلام قائم رکھ سکتا ہے اور جس پر چل کر وہ اپنی حکومت پیدا کر سکتا ہے۔ مگر سیاسی فکر کی کمزوری کی وجہ سے لوگوں نے امام الہند ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ اگرچہ یہ لوگ شاہ صاحب کی علمی تحقیقات کو اول درجے پر مانتے رہے مگر وہ شاہ صاحب کے انقلابی کارناموں پر متنبہ نہیں ہوئے۔ اب اگر ان کو نئے سرے سے متنبہ پیدا کر دیا جائے تو یقین ہے کہ وہ فائدہ حاصل کرنے میں کوتاہ نہیں رہیں گے۔

مہاجرین کا حصہ فے میں

للفقراء المهاجرين۔ یہ ذوی القربی کا پہلا حصہ ہیں یہ قریش کے محتاج لوگ ہیں جنہوں نے تحریک اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا اور عسرت و فقیری قبول کی جو لوگ مکہ معظمہ چھوڑ کر آنا چاہتے تھے اہل مکہ ان کو روپیہ پیسہ ساتھ لے جانے نہیں دیتے تھے۔ مہاجرین

(رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے خالی ہاتھ جانا منظور کیا اس سے وہ محتاج ہو گئے۔ اسلامی انقلاب کی یہ سب سے پہلی مرکزی طاقت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت رسالت ذوی القربیٰ ہیں۔ یہاں ان کی دو صفتیں بیان کی گئیں ہیں۔

فضل اور رضوان

(ا) یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ وہ اللہ کا فضل چاہتے ہیں وہ معمولی ضرورتوں پر اکتفاء کرنے پر صبر نہیں کرتے؟ وہ دنیا میں (اور اس نتیجے کے طور پر آخرت میں بھی) بلند مرتبے پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں یعنی اللہ کا قانون دنیا میں نافذ کرنے پر مسرور ہیں۔ اگر وہ اپنے وطن میں اس قانون کو حاکم نہیں بنا سکتے تو ایسی جگہ کو چلے جاتے ہیں جہاں بیٹھ کر وہ یہ کام کر سکتے ہیں مگر رضا ان کی اس میں ہے کہ قانون الٰہی دنیا میں سربلند ہو۔

نصرت

وینصرون اللہ و رسولہ۔ وہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے قانون کی نصرت کو اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔

اولئک هم الصادقون۔ یہ سچے لوگ ہیں یہ اپنے ایمان کے مطابق کام کر کے دکھاتے ہیں اس لئے سچے ہیں۔ ایمان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے عمل میں لا کر دکھایا جائے۔ یہ لوگ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے واسطے نمونہ ہیں۔

والذین تبوء وا الدار والایمان۔ الایہ۔ (وہ لوگ جنہوں نے گھر بنا لیا دار الاسلام میں اور گھر بنا لیا ایمان میں)

دار الاسلام مدینہ منورہ

تبوء وا الدار۔ اللہ کے ہاں مدینہ دارلاسلام تھا۔ اس میں یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں کا مرکز بن کر کام کرے۔ وہ اس زمین پر گھر بنا کر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے دوسرے لوگوں (مہاجرین) کو دعوت دی کہ آجاؤ۔

محبت مہاجرین کا نتیجہ

یحبون من ھاجرا الیھم۔ جو لوگ اسلامی مرکز کے لئے ان کے ہاں آتے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں ان کو اپنے اموال و املاک میں شریک بناتے ہیں۔

سرمایہ پرستی سے نفرت

ولا یجدفن فی صدورھم حاجتہ مما اوتو۔ ان لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی طرف اپنے دل میں کوئی حاجت نہیں پاتے یعنی روپے پیسے کو اپنی حاجت کے لئے خزانہ بنا کر نہیں رکھتے یہ ہے اصل میں سرمایہ پرستی کی پوری ضد۔

ویوء ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصتہ

اگرچہ خود بھوک میں مبتلا ہوں مگر پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں

ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون

اور کلیہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ مال ہو دولت کے طمع سے اپنے نفسوں کو پاک کرلیں وہ اپنی علمی و ایمانی تحریکوں کو کامیاب بنا لیتے ہیں۔ بعض اوقات ایک صحیح تحریک محض اس لئے ناکام ہو جاتی ہے کہ اس کے کارکن مال و دولت کو اس تحریک سے زیادہ محبوب سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ مرکزی کمیٹی کا دوسرا حصہ تھا قریش کے سوا جتنی قومیں اسلام کی خدمت میں پہلے دن شریک ہوئیں وہ سب انصار میں شامل ہیں اور مدینہ طیبہ کے لوگ ان کا مرکز ہیں۔

انصار اور مہاجرین کا درجہ

تبوء وا الایمان- قرآن اور سنت کا علم جب مخاصمات و مقاتلات سے مجرد کر کے دیکھا جائے ایمان کہلاتا ہے- لیکن اس میں مخاصمات اور مقاتلات کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ اس علم کا استقرار و تمکن مقصود اصلی ہے چاہے اس کے لئے مقاتلہ کرنا پڑے یا مقاتلے کا انتظار کرنا پڑے- اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص قتل کرنا چاہتا ہے مصلحت وقتی کے لحاظ سے چند دن ترک قتال پر صبر نہیں کر سکتا وہ لزوم قتال کے وقت صبر کے ساتھ لڑ بھی نہ سکے گا- اصل میں مسلمان کے اندر یقتلون اور یقتلون دونوں کا عزم بالجزم ہونا ضروری ہے اس کے تمام اعمال اسی عزم بالجزم کے اندر ہوں- انصار کا وطن قبل ہجرت ہی علم القرآن کا مرکز بن چکا تھا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص (مصعب بن عمیر) کو وہاں تعلیم اسلام کے لئے بھیج چکے تھے- ان لوگوں نے حفاظت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیعت کی تو اس کے عوض فقط یہ طلب کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑیں گے نہیں- گویا انصار نے مہاجرین کو اول درجے پر اور اپنے آپ کو دوم درجے پر رکھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا شہر مہاجرین کی مدد ہی سے مرکز اسلام بن سکتا ہے- مدینہ منورہ پہلے فقط علمی مرکز تھا جب مہاجرین آگئے تو وہ سیاسی اور دینی دونوں قسم کا مرکز بن گیا- انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم مانا اور جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے مہاجرین اور انصار کے مجموعے کو اپنے پر مقدم کیا-

اب تیسری جماعت آتی ہے جو ہمیشہ پیدا ہوتی رہے گی-

انصار و مہاجرین کے لئے استغفار کا مطلب

جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اور پہلے بھائیوں کو بخشوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی بخش دے یعنی ہم سے اور ان سے جو غلطیاں ہوئیں وہ معاف فرما دے- والذین سبقونا بالایمان یہی مہاجرین اور انصار ہیں- بعد میں آنے

والے لوگ سابقین کی غلطیوں پر تنقید کرنا اپنا فرض قرار نہیں دیتے بلکہ اپنا فرض یہ قرار دیتے ہیں کہ ان کی خوبیوں میں شریک ہوں۔

جو شخص ان لوگوں کو اپنا مقتدا بنائے جو نبی نہ ہوں اور وہ شخص خود بھی صاحب رائے اور صاحب فکر ہو اسے ان مقتداؤں کے بعض اعمال و افعال میں گنجائش مقال مل سکتی ہے۔ اس صورت میں وہ ان کے اقتداء کو تسلیم کرتا ہے مگر ساتھ ہی ان کے لئے ان غلطیوں کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے اگر وہ ان غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرے تو پھر ان کا اقتداء نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان غلطیوں کو غلطیاں سمجھتا ہے اور ان کا ان غلطیوں میں اقتداء نہیں کرنا چاہتا۔ اور نہ ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ان مقتداؤں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ (ان غلطیوں کو چھوڑ کر) اور بہت سی باتوں میں قابل اقتداء ہیں اس لئے وہ ان کے لئے بھی اور اپنے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے۔

انقلاب کے اجزاء ثلاثہ

انقلاب کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) نصب العین (۲) پروگرام (۳) مرکزی کمیٹی

(۱) اسلام کا نصب العین تو یہ ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (الفتح۔۲۷)

(۲) اسلام کا پروگرام قرآن حکیم ہے۔

(۳) اس کی مرکزی کمیٹی السابقون الاولون من المھاجرین والانصار (التوبہ۔۱۰۰) کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر اور معتمدین تھے اور بعد میں ان کی جگہ جو کمیٹی کام کرے گی الذین اتبعوھم باحسان اس کے لئے انہی کا طرز عمل انقلاب میں قابل اقتداء ہو گا۔

انقلاب میں دھوکا

ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنو- ایمان والوں کے لئے ہمارے دلوں پر کوئی کھوٹ پیدا نہ ہونے لگے- ہم ان کو دھوکانہ دیں کہ نام تو لیں قرآنی انقلاب کا اور جمع کرنے لگیں سرمایہ- اور قوموں پر حاصل کریں تغلب جو ان سابقین بالایمان نے نہیں کیا- سرمایہ پرستی اور ملوکیت کی شکل پیدا کرنے کے سامان اسلام کے نام سے جمع کرنا کھوٹ اور دھوکا دغل ہے لوگ ہم پر اعتماد تو اس لئے کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو اصلی شکل میں قائم کر کے دکھائیں گے اور ہم ان کو دھوکا دے کر اپنی شہنشاہیت قائم کر لیں خدا کرے ایسا نہ ہو-

مال فے کی تقسیم کا سبب

ان کو یہ روپیہ کیوں دیا گیا؟ یعنی ساری قوم یا ساری پارٹی میں یہ روپیہ کیوں تقسیم کیا گیا ہے؟ اس کی غرض یہ ہے کہ اس پارٹی کو فکر معاش سے بے فکر کرنا مقصود ہے تاکہ وہ اپنے مخالفوں کے مقابلے کے لئے مضبوطی کے ساتھ تیار ہو جائے اس کے مخالفین اسلام کے خلاف جو بین الاقوامی پروگرام بناتے ہیں پارٹی ان سب کا مطالعہ کرتی رہے اور اپنی اور اپنے پروگرام کے تحفظ اور اسباب فراہم کرتی رہے اور دشمنوں کے مقابلے میں بین الاقوامی نظام پیدا کرے- اب یہ پارٹی دوسری قوموں کو اپنا ہم خیال بنا کر انصار کی جماعت میں شامل کرے گی اور اس سرمایہ کی مدد سے اپنا کام مستقل طور پر جاری رکھے گی-

آیت نمبر ۱۱ الم تر الی الذین نافقوا یقولون لا خوانهم الذین کفروا من اهل الکتب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدا ابدا فان قوتلتم لننصرنکم والله یشهد انهم لکذبون

قرآن کے خلاف بین الاقوامی محاذ

ترجمہ- کیا آپ نے نہیں دیکھا ان منافقوں کو جو اپنے بھائیوں اہل کتاب کے کافروں

یعنی یہودیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ اور تمہارے بارے میں کسی کا حکم کبھی نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہیں مدد دیں گے (اس طرح یہ مسلمانوں کے خلاف ایک بین الاقوامی محاذ پیدا کر رہے ہیں) مگر اللہ اس بات کو صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہے کہ یہ لوگ (منافقین) جھوٹ بولتے ہیں۔

منافق کون ہے؟

حزب اللہ کی تنظیم ہو جانے کے بعد وہ لوگ جو اس کے نظریات کے موافق نہیں ہیں وہ منافق ہیں یہ چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم کو سیاسی قوت حاصل نہ ہو۔

آیت نمبر۱۲ لئن اخرجوا لا یخرجون معھم ولئن قوتلوا لا ینصرونھم ولئن نصروھم لیولن الادبار ثم لا ینصرون

دو پیشگوئیاں

(ترجمہ) اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ اگر اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد میں کبھی کھڑے ہوں گے۔ تو وقت پر پیٹھ دکھائیں گے پھر ان (منافقین) پر جو تکلیفیں آئیں گی ان پر ان (منافقین) کو کوئی مدد نہ دے گا۔

آیت نمبر۱۳۔ لا انتم اشد رھبۃ فی صدورھم من اللہ ط ذلک بانھم قوم لا یفقھون

مضبوط مسلح جماعت کی ضرورت

(ترجمہ) البتہ خوف ان کے دلوں میں (اللہ کے خوف) سے زیادہ ہے یہ اس لئے کہ وہ نہیں سمجھتے ---

یہ لوگ قانون کی اس وقت تک عزت نہیں کرتے جب تک ان کوئی دھمکانے والا

نظر نہ آئے ۔ یہ لوگ قرآن حکیم کی حکومت کا انتظار کرنے کی خاطر یہودیوں سے اتصال کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمہارے خلاف خدا کا حکم بھی آیا تو ہم اسے بھی قبول نہ کریں گے اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ان کے دلوں میں خدا کے قانون کی کتنی وقعت ہے ۔ اس لئے مسلمانوں کی ایک بہت مضبوط جماعت قرآن حکیم کی حمایت کے لئے ہر وقت تیار رہنی چاہئے جو ان لوگوں کو اس قرآنی قانون کے احترام پر مجبور کر سکے

آیت نمبر ۱۴۔ لا یقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی ذلک بانھم قوم لا یعقلون۔

(ترجمہ) :۔ وہ سب مل کر قلعہ نما بستیوں یا دیواروں کی آڑ کے بغیر تم سے نہیں لڑ سکیں گے ان کی آپس میں لڑائی سخت ہے تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے اور ان کے دل جدا جدا ہیں یہ اسلئے کہ وہ عقل نہیں رکھتے

انقلاب اور جمود کا فرق

ان کی بے سمجھی کی یہ دلیل کافی ہے کہ آپس میں بھی متفق نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے وہ ایک انقلابی سوسائٹی کے قانون کا اصلی طاقت میں اندازہ ہی نہیں لگا سکتے ۔ انقلابی سوسائٹی کا قانون اس کے ہر ایک فرد کو ہر حرکت دے سکتا ہے اور ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قلعہ وار گاؤں یا دیوار کی آڑ کے سوا تم سے کہیں اکٹھے ہو کر لڑ بھی نہیں سکتے ان میں آپس میں سخت دشمنی ہے

(ہماری اس طبیعت کی بھی کبھی یہی حالت تھی ہم بھی اپنے فرقے کے سوا مسلمانوں کے کسی فرقے سے محبت نہیں رکھتے تھے ۔ جب سے ہمیں انقلاب کی سمجھ میں آئی ہے اس روز سے ہم اپنے میں یہ وسعت پاتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے فرقے والے ہمارے ساتھ انقلاب میں شریک ہو جائیں تو ہم ان پر پورا اعتماد کر سکتے ہیں ۔ ہم یہود کی اس

حالت کا حل یوں کرتے ہیں کہ وہ تورات کی انقلابی روح کو بھول چکے تھے۔ اب ہم مسلمانوں میں یہ بھی بے تکلف دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے جس حصے نے انقلاب بھلا دیا ہے اس کی حالت بھی اچھی نہیں رہی)

یہود کا ایک عیب

ذلک بانھم قوم لایعقلون انہوں نہ عقلی مسائل میں آزادی سے غور کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ جذبات اور اغراض کو سامنے رکھ کر عقلی قانون گھڑتے ہیں۔ وہ حقیقت میں عقلی قانون نہیں ہوتے۔ وہ فرضیات ہیں۔ عقلی قانون وہ ہیں جو تمام انسانی نوع کے لئے یکساں کام دیں۔

آیت نمبر ۱۵۔ کمثل الذین من قبلھم قریباذاقوا وبال امراھم ولھم عذاب الیم

یہود کے متعلق ایک پیشنگوئی

(ترجمہ) یہ لوگ (یہودی) اس طرح شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلے عنقریب شکست کھا چکے ہیں (یعنی قریش) اور ان کو دردناک عذاب ملے گا۔ یہ بہت تکلیفیں اٹھائیں گے یہ جلاوطن کردئے جائیں گے۔ ان کو مذہبی زندگی کے بغیر سکون نصیب نہ ہو گا۔ مگر کہیں (بغیر کسی تعاون کے) اپنے مذہبی نام سے گھر نہ بنا سکیں گے۔ اس طرح وہ دو گونہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔۔۔

آیت نمبر ۱۶۔ کمثل الشیطن اذقال لانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک انی اخاف اللہ رب العالمین

منافقین کی تمثیل

(ترجمہ) (یہ منافق یہودیوں کو جو لڑنے پر اکسا رہے ہیں) ان کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان کسی سے کہے کفر کر اور اب وہ کفر کر گزرے تو اس سے کہے بھائی میں تو تیرا ساتھ

نہیں دے سکتا میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔

آیت نمبر ۱۷۔ فکان عاقبتھماانھمافی النار خالدین فیھا وذالک جزاء الظالمین

(ترجمہ)۔ ان دونوں کی سزا یہ ہے کہ دونوں آتش جہنم میں جائیں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے ظالموں کی سزا یہی ہے

ظلم کرنے والا اور ظلم میں مدد کرنے والا دونوں ایک ہی درجے کے مجرم مانے جاتے ہیں

حزب اللہ کی زندگی کی دوسری منزل

یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے مخالفت و مخاصمت مشکلات کا پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ جو کل پیش آنے والا ہے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہے وہ کسریٰ و قیصر کا مقابلہ ہے اس لئے مسلمانوں کو محض انقلابی کام کے لئے وقف ہو جانا چاہئے۔ یہ آمدنی جس کی تقسیم اوپر (آیت نمبر ۷) بیان کر چکی ہے اس تیاری میں بہت مدد دے گی۔

اب دوسرے حصے پر بحث ہوتی ہے

آیت نمبر ۱۸۔ یا ایھاالذین امنو اتقوا اللہ ولتنظر نفس ماقدمت لغد۔ واتقو اللہ ان اللہ خبیر بما تعلمون

بین الاقوامی سرداری

مسلمانو! اللہ سے ڈرو (یعنی اس کے نام سے انصاف کا قانون دنیا میں جاری کرو) ہر ایک انسان اس امر پر غور کرتا رہے کہ اس نے کل کے لئے کیا چیز تیار کرنی ہے اور اللہ سے ڈرو یعنی اس کے نام پر انصاف جاری کرنیکا کام زیادہ زور سے کرو۔ اللہ تمہارے کاموں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے

یعنی جس قدر زور دار کام ہونا چاہئے وہ زور ابھی پیدا نہیں ہوا تم انصاف کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کرو ورنہ اقوام کی سرداری تمہیں نہیں مل سکے گی۔ تمہیں اپنی قوم کی سرداری کے لئے جتنا انصاف پسند ہونا چاہئے اقوام کی سرداری کے لئے اس سے کہیں

زیادہ انصاف پسندی کو ترقی دینا ضروری ہے۔

آیت نمبر۱۹۔ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم اولئک ھم الفسقون

اللہ کو بھولنے کا نتیجہ

(ترجمہ) تم ان لوگوں کی مثل نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا ۔ یہی لوگ نافرمان ہیں یعنی اللہ کے جس قانون کو مانتے تھے اس کے (احترام پر اپنی جان ومال قربان کرنے سے جی چرانے لگے) نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے اپنے نفس بھلا دیئے (یعنی اللہ نے ان کو اپنے ذاتی کمالات سے اندھا کر دیا ۔ ان کے اندر جو طاقت تھی وہ معطل ہو گئی وہ احساس کمتری (Inferiority Complex) میں اس قدر مبتلا ہو گئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے حالانکہ ان کے مخالف ان سے زیادہ قوت نہیں رکھتے ۔ وہ کر سکتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کر سکتے مگر خدا نے ان کو پہلے جرم کی سزا میں ان سے اعتماد علی النفس چھین لیا۔

اللہ کی یاد کا فائدہ

نسوا اللہ۔ کتاب اللہ کے موافق عمل کرنا بھول گئے ۔ قانون شکنی کرتے کرتے قانون الٰہی کو بھلا ہی بیٹھے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے اللہ کی کتاب کی ادنیٰ برکت یہ ہے کہ وہ ایسے افکار سکھاتی ہے جن پر انسانیت مجتمع ہو سکتی ہے ۔ انسان اگر کتاب اللہ کو یاد رکھے اور اس کے موافق عمل کرتا رہے تو وہ اجتماعی بن جاتا ہے -- لیکن جب اسے بھلا دے تو وہ اپنی اجتماعیت بھی بھول جاتا ہے اور انفرادیت پسند (Individualist) بن کر رہ جاتا ہے اسی حالت میں اس کی زندگی کا معیار کذب وخباثت بن جاتے ہیں ۔

بزدلی کس طرح پیدا ہوتی ہے

خدا ان کو اپنی ذاتی قوتوں سے غافل کر دیتا ہے۔ وہ اجتماعی قوت سے کام کر سکتے تھے لیکن اس کے متعلق خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نہیں کر سکتے کیونکہ اب وہ انفرادی الخیال (Individual minded) بن چکے ہیں۔ اجتماعیت کا خیال ان کے دلوں سے نکل چکا ہے اس لئے وہ کسی اجتماعی کام کے کرنے کا اپنے اندر یقین ہی نہیں پاتے۔

انہوں نے اجتماعیت کو چھوڑا تو انفرادی الخیال ہو گئے اس کے بعد رفتہ رفتہ ان میں احساس کمتری (Inferiority Complex) پیدا ہو گیا جو انفرادیت پسندی (individualism) کا لازمی نتیجہ ہے اب ان کو اس کا وہم وگمان بھی نہیں گزرتا کہ ہم بھی کوئی کام اجتماعی قوت سے کر سکتے ہیں۔

فاسق اور کافر میں فرق

اولئک ھم الفاسقون

(ترجمہ) یہ لوگ بدمعاش ہیں ----

جو لوگ قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں وہ تو کافر ہیں اور جو قانون کو تسلیم کر کے اسے نہ چلائیں بلکہ قانون شکنی کی عادت بنالیں وہ فاسق ہیں بدمعاش ہیں کبھی کبھار غلطی سے قانون کی خلاف ورزی کرنے سے انسان فاسق نہیں بن جاتا۔

آیت نمبر ۲۰۔ لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ ھم الفائزون

ترجمہ:۔ دوزخ والے اور بہشت والے برابر نہیں بہشت والے ہی کامیاب ہیں

مسلسل کام کرنیوالے اصحاب جنت ہیں

اصحاب الجنۃ وہ لوگ ہیں جو صحیح قانون صحیح طور پر جاری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہ لوگ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں مسلسل کوشش جاری رکھنے کے بعد حق پر بہت

جماعت کے لئے ناکامی کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے عارضی شکستیں جن کا وقاع ہو سکتا ہے پیش آسکتی ہیں مگر یہ جماعت دوسرا پہلو بدل کر ان کا بدلہ لے سکتی ہے اس لئے ان کو شکست نہیں مانا جاتا اور نہ اس قسم کی عارضی شکستوں (Reverses) سے دل ٹوٹنا چاہئے۔ ایسے لوگ ہی جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ فوز وکامرانی جماعت کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

آیت نمبر ۲۱۔ لوانزلنا هذا القران علی جبل لرایته خاشعا متصدعامن خشیته الله وتلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون

ترجمہ:۔ اگر ہم یہ قرآن ایک پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے دب جاتا پھٹ جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سناتے ہیں تاکہ وہ غور کریں

قرآنی انقلاب کی راہ میں دو پہاڑ

فوز حاصل کرنے کے لئے یقین محکم اور عمل پیہم کی ضرورت ہے قرآن حکیم وہ عظیم الشان انقلابی قوت ہے کہ اس کے آگے موانع کے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ موانع دو قسم کے ہیں۔

۱۔ کسی کی شہنشاہی صدیوں سے قائم ہے اور ایک پہاڑ کی مانند کھڑی ہے ادھر انقلابی جماعت بالکل بے سروسامان ہے۔

۲۔ القدس میں بنی اسرائیل کا دینی نظام صدیوں سے قائم ہے جس کی پشت پناہی قیصر کی شہنشاہیت کر رہی ہے۔ قرآن کی نئی دینی تحریک اس سازوسامان سے عاری ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کا نظام سرمایہ پرستی اور برہمنیت دونوں پر غالب آئے گا اور یہ دونوں پہاڑ پاش پاش ہو جائیں گے یعنی نہ سرمایہ پرستی (Capitalism) رہے گی نہ دینی سرمایہ داری (Brahmanism) جو یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے یہ دونوں تحریکیں انسانیت کے لئے سخت مضر ثابت ہو چکی ہیں ان کا برباد ہو جانا لازم ہے اہل فکر اس پر غور کریں

آیت نمبر ۲۲:۔ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو علم الغیب والشھادہ ھو الرحمن الرحیم

ترجمہ:۔وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے وہ بڑا مہربان رحم والا ہے

کامیابی کا مالک صرف خدا ہے

اس تمام کامیابی کا سہرا کس کے سر باندھا جائے؟ اس کا (Credit) کسی خاص انسان کو نہیں دینا چاہیئے اس کا مستحق وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسکا قانون انسانیت واضح ہے اس لئے اپنی رحمت سے ان کامیابیوں کا سلسلہ قائم کردیا ہے۔

عالم الغیب والشھادہ! وہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کا مستقبل اور قیصر و کسری کی موجودہ حالت اور دونوں کا مستقبل خوب جانتا ہے ان دونوں میں جو طاقت مفید ہوگی اسے وہ باقی رکھے گا اور دوسری کو اس مفید طاقت کے ہاتھوں پاش پاش کردے گا

اسکی رحمت تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔

نوع انسانی پر بھی اس کی رحمت چھائی ہوئی ہے۔

قرآنی انقلاب کائنات کیلئے رحمت ہے

یہ انقلاب تمام کائنات کے لئے بھی مفید ہے اور تمام انسانیت کے لئے بھی اگر قرآنی انقلاب دنیا میں جائے گیر ہوجائے انسانیت کے لئے باعث ہزار رحمت ہوگا۔ اگر انسانیت ٹھیک راستہ اختیار کرے تو اس کے ماتحت حیوانات ونباتات بھی زیادہ آرام سے رہ سکتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۳:۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن اللہ عما یشرکون

ترجمہ :۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں بادشاہ' پاک ذات' سب عیب سے سالم' امان دینے والا پناہ میں لینے والا زبردست دباؤ والا صاحب عظمت ان کے شریک

قرار دینے سے اللہ پاک ہے

حاکمیت اعلی صرف خدا کی ہے

ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو- معبود صرف اللہ ہی ہے۔ قانون اسی کا چلتا ہے پس اس کے سوا کوئی بھی اس نظام میں اپنی حاکمیت اعلی (Sovereignty) قائم کرنے کا حق دار نہیں ہے۔ تمام قانون چلانے والے اللہ کے نائب ہو کر کام کر سکتے ہیں۔

الملک۔ مُلک اسی کا مِلک اسی کی ہے' اس لئے وہی مُلک ہو سکتا ہے۔

القدوس۔ کسی شخص کو اس نئے نظام میں مقدس مان کر اسے خدا کا قائم مقام نہیں مانا جاسکتا' ورنہ وہی برھمنیت (Brahmanism) اور پاپائیت (Papasim) پیدا ہو جائیں گے جن کے استیصال کے لئے یہ نظام قائم کیا جا رہا ہے قدوس فقط ایک ہی خدا ہے

قرآنی تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی

السلام - چیزوں کو سلامتی کے ساتھ ترقی کی انتہا تک پہنچانا ثمرات پیدا کرنا تحریکوں کو کامیاب بنانا اللہ کا کام ہے جو السلام ہے انقلاب کے تمام نتائج پہلے ہی دن نہیں نکل آتے بلکہ بتدریج بعض نتائج سو سال کے بعد نکلتے ہیں اور بعض اس سے بھی بعد نکلیں گے - یہ پروگرام قیام انسانیت کے خاتمے تک اپنے نتائج پیدا کرتا رہے گا کیونکہ خدا تعالی جو سلام ہے اسے ہمیشہ سالم رکھنا چاہتا ہے -

تمام ادیان شروع شروع میں اچھی حالت ہی میں تھے مگر قوموں کے تداول سے معتزبن گئے مگر اسلامی تحریک کا مرکز محفوظ کر دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی دوسری چیز مخلوط ہی نہیں ہو سکتی یہ خداوند تعالی کے اسم السلام کا اثر ہے اس لئے یہ تحریک ہمیشہ کامیاب رہے گی

قرآنی انقلاب کے نتائج

(ا) امن ہو جائے گا - المومن - اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں امن پیدا ہو

(۲) تحفظ ثمرہ۔ المھیمن۔ حصہ داروں کے حصے محفوظ رہیں گے ان کی کوشش رائیگاں نہ جائیں گی اور وہ اپنی مساعی کے نتائج سے اس دنیا میں یا آخرت میں ضرور بہرہ اندوز ہونگے
(۳) عزت۔ العزیز۔ اس تحریک میں کام کرنے والے عزت مند رہیں گے ان کو عزت دی جائے گی
(۴) غلبہ۔ الجبار۔ اس تحریک میں کام کرنے والوں کو غلبہ دیا جائے گا اور وہ زبردست بنادئے جائیں گے۔
(۵) بڑائی۔ المتکبر۔ اس تحریک میں کام کرنے والے بڑے بنادئے جائیں گے

ان کا منبع صرف خدا ہے

یہ تمام خوبیاں جو اس تحریک میں کام کرنے والوں میں پیدا ہوں گی اور تمام فوائد جو انہیں حاصل ہوں گے ان کا منبع و مصدر ذات الہٰی ہی کو سمجھنا چاہئے۔ یہ صفات اسی کا پرتو ہیں اور یہ انعامات اس کی طرف سے ہیں۔ انکے عطا کرنے میں کسی انسان یا فرشتے کو شریک نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ واقع کے خلاف ہے۔۔

قانون دینے میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا انسانیت کے لئے خطرناک ہے اور اسکے اخلاق کو تباہ کردینے والا فکر ہے خدا کو مالک الملک مان کر پھر کسی اور کو اس کا شریک نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اسے کسی شریک کی ضروت نہیں ہے (سبحن اللہ) ملت حنیفہ کا قلب یہ ہے

لبیک لبیک اللھم لبیک لبیک ! لا شریک لک لبیک ! ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک گویا الحمد النعمہ اور الملک صرف خدا کے۔ ان میں اور کوئی اس کا شریک سہیم نہیں ہے

آیت نمبر ۲۴۔ ھواللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنی یسبح لہ مافی السموات والارض وھو العزیز الحکیم

ترجمہ! وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا ٹھیک بنانے والا' صورت دینے والا اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

کیا کوئی نیا نبی آئے گا

اس تحریک کی کامیابی کے بعد آگے کیا دور شروع ہوگا؟ کیا کوئی نیا نبی آئے گا جس کا انتظار کرنا چاہیے؟ کیا وہ عالمگیر انقلاب کے کوئی نئے اصول لے کر آئے گا؟ ہماری سمجھ یہ ہے کہ یہ تحریک کسی نئے نبی کا انتظار نہیں سکھاتی اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبین قرار دیتی ہے تو کیا دنیا اب ایک ہی ڈھنگ پر چلتی رہے گی۔

اگر دنیا میں تبدیلیاں آئیں گی تو ان کے مطابق نئے نظام بھی آنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم جو نظام لے کر آیا ہے۔ وہ تمام اقوام کے لئے قیامت تک کے لئے کافی ہے۔

الخالق:- چونکہ اللہ خالق ہے اس لئے نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

(یخلق مالا تعلمون (النحل:8) ان سے بڑے بڑے کام جن کو پہلی قومیں نہیں کر سکیں آسان ہو جائیں گے۔ خلق کے معنی ہیں ایک چیز سے دوسری چیز بنانا یہ نظام کائنات اس طرح چل رہا ہے کہ ایک نظام اپنے مابعد نظام کے لئے انڈے کا کام دیتا ہے۔

المصور:- اللہ تعالیٰ اس مادے کو نئی نئی صورتیں دیتا رہے گا۔

الباری:- اور ان میں نئی نئی استعدادیں پیدا کرتا رہے گا۔

لہ الاسماء الحسنی:- وہ اپنی صفات حسنہ سے ہر وقت کام لیتا رہے گا۔ اس نظام میں کسی نئے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو نظام آپ کا ہے یہ کافی ہے اب انسانیت بہ اعتبار آلات ترقی کرے گی۔ اصول انسانیت قرآن حکیم میں منضبط ہو چکے ہیں۔ انسانیت ہمیشہ ان کی مدد سے اپنے اندر انقلابات پیدا کرتی رہے گی اس لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح اس انقلاب کو قیامت تک کامیاب بنایا جاتا رہے گا۔

نئے نظام کی خوبیاں

یسبح لہ مافی السموات والارض وھو العزیز الحکیم○

آسمان و زمین کی تمام چیزیں اپنی ساخت میں بالکل بے عیب ہیں اور قواعد مسلمہ کے اندر کام کر رہی ہیں پس وہ خدا جس نے یہ نیا نظام دنیا کو دیا ہے۔ اس نئے نظام کو بے عیب طور پر انسانیت دے رہا ہے اب اسی کے ذریعے سے انسانیت کو عزت حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہ نظام حکمت پر مبنی ہے اور انسانیت کو حکمت سکھاتا ہے یہ عزت و حکمت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

الحمدللہ کہ سورۃ الحشر کی تفسیر ختم ہوئی۔ جن اہل علم حضرات نے اس شرح کا مطالعہ بنظر غائر کیا ہے۔ ان سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب عجیب نکات بیان کئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں قرآن دانی کا جو ملکہ عطا کیا ہوا تھا وہ خاص الخاص تھا۔ ایسی ہستیاں دنیا میں بار بار پیدا نہیں ہوا کرتیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت قرآن کے صلہ میں اس صدقہ جاریہ کو ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین

قرآنی قانون انقلاب

سورہ الممتحنہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی

مرتب

غازی خدا بخش (مرحوم)

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے۔ جی آفس لاہور

فون: 7239138

حرف اول

دین اسلام کو جو تابانی اور تازگی عطا کی گئی ہے وہ ہر دور میں صاحب عصر مجددین کے ذریعہ آشکارا ہوتی رہتی ہے۔ دین حق کی اس ناقابل تنسیخ خوبی کو دھندلانے کے لئے انسانیت دشمن طاقتوں نے ہر حربہ آزمایا لیکن پہلے راؤنڈ میں کامیابی کے باوجود بالآخر انہیں چاروں شانے چت گرنا ہی پڑا۔

دور حاضر میں اللہ تعالیٰ نے ولی اللٰہی جماعت کو یہ امتیازی وصف بخشا ہے کہ وہ دین کی روح اور اس کے مغز تک رسائی کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کے شعور سے بھی بہرہ مند رہی ہے اسی جماعت کے سرمایہ افتخار حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کا ہاتھ تو دور کی نبض پر تھا اور انہوں نے جس خوبی سے قرآنی حکمت کو عصر حاضر کی جانی پہچانی آواز بنایا وہ انہی کا حصہ ہے۔

زیر نظر پمفلٹ میں سورۃ الممتحنہ کی وہ تفسیر پیش کی جارہی ہے جو مولانا سندھی سے ان کے دو شاگردوں شیخ بشیر احمد بی اے اور غازی خدا بخش مرحوم نے اخذ کی ہے اس سورت کے ذریعہ مولانا موصوف نے قرآنی انقلاب کے لئے قاعدے وضابطے کی پابندی پر زور دیا ہے اس بنا پر سورت کی اس مختصر تشریح کا عنوان قرآنی قانون انقلاب قرار پایا۔

چیئرمین

سورۃ الممتحنہ

یہ سورت مدنی ہے

موضوع سورت

اگر حزب اللہ کے ارکان خیانت کریں تو انہیں کیا سزا دی جائے گی؟ اس مسئلے کی توضیح الممتحنہ میں کی گئی ہے اسی سلسلے میں حزب اللہ کے ارکان کو راز داری کا حکم دیا گیا ہے یہ جنگی قوت پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

سورۃ الحشر کے ساتھ ربط

سورۃ حشر میں لڑنا اور سرمایہ جمع کرنا حزب اللہ کے فرائض میں داخل کیا گیا تھا اس سورۃ الممتحنہ میں بتایا گیا ہے کہ حزب اللہ اپنا حاکمانہ نظام ایک قانون کے اندر رہ کر قائم کرے کیونکہ جو جماعت قانون کے اندر رہ کر اپنا نظام رکھ سکتی ہے اسے اگر دوسری قوم پر حاکم بنا دیا جائے تو وہ اس کا انتظام بھی قانون کے اندر رہ کر سکے گی اس طرح ظالمانہ قوتوں کا استیصال ہو سکے گا۔

فصل اول

ایک واقعہ

حزب اللہ کا ایک ممبر ہے وہ مہاجر ہے وہ کفار کی جاسوسی کرتا ہے اور پکڑا جاتا ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا معاملہ کرتے ہیں؟ اس پر لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف ہوئی کہ کیا ایسا سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد تمام قاعدے تلقین کر دیئے گئے اور حکم دے دیا گیا کہ حزب اللہ کے ممبران قواعد کے اندر رہ کر کام کریں۔

حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی وہ کفار نے توڑی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی کے ساتھ عسا کر جمع کر کے مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا آپؐ نے

کوشش کی کہ اس تیاری کی خبر باہر نہ نکل سکے لیکن ایک بدری مہاجر حاطب ابن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے والے ہیں تحقیقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس لئے اطلاع دی کہ اہل مکہ جن کے قبضہ میں میرے اہل و عیال ہیں اس احسان کے عوض وہ ان سے اچھا سلوک کریں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ عذر قبول فرما لیا اور اس سے کچھ تعرض نہ کیا اس پر یہ آیات نمبر۱ تا نمبر۳ نازل ہوئیں جن میں پیغمبر کے اس فعل کو قاعدہ مقرر کرنے کے بجائے ایسے حالات کے لئے نئے قوانین دیئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت نمبر۱ یایھا الذین امنو الا تتخذا عدوی و عدو کم اولیا تلقون الیھم بالمودۃ فقد کفر فابما جاء کم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تومنو باللہ ربکم ان کنتم خرجتم جہادا" فی سبیلی و ابتغاء مرضاتی تسرون الیھم بالمودۃ وانا اعلم بما اخفیتم فما اعلنتم فمن یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل

ترجمہ۔ اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لئے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو (تو ان کو دوست نہ بناؤ) تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

دشمن طاقت

دشمن طاقت کی توضیح اس آیت میں ان الفاظ میں کردی گئی ہے۔

قد کفر فابما جاء کم من الحق یخرجون الرسول فایاکم ان تومنوا باللہ ربکم ماجاء کم من الحق وہ انقلاب ہے جو قرآن حکیم لے کر آیا ہے۔

ان تومنوا باللہ ربکم تم نے اس انقلاب کو کامیاب بنانے کا ذمہ اٹھایا۔

انسان اپنے رب کے سوا کسی کا حکم مان ہی نہیں سکتا یہ طبعی حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خدا کے حکم کے سوا اور سب حکموں کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یخرجون الرسول وایاکم "اس جرم" کی پاداش میں کہ تم اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے انقلاب کے مخالفین رسول اللہ کو اور تمہیں وطن سے خارج کر دیتے ہیں وہ مار نہیں سکتے رشتہ داری ہے اور ڈرتے ہیں کہ اس وجہ سے خود ان کے اندر شدید اختلافات پیدا نہ ہو جائیں اس لئے وہ گھر سے نکال ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں حقیقت میں انسان کی جلاوطنی بھی موت کے قریب ہے یہ ہے دشمن طاقت

دشمن کون ہے؟

اس قسم کی جماعت جب بھی پیدا ہو گی دشمن کہلائے گی اس میں ہم دو چیزوں کو اساس قرار دیتے ہیں۔

(ا) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔

(۲) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔

اب ایک شخص ہے جو قرآن حکیم کے انقلاب کو نہیں سمجھتا یا وہ اس جماعت کو قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے کامیاب بنانے والی جماعت نہیں مانتا یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

جو شخص ان شرطوں کو پورا کرتا ہے اور قرآنی جماعت کے بالمقابل میدان میں آتا ہے اور پھر ایک ایسی جماعت اس کی حلیف ہو کر لڑتی ہے جس میں یہ تفصیلی اجزا نظر نہیں آتے تو عملی طور پر اس حلیف کو بھی کافر ہی تصور کیا جائے گا۔

آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتیں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے

مخالف لڑنے والوں کے لئے قائم کی تھیں مگر وہ لڑنے والے آدمی مر چکے۔ ان کے نام سے یا ان کی وراثت سے جو قومیں پیدا ہوئیں ہم لوگ ان کو بھی ان کے آباء واجداد کی طرح لڑنے والا فرض کر لیتے ہیں ہمارے نزدیک یہ مفروضہ. صحیح نہیں ہے یہ مفروضہ اس طرح غلط ہے جس طرح یہ مفروضہ غلط ہے کہ آج کے مسلمان ان مسلمانوں کے قائم مقام ہیں جنہوں نے قرآن کے جہادیا انقلاب کو کامیاب بنایا تھا اگرچہ ایک مسلمان اپنے آپ کو طبعی طور پر ان مسلمانوں کا جائز وارث بناتا ہے مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے وہ باتیں ان مسلمانوں میں نہیں ہیں اس لئے ان کی طرح کامیابیوں کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ میں ان کافروں کے قائم مقام بھی حقیقت میں ان لڑنے والے کافروں کے پورے پورے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لڑائی قائم ہو جانے کے بعد حزب اللہ کا فرض

اس کی طرف آیت کے اس حصے میں ارشاد ہے ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی یہ الذین امنوا سے خطاب ہے۔

پہلے درجے پر ایمان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والا قرآن حکیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم کر چکا ہے اور اس کے مخالف قانون کو نہ ماننے کا بھی عزم مصمم کر چکا ہے اب وہ مجمل ایمان ذرا مفصل ہو جاتا ہے۔

سبیل اللہ کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

جہاد کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی ہر ایک جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔

جہاد کی غرض و غائیت

اس جدوجہد کی عملی صورت قانون متعین کرتا رہے گا قانون کی روح ہمیشہ قائم رکھنی چاہیئے تو قانون ٹھیک نتیجہ پیدا کرے گا کیونکہ جب قانون کی روح نظرانداز ہو جاتی

ہے تو قانون کی ظاہری پابندی مفید نتائج پیدا نہیں کرتی۔

قانون کی روح

قانون کی روح کو ہمیشہ نظر رکھنے کو "ابتغا مرضاتی" کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حزب اللہ کی اعلیٰ جماعت کے لئے جو عنوان مقرر کیا گیا ہے۔ وہ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" ہے اللہ کو راضی کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے قانون کے سوا کسی اور قانون کی پروا نہ کی جائے۔ اسی بات کو ابتغا مرضات اللہ کہا گیا ہے گویا اللہ کے قانون کو مان کر غیر کے قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اس سے رضاء الہٰی حاصل ہوتی ہے قانون کی اس سپرٹ کو قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حزب اللہ کے قانون کی مخالفت کا مطلب

اس کی طرف لا تتخذو اعدائی و عدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ میں ارشاد ہے اور جس کی تفصیل تسرون الیھم بالمودۃ ہے۔

یعنی قانون کی خلاف ورزی کا مطلب یہ ہے کہ "میرے اور اپنے دشمن کو دوست بناتے ہو اور پھر اسے خفیہ پیام بھیجتے ہو" جب تم نے ان کے ساتھ دشمنی کا اعلان کر دیا ہے تو پھر دوستی کہاں تک معقول ہو سکتی ہے؟ یہ مخالف کی ادنیٰ ترین اعانت ہے اس سے انسان خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اعانت کتنا جرم ہے۔

وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم ومن یفعلہ منکم فقدضل سواء السبیل

یہ جماعت حزب اللہ کہلاتی ہے اس لئے اس کے اعمال کی نگرانی اللہ سبحانہ تعالیٰ خود ہی کرے گا اور وہی انسان کو اس کے اعمال کے مطابق ثمرہ دے گا سبیل اللہ (حزب اللہ کے پروگرام) کی مخالفت کرنے والا غلط راستے پر چل پڑا ہے۔ اس لئے اسے خدا ضرور سزا دے گا۔

سورۃ کے باقی حصے میں اس مرکزی آیت کی تشریح ہے۔

آیت نمبر۲ ان یثقفو کم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودوا لو

تکفرون

ترجمہ۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم منکر ہو جاؤ۔

مخالفین کا مقصد

تمہاری اس غلطی سے تمہارے دشمن کیا فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اگر وہ ملی نقصان جو تمہاری اس حرکت سے پہنچ سکتا ہے تمہاری نظروں میں ہوتا تو تم ایسی حرکت نہ کرتے وہ نقصان یہ ہے کہ مخالف تمہاری بھیجی ہوئی اطلاعات سے فائدہ اٹھا کر تمہارے پروگرام کو توڑنا اور تمہیں اس سے منکر بنانا چاہتے ہیں۔

آیت نمبر۳ لن تنفعکم ارحامکم ولا اولاد کم یوم القیامہ یفصل بینکم واللہ بما تعملون بصیر

ترجمہ۔ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہیں فائدہ نہیں پہنچائیں گے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

تم نے اتنے بڑے نقصان کے مقابلے میں جو جزوی فائدہ سوچا تھا کہ اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو فائدہ پہنچا سکو گے یہ رشتہ داری اللہ کے ہاں پہنچ کر یعنی قیامت میں تمہارے کام آنے والی چیز نہیں ہے۔ جس رشتہ داری میں خدا کے حکم کا خیال نہ ہو وہ خدا کے سامنے پیش ہونے تک ٹوٹ جائے گی۔ **یفصل بینکم**) لہٰذا جزوی فائدے کو مقدم نہ کرو۔

آیت نمبر۴'۵ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم و الذین معہ اذقالوا القومھم انا براءمنکم و مما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ و البغضاء ابدا حتی تو منوا باللہ وحدہ الاقول ابراہیم لابیہ لا ستغفرن لک و ما املک لک من اللہ من شئی ربنا علیک تو کلنا والیک انبنا و الیک المصیر ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا و اغفرلنا ربنا انک انت العزیز الحکیم

ترجمہ۔ بے شک تمہارے لئے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو ان کے ہمراہ تھے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان

سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم نے تمہارا انکار کردیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لئے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے اے ہمارے رب ہمیں ان کا تختہ مشق نہ بنا جو کافر ہیں اور اے ہمارے رب ہمیں معاف کر بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم کی مثال

حزب اللہ میں کوئی شخصیت ایسی ہے جس کو آئیڈیل سمجھا جائے تو وہ حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھی ہیں انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جو سلوک کیا وہی معاملہ تمہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے علی الاعلان کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہ مخاصمت اس وقت تک رہے گی جب تک تم خدا کے قانون کی اطاعت کی طرف لوٹ نہ آؤ۔ اب ہم تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں اس کام میں مدد دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں ان کی دعا یہ تھی ربنا علیک تو کلنا والیک انبنا و الیک المصیرہ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا واغفرلنا ربنا انک انت العزیز الحکیم

تم بھی اس دعا کو اپنا آئیڈیل بناؤ۔

حضرت ابراہیم کی ایک دعا

الاقول ابراہیم لابیہ لاستغفرن لک و ما املک لک من اللہ من شئی

ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے دعا مانگی تھی ان کی یہ بات قابل تقلید نہیں ہے انسانوں کی لغزشوں پر قرآن اپنے قانون نہیں بدلتا۔

آیت نمبر۶ لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر فمن یتول فان اللہ

هوالغنی الحمید

ترجمہ۔ بلاشبہ ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کا اور قیامت کے دن کی امید (عقیدہ) رکھتا ہو اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ بالکل بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔

الغرض تمہارے لئے ان لوگوں کے افعال و اعمال بہترین نمونہ ہیں جو شخص ان کے نمونے پر نہ چلے اللہ کو اس کی مطلق پروا نہیں ہے اگر اس کا دعوی خدا سے محبت کا ہے تو اسے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے طریق پر چلنا چاہئے۔

آیت نمبر۷ عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ واللہ قدیر واللہ غفور رحیم

ترجمہ۔ شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تمہیں دشمنی ہے دوستی قائم کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

کیا دوستی کا امکان ختم ہو گیا؟

کیا اب یہ سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ ہمارے دشمن ہیں ان سے دوستی پیدا ہونے کا امکان ختم ہو گیا اس لئے ان سے کوئی دوستانہ معاملہ کرنا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا؟

اس آیت میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ مطلب نہیں خدا ایسے سامان پیدا کرے گا کہ ان کے ساتھ دوستی پیدا ہو جائے مگر یہ غلط ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی کر کے ان سے دوستی پیدا کرو۔ اللہ انہی کے دلوں میں انقلاب پیدا کر دے گا کہ وہ تم سے دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے اس وقت تم بھی ان سے دوستی کر سکتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دشمنی کر رہے ہوں تو ان کی محبت تم اپنے دلوں میں رکھ کر ان کی مدد کرو۔

آیت نمبر۸ لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبر وھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین

ترجمہ۔ اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے

بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دوستی کیا جائز ہے؟

یہاں یہ مذکورہ بالا خیال کی تصریح کی گئی ہے یعنی جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ لڑنا چھوڑ دیں تو پھر ان سے دوستی ممنوع نہیں ہے۔

آیت نمبر۹ انما ینھکم اللہ عن الذین قتلو کم فی الدین واخرجو کم من دیار کم وظاھرو ا علی اخراجکم ان تولوھم فمن یتولھم فاولئک ھم الظلمون

ترجمہ:۔ تمہیں اللہ انہی سے منع کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر لوگوں کی مدد بھی کی کہ ان سے دوستی کرو۔ اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہے۔

دوستی کرنے کی ممانعت اس وقت تک ہے جب تک وہ دشمنی پر ہیں۔

قاتلو کم فی الدین اصل دشمن ظاھرو اعلی اخراجکم ان کے حلیف

دشمن کا دوست

من یتولھم فاولئک ہم الظلمون جو دشمنوں سے دوستی کرے وہ بھی دشمنوں ہی میں شمار ہونے لگتا ہے۔

فصل دوم

حزب اللہ کے ممبروں کے فرائض قانونی طور پر منضبط کر لئے گئے ان کی روح تخریبی ہے یعنی یہ کہ یہ کام نہیں کرنا چاہئیے اب انہیں بتایا جائے گا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

دشمن کا آدمی مسلم کیمپ میں

فصل اول میں اس امر پر بحث کی گئی تھی کہ ایک شخص حزب اللہ کا رکن ہو کر کفار کے ساتھ خفیہ راہ و رسم پیدا کرے تو کیا کرنا چاہیے اب اس فصل میں اس کے

برعکس اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ کوئی شخص مخالف کیمپ میں ہوتے ہوئے حزب اللہ کی طرف دست مودت بڑھائے تو کیا کرنا چاہئے۔

جو لوگ مخالف کیمپ سے آتے ہیں وہ بعض اوقات دشمنی کے لئے آتے ہیں گو وہ اپنے آپ کو دوست ظاہر کرتے ہیں وہ یا تو مسلم کیمپ میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہاں کے راز کی جستجو کرتے ہیں اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ دشمن کے کیمپ سے تمہارے پاس آئیں پہلے ان کا امتحان لے لو تاکہ دیکھ لو کہ وہ دشمنی کرنے تو نہیں آئے؟ اگر تم سمجھو کہ وہ دوستی کی راہ سے آئے ہیں تو ان کو اپنی جماعت میں شامل کر لو لیکن اگر وہ اپنے ساتھ روپیہ پیسہ لائے ہیں تو وہ واپس کردو- یہ روپیہ کافروں کا شمار ہو گا اسے مسلم کیمپ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

بعض نااہل فقیہ مسلمانوں میں ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں کی اجتماعی مالی طاقت کو سخت صدمہ پہنچایا- وہ انارکسٹ معلوم ہوتے ہیں یہ لوگ اجتماعیت کے معنی جانتے ہی نہیں بد قسمتی سے انارکسٹ فقیہوں کا فقہ حنفی پر غلبہ ہو گیا اس کا سبب بادشاہوں کا ظلم بنا ہے- بادشاہوں کے ظلم سے بچنے کے لئے ہر شخص بادشاہ کے حکم کا انکار نہ کرنا اپنا کمال سمجھتا ہے اس طرح ہوتے ہوتے ان میں سے اجتماعیت بالکل رخصت ہو گئی۔

آیت نمبر۱۰ یا یہا الذین امنو اذاجاء کم المومنات مہجرات فامتحنو ھن اللہ اعلم بایما نھن فان علمتموہن مومنات فلاترجعو ھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن واتوھم ماانفقوا ولا جناح علیکم ان تنکحو ھن اذا اتیتمو ھن اجورھن ولا تمسکو بعصم الکوافر وسئلوما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا ذلکم حکم اللہ یحکم بینکم واللہ علیم حکیم

ترجمہ۔ اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ کر لو اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پس اگر تم انہیں مومن معلوم کرو تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ نہ وہ عورتیں ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران کے لئے حلال ہیں اور ان کفار کو دے دو- جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور تم پر گناہ نہیں کہ تم ان

سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔ اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لئے صادر فرمایا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

امتحنوھن امتحان کا طریق آیت نمبر ۱۲ میں آتا ہے۔

کافر خاوندوں کا مہر واپس کردیں

واتوھم ما انفقو یہ عورتیں جو تمہارے پاس آتی ہیں ان پر ان کے پہلے خاوندوں نے جو مال خرچ کیا ہے یعنی ان کا مہر وہ ان کو واپس کردو۔

ولا جناح علیکم ان تنکحو ھن اذا اتیتمو ھن اجورھن یعنی تم اپنا مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر سکتے ہو

ولا تمسکوا بعصم الکوافر جس طرح بعض عورتیں کافروں کے کیمپ سے مسلم کیمپ میں آتی ہیں ایسے ہی ایسی عورتیں بھی ہیں جو مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر وہ ہجرت کی قائل نہ تھیں اس لئے وہ پیچھے کافروں کے کیمپ میں رہ گئیں جس طرح پہلی قسم کی عورتوں کے پہلے تعلقات قانون تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اس طرح ان مسلمانوں کے کافر عورتوں کے ساتھ تعلقات کو بھی قرآنی قانون تسلیم نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ ان سے اپنے تعلقات قطع کرو اس لئے حکم دے دیا کہ ان عورتوں کا ناموس جو کافر رہ گئیں اور اسلامی پروگرام کو تسلیم نہیں کرتی اپنے قبضے میں مت رکھو۔

اپنی بیویوں کا مہر واپس لے لو

واسئلوا ما انفقتم تم نے اپنی بیویوں کا جو مہر مقرر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لو۔

ولیسئلوا ما انفقو انہوں نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ تم سے لے لیں۔

ذلکم حکم اللہ یحکم بینکم یہ حکم اللہ کا ہے اس لئے انصاف پر مبنی ہے جو کافر انصاف کرتا ہے وہ اللہ کا حکم قائم کرتا ہے جو مسلمان ظلم کرتا ہے وہ شیطان کا حکم قائم

کرتا ہے ایسا مسلمان اجتماعیت کو فراموش کر چکا ہے۔

آیت نمبر۱۱ وان فاتکم شیئی من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ماانفقوا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مومنون

ترجمہ۔ اور اگر کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کفار کے پاس نکل گئی ہے پھر تمہاری باری آجائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو۔ جن کی بیویاں چلی گئیں ہیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ پر ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اگر کافر مہر ادا نہ کریں

اگر کافر لوگ ان عورتوں کے مہر ادا نہ کریں جو تم نے چھوڑی ہیں تو مال غنیمت میں سے پہلے ان مسلمانوں کا حق ادا کرو جن کی بیویاں کفار کے پاس جا چکی ہیں

فعاقبتم ہاتھ مارو ان سے اتنا مال غنیمت لے لو۔

مثل ما انفقوا جتنا مسلمانوں نے خرچ کیا ہے وہ انھیں دے دو۔

واتقو اللہ اللہ کے انصاف کی پیروی کرو یعنی خود بھی انصاف کرو۔

آیت نمبر۱۲ یایھا النبی اذاجاءک المؤمنت یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیا" ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم

ترجمہ۔ اے نبی جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) بنالیں اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگ بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

امتحان کا طریق

کفار کی جو عورتیں امتحان دینے کے بعد قبول کی جا سکتی ہیں (جس کی طرف آیت

نمبر۱۰ میں اشارہ کیا گیا ہے) ان کے امتحان کا کیا قاعدہ ہو گا؟ یہ طریقہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اس سے نئے رکن کے فرائض متعین ہو جائیں گے یعنی یہ کہ وہ کن کن چیزوں کا اقرار کرے کہ اسے حزب اللہ کی رکنیت کے لئے قبول کر لیا جائے۔

بیعت کا مطلب

یبایعنک اپنا پورا اختیار تجھے دے دیں۔ اپنا سر رکھ دیں یعنی اقرار کریں کہ اگر ہم حزب اللہ کی خلاف ورزی کریں تو آپ سزا جاری کرنے کے پورے پورے مختار ہیں۔

سیاست اور بیعت

جب ہم ایک عہد کریں اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کر لیں کہ اگر اس کی خلاف ورزی کریں تو اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں خواہ وہ ضبطی مال کی صورت میں ہو یا سر قلم کرنے کی شکل میں ہم ہرگز اعتراض نہ کریں گے اس اقرار نامے کو بیعت کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اس بیعت کو سیاسی رکنیت کی اساس قرار دیتے ہیں (القول الجمیل اور فیوض الحرمین) ہمارے ناوان علماء سیاست کو مذہب سے علیحدہ تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اسلام و ایمان کی بیعت گویا ان کے نزدیک سیاسی اہمیت نہیں رکھتی ہم ان لوگوں کو سفہائے امت میں سے گنتے ہیں شاہ ولی اللہ کا ہم پر بڑا احسان یہی ہے کہ انہوں نے ہمیں اجتماعی سیاست سمجھا دی ہے انہوں نے جن اصولوں پر اسلامی اجتماعیت کو حل کیا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا گو وہ لوگ اپنا فکر (Idea) الگ رکھتے ہیں مگر اسے کامیاب بنانے کے لئے قوانین وہی تجویز کرتے ہیں جو شاہ صاحب بتاتے ہیں ان ناوان فقہا کے پیچھے چل کر مسلمان کبھی ان مصیبتوں کے سمندروں سے پار نہیں اتر سکتے جو ان کی اجتماعیت لوٹنے کے بعد ان کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اب نہ ہمارا علمی نظام باقی رہا ہے نہ اخلاقی نہ مالی نہ گھر کا ٹھکانہ ہے نہ مسجد کا ہر جگہ بد نظمی ہی بد نظمی مہیب شکل میں نظر آ رہی ہے اس کے لئے ایک اجتماعیت شناس امام چاہئے جو قرآن کا اجتماعی نقطہ نظر سمجھا سکے کوئی

مستعار سیاست یا ادھورا پروگرام مسلمانوں کو مصیبت سے نجات نہیں دلا سکتا اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پروگرام کے ماسواء کوئی پروگرام ہمیں نظر نہیں آتا۔

(۱) خلافت باطنہ اور (۲) خلافت ظاہرہ

شاہ صاحب کی حکمت کے مطابق اس بیعت ہی کے طریقے سے حکومت پیدا ہوتی ہے اس کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) اگر لڑنے کی اجازت نہ ہو تو شاہ صاحب اسے خلافت باطنہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) اگر لڑنے کی اجازت ہو تو اسے خلافت ظاہرہ قرار دیتے ہیں۔

حکومت کس طرح قائم کی جاتی ہے

شاہ صاحب بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے ان کی نگاہ میں بادشاہی فقط ذات خداوندی کو زیبا ہے ان کے نزدیک مسلمان کا بہترین امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ کا بہترین نائب ہو کر حکومت کرے۔ اس لئے وہ اسے خلافت سے تعبیر کرتے ہیں دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی بادشاہی اس بیعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے بیعت کرنے والا آدمی جس سے بیعت کرتا ہے اسے ایک سلطان مانتا ہے اگر وہ فقیہ ہے اور حکیم ہے تو ایک آدمی کی بیعت ہی سے اس کی سلطنت کی بنیاد پڑے گی اگر سیفہ ہے تو لاکھوں کے مجموعے سے بھی کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا نہ کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

بیعت کی مدات

مومن عورتیں کن باتوں پر بیعت کرتی ہیں۔

(۱) انکار شرک

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی کسی شخص کو اپنا کارساز ماننا اسے خدا کا شریک بنانا ہے اسی طرح کسی شخص کو حکومت کا مرکز ماننا بھی شرک کرنا ہے وہ وعدہ کرتی ہیں کہ ان دونوں قسموں کے شرکوں میں سے کسی قسم کا شرک بھی قبول نہیں کریں گی۔

(۲) مالی حقوق کی حفاظت

ولا یسرقن کسی کا مال نہیں چرائیں گی لوگوں کے جو مالی حقوق مسلمہ ہوں گے ان کی خلاف ورزی نہیں کریں گی مالی حقوق پر کم سے کم درجے کا حملہ چوری ہے وہ یہ نہیں کریں گی چہ جائیکہ اس سے بالاتر کسی اور ذریعے سے کسی کا مال ہضم کرنے کی کوشش کریں۔

(۳) حفاظت عزت

ولا یزنین وہ زنا نہیں کریں گی

انسان کی عزت عصمت کے ساتھ نکاح کی پابندی میں ظاہر ہوتی ہے وہ وعدہ کرتی ہیں کہ کسی کی عزت برباد نہ کریں گی۔

(۴) اولاد کا قتل نہ کرنا

ولا یقتلن اولادھن اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اپنی عزت بچانے کے لئے اور زنا کاری چھپانے کے لئے اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

(۵) نیوگ کا انکار

ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وار جلھن ایک کا بچہ دوسرے کے نام نہ لگائیں گی۔ ایک عورت ایک مرد سے بچہ لے کر دوسرے کے نام لگا دیتی ہیں یہ بہتان ہے پہلے لوگوں میں رواج رہا ہے کہ ایک مرد سے کام نہ چلے تو عورت دوسرے مرد سے بچہ لے آتی ہے اسے نیوگ کہتے ہیں یہ حرام ہے عورت ایسی حرکت نہ کرے۔ بچہ پیدا کرنے کی خواہش اور نسل بڑھانے کا جذبہ بے شک تقاضائے فطرت انسانی ہے مگر ایک مصنوعی طریقے کو فطرت کا قائم مقام بنانا بہتان ہے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہمارے لوگوں نے چند خاص ملکوں میں بیٹھ کر اور ان کے اندر رہ کر قوانین بنائے ہیں وہ ان ملکوں کی فقہ ہے یہ فقہ ساری کی ساری قرآن حکیم میں نہیں آسکتی پس بغداد کی فقہ ہندوستان میں نہیں لائی جا سکتی اور انگلستان کا قانون پاکستان میں نہیں چل سکتا بخارا

کے بادشاہ ہندوستان پر حاکم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں انہی میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں یہ غلط ہے یہ ایک قانون کے تحت ہے اس لئے اسے زنا نہیں کہا جاسکتا زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے کہ اسے زنا کے تحت نہیں لایا جاسکتا اس لئے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔

اب تک جو چیزیں تھیں وہ منفی حیثیت میں تھیں اب ایک مثبت چیز سے اس قانون کی تکمیل کر دی جاتی ہے ولا یعصینک فی معروف

معروف کا معنی

جو چیز کسی ملک میں عقلاء کی مجارٹی (اکثریت) میں معقول مانی جائے اسے معروف کہا جاتا ہے جب بیعت معروف پر ہو گی تو گویا ساری شریعت کو تسلیم کر لیا گیا۔

فبایعھن ان کی بیعت قبول کر لو

واستغفرلھن اللہ اگر وہ غلطی سے خلاف ورزی کر بیٹھیں تو اللہ سے ان کے لئے مغفرت طلب کرو۔

ان اللہ غفور رحیم حزب اللہ کی کمزور حالت میں عورتیں اس کی ممبر بنتی ہیں مگر وہ سیاسیات میں بڑی طاقت نہیں مانی جاتیں اس سے انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ ان کی کمزوری دور کر دے گا اور یہ چھوٹی طاقت بھی بہت بڑا کام کر سکتی ہے۔

آیت نمبر ۱۳ یایھا الذین امنوا الا تتو لواقوما غضب اللہ علیھم قلیئسوا من الاخرۃ کمایئس الکفار من اصحاب القبور

ترجمہ۔ اے ایمان والو اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہو گئے۔

زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو

کفار جو اہل کتاب سے نہیں ہیں اہل قبور سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں یہ مایوسین

کی پہلی جماعت ہے یہ لوگ سمجھ بیٹھے ہیں جو قبر میں چلا گیا اس کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ترقی کا میدان فقط قبر سے ورے تک سمجھ لیا ہے ان کے مقابلے میں مایوسین کی دوسری جماعت اہل کتاب کی بھی پیدا ہو گئی ہے وہ باوجود آخرت کو تسلیم کرنے کے عملی طور پر اپنے آپ سے مایوس ہو چکے ہیں اور یقین کر چکے ہیں کہ وہ اپنے جماعتی نظام سے ترقی کی کوئی ہمت پیدا نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بڑے انسان کی آمد پر امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آئے گا تو ہم ترقی کر سکیں گے اس کے بغیر ہم اجتماعی نظام سے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ یہ یہود ہیں مسلمان ان سے دوستی پیدا کر کے ان کی مانند نہ بن جائیں اور کسی بڑی خارجی طاقت کے منتظر بن کر نہ بیٹھ رہیں بلکہ قرآن حکیم کی مدد سے اپنی ترقی کا سامان آپ اپنے اجتماعی نظام کی مدد سے پیدا کریں یہود و نصاری دونوں اپنی آخرت سے مایوس ہو کر قبر سے ورے تک اپنا میدان ترقی سمجھنے لگ گئے ہیں۔ مسلمان ان خیالات سے متاثر نہ ہوں۔

آخرت اور زندگی کا تلازم

قوموں کی زندگی میں آخرت کا عقیدہ ان کے دنیاوی عقیدہ کا بطن ہوتا ہے جب یہ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں مایوس ہو جائیں گے ایک ہی عمل ہے وہ منہ میں ایک اثر پیدا کرتا ہے اور پیٹ میں جا کر دوسرا پیدا کرتا ہے۔ منہ کے اندر پیدا شدہ اثر کو ظاہری حیات تصور کیا جائے تو پیٹ کے اندر پیدا شدہ اثر کو باطنی حیات کہا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں لازم و ملزوم ہیں جو شخص اپنے اعمال سے آخرت میں مایوس ہے وہ اپنی محبت اور اجتماعیت سے دنیا میں بھی ترقی کا کوئی سامان پیدا کرنے کی امید اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے گا اس قسم کے لوگوں سے دوستی پیدا کر کے ان کے سے نہ ہو جاؤ۔

مایوسین کی محبت کے نقصانات

اس سورت کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ یایھا الذین امنو لا تتخذو عدوی وعدو کم

اولیاء یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو اجتماعیت اسلامیہ کے دشمن ہیں اور اس میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں ان سے کسی قسم کی محبت نہ رکھو تو اس کی حکمت آخری آیت میں بیان فرما دی کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو جاؤ گے درمیان میں اور بھی بہت سے نقصانات اس قسم کی دوستی۔۔۔۔۔سے پیدا ہوں گے جن کا ذکر آچکا ہے مگر سب سے بڑا نقصان یہ اخلاقی نقصان ہے جو عام مایوسیت (Pessemism) کی شکل میں ظاہر ہو گا یہ تمہاری موت ہے۔

آخر اور اولی ایک دوسرے کے مقابل الفاظ ہیں اگر ایک چیز کو اولی کہا جائے تو دوسری چیز آخرۃ کو کہنا چاہئے دنیاوی زندگی کا ایک حصہ جو پہلے اور اولی ہو تو جو حصہ اس کے بعد آئے گا اسے آخرۃ کہنا جائز ہے گویا دنیاوی زندگی کی آخرۃ ہے جو دوسری زندگی سے متصل ہوتی ہے پس دنیاوی زندگی کا آخری حصہ اور دوسری زندگی کا پہلا حصہ آپس میں علت و معلول کا تناسب رکھیں گے جس شخص کے دل میں دوسری زندگی کی کامیابی کا تصور ہو وہ ضرور اپنی دنیاوی زندگی کے آخری حصے میں کامیابی کا یقین حاصل کرنا چاہے گا تو وہ علت و معلول کا تناسب قائم رکھ سکے گا۔

ایک قوم اہل کتاب ہے اس کی اسی تعلیم نے اسے ایک فکر دیا ہے اگر یہ اپنی ہمت اور اس کتاب کی تعلیمات کی پابندی سے اس فکر کو حاصل کرنے سے مایوس ہو گئی تو اس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ یسئوا من الاخرۃ

وللاخرۃ خیر لک من الاولی کی تفسیر

سورۃ الضحی میں جو آیا ہے وللاخرۃ خیر لک من الاولی تو اس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی دو حالتوں میں تناسب دکھایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ دوسری حالت جو آنے والی ہے وہ اس پہلے حالت سے اچھی ہو گی جس میں وحی کے انقطاع کی وجہ سے مایوسی ہو گئی تھی جیسے سورج ڈھل جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے اور پھر دوسرے دن سورج نکل آتا ہے اسی طرح وحی کے انقطاع سے مایوسی کا نتیجہ نکالنا

صحیح نہیں ہے یہ انقطاع اس لئے ہوا کہ دوسری وحی پہلی سے قوی تر آنے والی ہے پہلی وحی اس کے لئے بنیاد کا کام دے گی پس یہ بنیاد جس قدر مضبوط ہوگی اس پر اسی قدر مضبوط عمارت بن سکے گی اس لئے عارضی انقطاع وحی سے جو حالت پیدا ہوئی ہے اسے اولیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے بعد سلسلہ وحی کے آغاز سے جو نیا دور حیات شروع ہوا ہے اسے آخرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس تمام دنیاوی زندگی کو اولیٰ کہا جائے تو حیات مابعد الممات کو آخرت کہنا جائز ہے لیکن ان معنوں میں آخرت کی بہتری ان سے پہلے معنوں میں اولیٰ کی بہتری پر موقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس ترجمے کی طرف تفہیمات الٰہیہ میں اشارہ فرمایا ہے۔

تمت سورة الممتحنہ

تفسیر سورۃ منافقون

سورہ المنافقون کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔میکلیگن روڈ۔ایچ کے بی بی سنٹر۔چوک اے۔جی آفس لاہور

فون: 7239138

تفسیر سورۃ المنافقون (مدنی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ جمعہ کے ساتھ ربط =

پچھلی سورت الجمعہ میں بے عمل لوگوں کے متعلق دو چیزیں بیان کی تھیں۔

1- بے عمل لوگ علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرتے اور سستی برتتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل صورت تو باقی رہتی ہے لیکن معنوی طور پر ختم ہو جاتی ہے۔

مثل الذین حملو التورۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً

2- یہ لوگ احکام الٰہی کی تعمیل میں جان دینے سے جی چراتے ہیں۔

فتمنوا الموت ان کنتم صدقین

منافق کون ہے؟

جب کسی انسان کے تحت الشعور (Subconscious Mind) میں جان بچانے کا فکر بیٹھ جاتا ہے تو وہ احکام الٰہی سیکھنے سے طبعاً گریز کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ ان احکام میں کہیں ایسی چیز کا ذکر نہ آجائے جس پر مجھے جان دینی پڑے وہ سمجھتا ہے کہ جتنی دیر تک جہاں میں ہوں اچھا ہے۔ اس طرح کا مسلمان بظاہر ایک مسلم سوسائٹی کا ممبر بنا رہ سکتا ہے لیکن وہ اس سوسائٹی کے مرکز میں نہیں آسکتا اور نہ بیدار مرکزی طاقت اس پر کبھی اعتماد کر سکتی ہے۔ کسی سیاسی جماعت میں جو شخص اس قسم کا ہو جب اس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی

ہیں جو اس تحریک کو روکنے کا باعث بنتی ہیں تو وہ قتل کر دیا جاتا ہے۔

نفاق کا انجام کفر ہے

اس طرح کی زندگی بسر کرتے رہنے سے ضرور کوئی نہ کوئی وقت آجاتا ہے کہ ایسا شخص اس تحریک کے روکنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ دینی تحریک سے روکنے والے کا نام کافر ہے۔ منافق اصل میں انقلابی تحریک کو روکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اسے آگے بڑھانے والی تحریکات میں حصہ لینے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے البتہ یہ بات کہ اس نے تحریک کو روکا اس پر اس وقت صادق آتی ہے جب وہ عملاً" مخالفین تحریک میں شامل ہو جائے ایسے شخص کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ جب وہ مخالفین تحریک میں شامل ہو کر تحریک کو روکتا ہے تو کافر بن جاتا ہے۔ اسے زمانہ حال کی بولی میں (Sleeping Partner) اور اخلاقی ہمدردی (Moral Sympathy) کے جو الفاظ رائج ہیں درحقیقت منافقانہ ذہنیت ہی کا اظہار کرتے ہیں اگرچہ اس حد تک نہ سہی جو کفر سے ملی ہوتی ہے ایسا شخص عمرانیت کی اصطلاح میں (Value Deranged) کہلاتا ہے۔

منافق کا اخراج مصلحت

منافق شخص ترقی کرنے والی سوسائٹی کا غیر فعال حصہ ہوتا ہے اور کسی ترقی کرنے والے معاشرے میں غیر فعال حصہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ کوئی کام اسے سپرد کرکے یہ توقع رکھنا کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ اسے پورا کرے گا غلط ہوتا ہے لیکن اسے سوسائٹی سے علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چلتے چلتے اسے سمجھ آجاتی ہے اور فعال بن جاتا ہے۔

جیسے کنواں کھودتے ہیں تو کسی جگہ سخت زمین آجاتی ہے اور انسان مایوس ہو کر اسے چھوڑ بیٹھتا ہے۔ مگر زلزلے یا کسی اور موثر قوت کے بروئے کار آجانے سے زمین پھٹ جاتی ہے اور پانی نکل آتا ہے اس لئے ایسے انسان کو سوسائٹی سے کلیۃً" خارج کرنا مصلحت قرار نہیں دیا گیا۔ اس مصلحت سے رسول اکرم ﷺ نے منافقین کو اپنی جماعت سے خارج نہیں کیا۔ گو وقت آنے پر منافقین اسلامی تحریک

سے علیحدہ ہو گئے۔

منافق کی سزا موت

تاہم کوئی پارٹی صحیح طریق سے کام نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ منافقین کو الگ نہ کرے اسے صحیح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے اندر کون کون سے منافقین ہیں ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں ذمہ داری کا کام دیا جائے گا۔ لیکن اگر منافقین کی حرکات اس حد تک پہنچ جائیں کہ مرکزی جماعت انہیں قتل کرنا مفاد عامہ کے لئے ضروری سمجھے تو وہ یہ بھی کرسکتی ہے لیکن یہ بڑی ذمہ داری سے فیصلہ کرنے کی چیز ہے۔

قتل کی شرط

ہمارے خیال میں منافقین کو اس وقت قتل کرنا چاہیے جب وہ اعلانیہ طور پر تحریک کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان کے قتل سے کوئی فساد برپا نہیں ہوتا' کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سوسائٹی میں انسان کی جان محفوظ و مامون نہیں ہے ہر شخص کو یقین ہونا چاہیے کہ جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے اس کا جان و مال محفوظ ہے مگر یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ منافقین اور کارکن لوگ ایک ہی صف میں بٹھا دیئے جائیں۔

دوسری سزا

ضرورت کے وقت ایسے آدمیوں کا پردہ فاش بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کام کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں۔

ڈسپلن کمیٹی

ہم نے یورپ میں پارٹیوں کا جو نظام دیکھا ہے اس میں خاص چیز یہ ہے کہ پارٹی میں ضبط (Displine) قائم رکھنے کے لئے ایک علیحدہ کمیٹی ہوتی ہے اسے ڈسپلن کمیٹی (Disipline Committee) کہتے ہیں اس کمیٹی کا فیصلہ آخری ہوتا

ہے اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی۔ نہ کوئی اسے منسوخ کر سکتا ہے یہ کمیٹی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اس کے جاسوس ہر رکن پر ہر وقت مسلط رہتے ہیں کہ وہ کس سے ملتا ہے کیا کام کرتا ہے؟ کیا فکر رکھتا ہے؟ بعض اوقات اس کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اسے سوسائٹی میں نہیں رکھنا چاہیے اس وقت اسے قتل ہی کر دیا جاتا ہے اس فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ انقلاب میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے چنانچہ ہمارے زمانے میں جو انقلابات ہو چکے ہیں ان میں ایسا ہی کیا جا چکا ہے۔

اس سورت کا موضوع

یہ سورت حقیقت میں اس جماعت منافقین کی ذہنیت کی توضیح کرتی ہے جو مذہبی حلقے میں پائی جاتی ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں یہ علمی جماعت ہے۔ تورات کی حامل ہے۔ مگر موت سے بھاگتی ہے ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو سوسائٹی پیدا کریں گے وہ اسی قسم کے ممبروں پر مشتمل ہوگی۔ ایک آدمی کتاب الٰہی کو تو مانتا ہے مگر اس کے حکم سے جان دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی صحبت سے جو سوسائٹی پیدا ہوگی وہ منافقوں کی سوسائٹی ہی ہو سکتی ہے اگر ایک عالم اس قسم کی تحریک جاری کرے جس سے بنی آدم کا ایک اچھا خاصہ حصہ منافق بن جائے تو ان سب کا وبال اس ایک کی گردن پر ہوگا۔ اس قسم کے عالم بالتورات یا عالم بالقرآن منافق سے ایک سلیم الطبع ان پڑھ آدمی بدرجہا بہتر ہے وہ جاہل تو ہو سکتا ہے لیکن منافق نہیں بن سکتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کسی سبب صحیح بات نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ اعلانیہ منکر بھی ہو جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ایک تعلیم کو اعلانیہ تو مانتا رہے مگر اس کا قلب یقین سے یکسر خالی ہو یہ سلامت طبع کے خلاف ہے۔

جملہ معترضہ! مثال کے طور پر ایک بڑا مقصد ہے اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریق ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک گروہ ایک اصول کار اختیار کر لیتا ہے۔ وہ ایک پارٹی کہلائے گی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے دوسرا گروہ دوسرا طریق اختیار کرتا ہے۔ یہ دوسری پارٹی بن جائے گی ایک طرح سوچنے والے لوگ دوسری

طرح سوچنے والی پارٹی میں شامل نہیں ہوسکتے وہ بالمقابل پارٹی بنائیں گے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو مختلف اصول کار رکھنے والی پارٹیاں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ اس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے مثلاً فرض کیجئے کہ ایک پارٹی لڑنے کو جائز سمجھتی ہے اور دوسری لڑنے کو ناجائز سمجھتی ہے گو دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی ملک کے لئے آزادی حاصل کرنا۔ اگر یہ دونوں پارٹیاں مخلوط ہو جائیں تو اس کے کام میں جمود (Deadlock) پیدا ہو جائے گا۔

ایسے ہی ایک پارٹی ہے جو ایک ایک شخص کا مخالف طاقت سے لڑنا جائز سمجھتی ہے یہ انقلابی جماعت ہے دوسری پارٹی وہ ہے جو سوائے ایک بڑے مسلمان بادشاہ اور بڑی فوج کے مخالف غیر مسلم طاقت سے لڑنا جائز نہیں سمجھتی۔ اگر یہ دونوں مل کر کام کرنے لگیں تو دونوں نکمی ہو جائیں گی۔ اس لئے ان کو دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے یہ نہایت کار آمد اصول کار ہے جو یورپ کی انقلابی پارٹیوں کے تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ہم مختلف الاصول جماعتوں کے مل کر کام کرنے کے قائل نہیں رہے۔ پارٹی پالیٹکس کا اصول اولین یہ ہے کہ ہم فکر لوگ ہی جمع ہو کر پارٹی بنائیں اور ایک متحدہ پروگرام پر کام کریں۔

جملہ معترضہ (منجانب مرتب) حضرت مولانا سندھیؒ لاہور سے ایک عالم کو اپنے ساتھ گوٹھ پیر جھنڈے (سندھ) لے گئے وہ ان کی درسگاہ میں پڑھانے لگ گیا ایک روز اس عالم نے مولاناؒ سے بڑے زور سے کہا کہ میں فلاں روز لاہور جارہا ہوں میرے لئے تین سو روپے کا بندوبست ہو جانا چاہیے۔ مولاناؒ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا جس روز کا ان عالم صاحب نے نوٹس دیا تھا۔ اس سے ایک روز پہلے وہ پھر روپے لینے کے لئے پیچھے پڑ گئے۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ عالم آگے بڑھے کہ وہیں مولاناؒ سے پھر تقاضا کریں لیکن مولاناؒ نوافل پڑھنے کے لئے نیت باندھ چکے تھے عالم صاحب کو مایوس ہو کر بیٹھ جانا پڑا لیکن وہ تلملاتے رہے۔ مولاناؒ نے ابھی دو نفل پڑھ کر سلام پھیرا ہی تھا کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور روپوں کی ایک تھیلی مولاناؒ کے سامنے پیش کی آپ نے اشارہ فرمایا کہ یہاں رکھ دو وہ رکھ کر چلا گیا۔ پھر مولاناؒ نے اس عالم کو اشارہ کیا کہ ان روپوں میں سے لے لو انہوں نے اپنے

مطالبے کے تین سو روپے گن کر لے لئے اور باقی روپے جو تعداد میں کئی سو تھے' تھیلی ہی میں رہنے دیئے۔ مولاناؒ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات آئے کہ پلے ایک پیسہ بھی نہیں لیکن ہزاروں کی ضرورتیں فضل الٰہی سے پوری ہوتی رہیں اور آپ برابر انقلابی کام میں لگے رہے۔

ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھی توکل علی اللہ کی بے شمار مثالوں سے پر ہے۔

(1) اذا جاءک المنفقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله يعلم انک لرسوله والله يشهد ان المنفقين لكذبون○

ترجمہ: جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔

منافقین کی منافقت

منافق کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا یہ کہنا صحیح ہے اس لئے کہ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر ان کا آپ کو رسول کہنا محض زبانی ہے وہ دل سے مان کر رسول اللہ نہیں کہتے ویسے ہی کہتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ کو رسول اللہ بھی کہتے رہیں گے اور اس کے کام میں رکاوٹیں بھی ڈالتے رہیں گے اس لئے ان کا یہ زبانی دعویٰ جھوٹا ہے۔

(2) اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ماكانوا يعلمون○

ترجمہ: ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے سو یہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے ہیں بے شک وہ کام بہت برے ہیں جو یہ کرتے ہیں۔

اگر ان سے کہا جائے کہ تم رسول اللہ کو رسول اللہ مانتے ہو تو وہ قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کو مانتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی پر اصرار کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس

سے روکتے ہیں اب زبانی قسمیں کھا کھا کر کہنا کہ ہم رسولؐ کو مانتے ہیں نہایت برا کام ہے اس طرح کی سوسائٹی پیدا کرنا جرم ہے۔ قرآن حکیم وہ پہلی کتاب ہے جس نے علم کی غایت اصلی عمل کو قرار دیا ہے علم اگر معاشرے کی ترکیب میں داخل ہے تو معاشرہ بغیر افراد کے عمل کے حقیقی صورت اختیار نہیں کر سکتا قرآنی عمرانیات علم کی عظمت علم و عمل کے امتزاج سے ظاہر ہوتی ہے۔ معاشرے اور علم کی مناسبت سے عمل کو جو اہم مقام حاصل ہے وہ آج کی عمرانیات کا اہم مسئلہ ہے چنانچہ دور جدید کے مشہور ماہر عمرانیات (Talcaot Parsons) معاشرے کے وجود اور ارتقاء کے لئے عمل پر بہت زور دیتا ہے لیکن قرآن حکیم نے علم و عمل کے لزوم کو انسانی زندگی کے لئے جس قدر ضروری قرار دیا ہے وہ ٹالکوٹ پارسنز کی ضخیم کتابوں سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوا ہے صحیح علم پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کا ارادہ پیدا ہو جائے جب صحیح علم سے کام کا ارادہ پیدا نہ ہو تو اس پڑھنے کا کیا فائدہ۔ فرض کرو کہ ہم ایک کتاب اس شرط کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کریں گے اس کتاب کے پڑھنے کی فضیلت کی سند تو مل جائے گی اور پڑھا بھی سکیں گے لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس قسم کا کام انسانیت کے لئے زہر قاتل ہے۔

منافقت کا سبب

(3) ذالک بانھم امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون○

ترجمہ: ہم اس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان لائے پھر نیک ہو گئے لہٰذا ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اب یہ لوگ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں۔

ان کی یہ ذہنی حالت کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے تو ارادہ کرتے ہیں کہ ہم یہ کتاب پڑھتے ہیں تاکہ اس پر عمل کریں، پھر مشکل چیز آجاتی ہے یعنی جان دینی پڑتی ہے اس وقت جان چرا جاتے ہیں پھر ان کے دلوں میں اس غلطی کی ندامت پیدا ہوتی ہے یہ ان کا دوبارہ ایمان لانا ہے پھر دوسری دفعہ جان دینے کا موقعہ آتا ہے تو پھر جان چرا جاتے ہیں اس طرح بار بار کرتے رہنے سے جان چرا جاتے ہیں۔ اس طرح بار بار کرتے رہنے سے جان چرانے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے

پھر ان کے دلوں سے یہ احساس ہی جاتا رہتا ہے کہ قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ نصوص و آیات حضور رسالت ماب ﷺ کے دور کے بے عمل اور منافق افراد کی حد تک محدود نہیں بلکہ دور جدید کے اصول عمرانیات کے مطابق بھی یہ آیتیں ان لوگوں کی ذہنیت کی ترجمانی کرتی ہیں جو اسلام کو موجودہ سائنٹفک تہذیب کے مقابلے میں بے اثر ناقابل عمل اور ختم شدہ قوت (up Force Shent)) سمجھتے ہیں۔

فطبع علی قلهوبهم

دلوں پر مہر لگ جانے کا مطلب

اب ان کے دلوں میں عمل کرنے کا ارادہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ مطلب ہے دلوں پر مہر لگ جانے کا۔

فهم لا یفقهون○

آخر میں یہ احساس بھی پیدا نہیں ہوتا کہ علم کا عمل کے ساتھ کچھ تعلق ہے لیکن ان کی عقلی قوتیں تندرست ہوتی ہیں۔

(4) واذا رایتهم تعجبک اجسامهم وان یقولوا تسمع لقولهم کانهم خشب مسندة یحسبو ن کل صیحة علیهم هم العدو فا حذر هم قتلهم الله انی یوفکون

ترجمہ : اے پیغمبر جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری جسم آپ کو خوش نما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتوں کو دلچسپ ہونے کی وجہ سے کان لگا کر سنیں گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو کسی دیوار کے سہارے لگا دی گئی ہیں وہ ہر بلند آواز کو اپنے ہی خلاف خطرہ سمجھتے ہیں یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے بچتے رہئے خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔

(سورہ منافقون کی بقیہ تفسیر ص 593 پر ملاحظہ فرمائیں)

قرآنی فکر انقلاب

سورہ اخلاص و معوذتین کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔میکلیگن روڈ۔ایچ ،بی بی سنٹر۔چوک اے۔جی آفس لاہور

فون: 7239138

اسلام

بین الاقوامی انقلاب کی عالمگیر تحریک ہے جس کے امام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس انقلاب کی بنیاد قرآن حکیم پر ہے۔ آپؐ اور آپؐ کے قریبی صحابہ (ساتھیوں) کی کوششوں سے جو جماعت پیدا ہوئی وہ پہلے عرب پر غالب آئی پھر وہ ایک محدود علاقے میں مرکز اقوام بنی۔ یہ اس کی زندگی کے ابتدائی پچاس سال کی روداد ہے جن میں وہ نہایت اعلیٰ اصول قائم رکھ سکی۔

اس دور کی تاریخ اور فلسفہ اسلام کے نام پر انقلاب لانے والوں کے لئے رہتی دنیا تک نمونہ ہے۔ اس دور کی تاریخ امام ولی اللہ دہلویؒ سے بہتر کسی نے نہیں لکھی اور نہ ان کے سوا کسی اور نے اس دور کا فلسفہ متعین کیا ہے عہد حاضر میں یورپ اور اس سے اثر لینے والی دنیا کو علمی رنگ میں سوچنے اور سمجھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اسلام کی حقیقت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں سمجھائی جا سکتی اور نہ یورپ کی مرکزیت کو اس کے سوا کسی اور طریقے سے توڑا جا سکتا ہے اور یورپ کی مرکزیت توڑے بغیر قرآن اور اسلام کو قائم کرنا ناممکن ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (اللہ کے رسول محمد اور ان کے ساتھیوں) کے کام کے نمونے پر برِّعظیم پاک و ہند میں اسلام کو جمہوری رنگ میں غالب کرنے کا ایک جامع سائنٹیفک سیاسی معاشی اور اخلاقی انقلاب کا عملی پروگرام کارل مارکس سے سنّو سال پہلے بنایا گیا۔ اس کا محور دہلی تھی۔ پاکستان حقیقت میں اسی انقلاب کی جزوی تصویر ہے جسے مکمل کرنا ہر پاکستانی نوجوان کا فرض ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

قرآن حکیم کی دعوت عالم گیر انقلاب (World Revolution) کی دعوت ہے جس کا تعلق ساری نوع انسانی کے ساتھ ہے اس انقلاب کا عنوان اعلیٰ "توحید الٰہی"۔ ہے۔ اور یہ

ایک خالق

ایک نظام اقدار، اور

ایک سیاسی و اقتصادی نظام

کی طرف بلاتا ہے۔

اس انقلابی تحریک کا آغاز مکہ مکرمہ میں ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا۔ مدینہ منورہ میں اس نے اپنی ابتدائی منزل عربی قومی انقلاب کی منزل پوری کی۔ پھر یہ انقلاب بین الاقوامی منزل میں داخل ہوا۔

اس عالم گیر انقلاب کا پہلا دور سترہویں صدی عیسوی تک رہا پھر اس کی لہریں مدہم پڑ گئیں اور دنیا ایک ارتجاع عظیم (Reaction) میں مبتلا ہو گئی پہلے دور کے ابتدائی پچاس برس انقلاب کے نمونے کا دور ہے اس کے بعد کے سارے زمانے میں اس انقلاب کی پشت پناہی شاہی نظامات کرتے رہے۔ اس دور میں جو چھوٹے چھوٹے ارتجاعات (Reactions) آتے رہے ان میں سے ہر ایک کے بعد دوسرے یا تیسرے درجے کا انقلاب بھی آتا رہا لیکن اٹھارہویں صدی سے دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو گئی اب بادشاہت دنیا سے اٹھنے لگی اور انسانی معاشرے میں جمہوری اور عوامی دور شروع ہو گیا۔

اس مختصر سے کتابچے میں جو قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں اخلاص اور معوذتین کی تفسیر پر مشتمل ہے ہم اس عالمگیر انقلاب کی بنیادی فکر، توحید اور معنویات (Implications) پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ انقلابی تحریک کے اس دور میں اس فکر کو قرنِ اوّل کی روشنی میں از سرِ نو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ نئے دور کے انقلابی اپنے عمل کو اس دور کے فکر پر ڈھال کر آگے بڑھیں۔ یہ اوراق مولانا عبید اللہ سندھی (نوّر اللہ مرقدہٗ)

(1872-1944ء) کے افکار سے ماخوذ ہیں اور انہی کے مطالعے اور تجرباتِ زندگی کا نتیجہ ہیں۔

نیاز آگین

بشیر احمد بی۔ اے
سیکرٹری ولی اللہ سوسائٹی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

کسی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے:۔

1. سیاسیات
2. اقتصادیات اور
3. فلسفہ

اگر کسی معاشرے کو ایک "شخص" (Person) مان لیا جائے تو سیاست اس کے اجزاء کو آپس میں مربوط کر کے اس کے ڈھانچے کو قائم رکھتی ہے۔ اقتصادیات اسے نشوونما بہم پہنچاتی ہے اور فلسفہ اس کی معنوی زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔

اگر کوئی مخالف طاقت اس معاشرے پر حملہ کر کے اس کی سیاسی طاقت چھین لے لیکن اس کا اقتصادی ڈھانچہ (Economic Structure) اور اس کا نظام فکر (Ideology) محفوظ رہیں۔ تو وہ اپنی سیاسی شکست کا مداوا کر کے اپنی ہستی از سرِ نو قائم کر سکتا ہے تاریخ اس کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے[1]۔

لیکن اگر اس معاشرے کی فوجی اور سیاسی شکست کے بعد اس میں اقتصادی بدحالی بھی پیدا کر دی جائے لیکن اس کا فکری نظام قائم رہے تو بھی وہ پہلے سے زیادہ محنت کر کے اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح اور اپنی سیاسی کمزوری کا مداوا کر سکتا ہے[2]۔ لیکن اگر سیاسی طاقت اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہی اس معاشرے کا فکری نظام بھی ٹوٹ جائے تو پھر اس کے معاشرے کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے[3]۔

1۔ افغانستان کی جنگیں اس کی اچھی مثالیں ہیں انگریزوں نے اسے تین مرتبہ (1862- 1879 و 1919) میں سیاسی اور فوجی شکست دی لیکن اس کی اقتصادی اور فکری طاقت محفوظ رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانوں نے اپنے آپ کو پھر مضبوط کر لیا۔ (مرتب) 2۔ ہمارے زمانے میں "اسرائیل" شاید اس کی موزوں مثال ہو۔ یہودیوں نے شکست پر شکست کھائی ملک ملک مارے مارے پھرے لیکن آخر کار تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعے سے اپنی اقتصادی حالت بحال کر کے ایک چھوٹے سے ملک میں اپنا ایک سیاسی مرکز قائم کر ہی لیا۔ (مرتب) 3۔ اسلام جن ملکوں میں اپنی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں داخل ہوا۔ ان ملکوں مثلاً ایران، افغانستان ترکستان، مصر، شام وغیرہ میں اصل مذہب کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہا۔ اب ان ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی طاقت اسلام ہی کی خدمت میں استعمال ہو رہی ہے۔ (مرتب)

بّرِ عظیم پاکستان و ہند میں خود ہماری تاریخ اس تاریخی عمل کی ایک مثال ہے۔ سترھویں صدی عیسوی میں بّرِ عظیم ہند پر ہمارا قبضہ تھا۔ اس زمانے میں یورپی قومیں اس بّرِ عظیم کی طرف بڑھیں انہوں نے یہاں کی حکمران طاقت کو شکست دینے کے لئے پہلے یہاں سیاسی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر فکری حملہ کیا۔

سیاسی میدان میں فرانس اور برطانیہ کی آویزش دکن میں شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا۔ 1858ء تک سارے ملک پر خود قابض ہو گئے اور مغل حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہماری سیاسی اور فوجی شکست تھی۔

اقتصادی میدان میں یورپی قوموں' خصوصاً" انگریزوں نے ہماری صنعت و حرفت اور تجارت کو برباد کر دیا۔ ہمارے ملک کی پیداوار کوڑیوں کے مول خرید کر لے گئے اور اپنی مصنوعات سونے کے بھاؤ ہمارے ملک میں ٹھونس دیں۔ رفتہ رفتہ اس بّرِ عظیم کی ساری آبادی کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دیا۔ یہ ہماری اقتصادی شکست تھی۔

اس پر اکتفا نہ کر کے انگریزوں نے ہم پر فکری حملہ بھی کیا چنانچہ انہوں نے ہمارے مذہبی افکار میں جو ہماری زندگی کی بنیاد تھے۔ وسوسے پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ ان کا منفی فکری حملہ تھا۔ اس کے ذریعہ سے انہوں نے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی مذہبی حقائق کے خلاف شکوک پیدا کر کے ان کے یقین کی جڑیں ہلا دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے افکار ایسے انداز میں پیش کئے کہ ہمارے نوجوان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ یورپی مادہ پرستانہ سائنس اور فلسفے نے ہمارے نوجوانوں کے افکار میں مزید تزلزل پیدا کر دیا یہ یورپ والوں کا مثبت فکری حملہ تھا۔

اس دوگنہ حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا نوجوان طبقہ مغربی افکار سے مرعوب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ یورپی طرز پر سوچنے لگا اور اپنی شخصیت کھو بیٹھا۔ لیکن ہم میں سے ایک اہم اقلیت نے اس فکری حملے کو برداشت کر لیا۔ وہ اس کے مقابلے کے لئے ڈٹ گئے۔ اور اس نے رفتہ رفتہ محنت کر کے 1947ء میں انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔[1]

ا۔ یہ اقلیت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر کام کرنے والوں کی ہے اس جماعت کے کارکنوں نے پہلے 1826ء میں پشاور کو مرکز بنا کر کام کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ سکھوں سے پنجاب چھین کر دہلی پر قبضہ کریں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر جمہوریت قائم کریں۔ لیکن یہ جماعت 1831ء میں بالاکوٹ کے حادثے میں شکست کھا گئی اس کے بعد اس کے کارکنوں نے انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لئے 1915ء میں افغانستان اور ترکی کے فوجی اتحاد کی کوشش کی لیکن ان کا یہ پروگرام بھی پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا البتہ وہ انگریزوں کو

یہ ہماری سیاسی فتح ہے اب ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کے عمل کو اُلٹ دیں اور فکری نظام پر قائم کی ہوئی مملکت پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط کریں۔ پھر اسے بین الاقوامی میدان میں غالب کریں۔ اس وقت ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے اسلام (مکمل طور پر) قائم کرلیا۔

اصل میں کسی قوم کا نظام فکر اس کے فلسفہ حیات (Philosophy of Life) پر مشتمل ہوتا ہے وہ اس کے افکار میں سے تعارض (Antadonism) دور کر کے وحدتِ فکری پیدا کر دیتا ہے جس سے معاشرے میں وحدتِ عمل ظاہر ہوتی ہے یہ فکرو عمل کی وحدت ہی اس معاشرے کی نشوونما اور قوّت کا موجب بنتی ہے اس کے برخلاف جس معاشرے میں وحدتِ فکری نہ ہو اس میں انتشارِ عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اندرونی اختلافات اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

قرآن کا مرکزی فکر : قرآنی نظام فکر (Ideology) میں توحید الٰہی مرکزی نقطہ ہے جس کا خلاصہ سورۂ اخلاص میں دیا گیا ہے یہ مرکزی فکر کسی خاص محدود معاشرے کی تنظیم کے لئے نہیں بلکہ ساری نوع انسانی کی تنظیم کے لئے ہے۔ یہ ایک اور مقام آیت الکرسی میں بھی دیا گیا ہے لیکن وہاں کا طرز بیان اونچے درجے کے سوچنے والے طبقے کے لئے ہے "سورۂ اخلاص" میں اسی فکر کو اوسط درجے کے انسانی ذہنوں کی رعایت رکھ کر بیان کیا گیا ہے اس لحاظ سے یہ سورت بے نظیر ہے۔

اعلان بیزاری : قرآنی انقلاب کی ابتدائی منزل کی تاریخ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس انقلاب کا ظہور ہوا۔ مخالف لوگوں کا فکر شرک پر مبنی تھا قرآن نے پہلے تو اپنی جماعت کی جداگانہ مستقل حیثیت مخالفین سے منوائی اور اعلان کیا۔

> "اے لوگو! جو میرے نظام فکر کا انکار کرتے ہو میں (کسی) اس چیز کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس (ذات واحد) کی عبادت کرتے ہو جس کا میں پرستار ہوں۔ (ایسے ہی) نہ میں (کبھی) ان کی پوجا کروں گا جن کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس ذات کی عبادت کرو گے جس کی میں کر رہا ہوں

(بقیہ حاشیہ) جزوی شکست دینے میں کامیاب ہو گئی اس کے بعد اس پارٹی کے ایک نامور انقلابی کارکن مولانا عبید اللہ سندھیؒ (1872-1944ء) نے 1926ء میں استنبول (ترکی) سے تقسیم ہند کا پروگرام شائع کیا۔ جسے یورپ میں خوب اشاعت دی گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی آزاد ریاست قائم کرنے کا تخیل مسلمانوں میں پیدا ہو گیا اور 1947ء میں پاکستان کی ریاست وجود میں آگئی۔

(اس لئے) تمہارا مسلک حیات الگ ہے اور میرا مسلک حیات الگ ہے"۔
(سورۂ کافرون نمبر109)

جنگ : اس اعلان مبارزت (   ) کے بعد جنگ چھڑ جانی ناگزیر تھی۔ چنانچہ اس کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ کے بین الاقوامی پُرامن شہر (Open City) کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا۔ اس میں بہت سے سیاسی اور نفسیاتی فائدے پوشیدہ تھے۔ اس کے بعد جنگِ "بَدْر" (2ھ) سے جو سلسلہ شروع ہوا وہ آخر فتح مکہ (8ھ) پر ختم ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ۔

(ا) **مخالفین کی سیاسی شکست** : جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی تو تو نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے"۔ یہ مخالفینِ انقلاب کی فوجی اور سیاسی شکست تھی۔

(ب) **مخالفین کی اقتصادی شکست** : اس کے بعد مخالفین کو اقتصادی (Economic) اور معاشرتی (Social) شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

"ابولہب کے (جو اسلام کی مخالف پارٹی کا گویا مہاجن (Prananerer) تھا) دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اس کا مال اور اس کی کمائی کسی کام نہ آئی"۔ (سورۂ لہب نمبر111)

(ج) **مخالفین کی فکری شکست** : (1) سورۂ اخلاص 112 : قرآنی انقلاب کے مخالفین کی سیاسی اور اقتصادی شکست کے نتائج کی تکمیل کے لئے قرآن حکیم نے اپنے نظریہ توحید کا اس زور سے پروپیگنڈہ کیا کہ عرب کی مشرکانہ ذہنیت بالکل برباد ہوگئی اور قرآنی ذہنیت ان پر غالب آئی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کا مشرکانہ ذہنیت کی طرف لوٹنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (المائدہ 315) یعنی اب تمہارے نظام حیات کے منکر (کافر) اس بارے میں قطعاً مایوس ہو چکے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر لیں گے۔

خالق کے متعلق فکر کو اس طرح صاف کرنے کے لئے کہ شرک کی گنجائش مطلق باقی نہ رہے قرآن حکیم کی یہ سورت نہایت جامع ہے۔

(2) **سورۂ فلق (113)** : سورۂ اخلاص میں جس توحید باری کا ذکر کیا گیا ہے اس کا پھیلاؤ تمام کائنات میں دیکھنا ضروری ہے۔ اگر ایک عقل مند انسان ساری کائنات کو اپنے نظریۂ توحید پر منطبق کرلے تو وہ توحید میں پختہ ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ توحید کو کائنات کے

ساتھ جمع نہ کر سکے یعنی وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ساری کائنات کے وجود کا ایک ایک ذرہ کس طرح ایک وجود اقصیٰ (Ultimate Being) سے آیا ہے اور ساری کائنات میں ایک ہی ذہن عالی (The Great Mind) کی تدبیر کس طرح کام کر رہی ہے تو اس کی توحید آج ہے تو کل نہیں ہوگی۔

(3) سورۃ الناس (114) : کائنات میں بے شمار اشیاء موجود ہیں۔ بعض اپنی چھوٹائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سالمہ(Atom) اور منفی برقیہ (Electron) بعض اپنی بڑائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سحابے (Nebulae) اور کہکشائیں (Galaxies) خود کائنات اپنی وسعت اور تنظیم و ترتیب کے اعتبار سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے لیکن اس سے بھی اوپر انسان کا ذہن (Mind) ہے جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ حیرت ناک چیز ہے۔ وہ اس کائنات کا تصور کرتا ہے اور اس کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنی أناَ (Ego) کو اپنی نوع میں منحصر سمجھتا ہے اس لئے اگر اس کی نوع میں خدا تعالیٰ کی توحید کا اثر و نفوذ پوری طرح سے سمجھ میں آجائے تو یہ عقیدہ مکمل طور پر پختہ ہو جاتا ہے۔

ان سورتوں میں توحید کے نظریئے کی تکمیل کی گئی ہے اس لحاظ سے یہ سورتیں سورۃ اخلاص کا تتمہ ہیں۔

وہ فلسفہ توحید جس نے انقلاب کے ذریعہ سے شرک کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں ان تین سورتوں میں مکمل ہو گیا ہے۔ اب یہ تعلیم ہے اور رسول اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا عملی نمونہ جب تک نوع انسانی کرۂ زمین پر قائم ہے اس تعلیم سے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے قریبی ساتھیوں کا نمونہ سامنے رکھ کر پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

سورۃ الاخلاص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثَنَوِیّت کا رَدّ : (1) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہی ہے) دنیا میں دو قسم کی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند ہیں اور

(2) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند نہیں ہیں۔

جب کوئی قوم اپنے بلند ترین انسانی نصب العین۔ (دین) سے گر جاتی ہے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر مذہبی جماعتوں میں شرک عموماً ثنویت (Dualism) کی شکل اختیار کر لیتا ہے کوئی فلسفی جماعت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ خیر اور شر ایک ہی مرکز سے نکل سکتے ہیں۔ وہ ان کے لئے جدا جدا مرکز مان لیتی ہے۔ جیسے زرتشت کی جماعت نے جو شروع شروع میں مذہبی جماعت تھی۔ جب فلسفیانہ مسلک اختیار کر لیا تو اس نے خیر کا ایک مرکز مانا اور اسے اَہُورمُزد یا یزدان کہا اور شر کا دوسرا مرکز قرار دیا اسے اَہرَمَن کہا۔ یہ اہلِ فلسفہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ خیر اور شر ایک مرکز سے کس طرح صادر ہو سکتے ہیں؟

حالانکہ وہ اس مسئلے پر کائنات گیر ذہن سے غور کرتے تو وہ تصور کر سکتے تھے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اپنی جگہ مفید ہی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ ایک نوع کے لئے مفید ہے اور دوسری کے لئے غیر مفید یا مُضر۔ کون نہیں جانتا۔

( ) اس لئے کسی شے کو شر مطلق (Absolute Evil) کی ذیل میں لانا غلط ہے اس طرح ہر ایک شے کا وجود ایک مرکز سے ماننا حکمت عالیہ کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے چنانچہ اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا ایک وجود ہے جو کائنات کے ایک ایک ذرّے کا مصدر ہے۔ ایسے ہی کائنات میں جو تدبیر جاری ہے اس کے

پس منظر میں بھی اس ذات واحد ہی کا ذہن عظیم کارفرما ہے۔

شفاعت کے غلط پہلو کا رَدّ : (2) اَللّٰہُ الصَّمَدُ (اللہ بے نیاز ہے) مذہبی جماعتیں مرکزی طاقت تو ایک ہی تسلیم کرتی ہیں لیکن جب وہ شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو بعض ذیلی طاقتیں ایسی بھی مان لیتی ہیں جنہیں مرکزی طاقت چھوڑ نہیں سکتی۔ ان ذیلی طاقتوں کے تقاضوں کو ماننا مرکز کے لئے ضروری سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً" کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک انسان پیدا کیا اسے اپنے قرب کا درجہ عطا فرمایا۔ اب وہ شفاعت کرے تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی خدا تعالیٰ اسے رد نہیں کر سکتا) اس آیت میں اسی قسم کے مشرکانہ فکر کا رد کیا گیا ہے[1]۔ اور جتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے کوئی انسان کتنا ہی مُعزّز کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق کام کرنے پر مامور ہے اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بات بالجبر منوالے۔

اِبْنیّت کا رَدّ : (3) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (نہ اس نے کسی کو جَنا نہ وہ کسی سے جَنا گیا)۔

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تجلّیات کام کر رہی ہیں اس کی تجلّیات یوں تو ہر ایک انسان کے قلب پر پڑتی ہیں لیکن جس انسان کے قلب پر ان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علوم حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا ایک مکمل نظام موجود ہے۔ ایسے خاص افراد کو انبیاء کہتے ہیں گری ہوئی مذہبی جماعتیں اس نظام کو نہیں سمجھتیں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو خدا کا "بیٹا" کہنے لگ جاتی ہیں[2]۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہو سکتا ہے۔

بُت پَرستی کا رَدّ : وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اور نہ اس کے برابر کوئی ہے) ثَنَوِیّت کا ایک درجہ تو وہ تھا جس میں خیر و شر کے الگ الگ مرکز مان لئے گئے تھے۔ اس کا رَدّ پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ کوئی کمزور طاقت ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے برابر ہو گئی ہے قدیم یونانیوں کا یہی عقیدہ تھا۔ اور ہندوؤں

---

[1] انبیاء کرام خصوصاً" حضرت نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا مسئلہ اس سے الگ چیز ہے اس کے متعلق قرآن حکیم میں جگہ جگہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن (اجازت) سے ہو گی۔ (مرتب)

[2] قرآن حکیم میں آیا ہے وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ 9، 30) یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ (مرتب)

میں بھی اکثر اسی قسم کی افکار پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں بُت پَرَستی یا دیوتا پَرَستی رائج ہو گئی۔ اس آیت میں ان کا ردّ کیا گیا ہے۔

غرض اس مختصر سورت میں:

(1) ثَنَویت

(2) شفاعت مطلقہ۔

(3) اِبْنِیّت اور

(4) بُت پرستی یا دیوتا پرستی

کا پورا پورا رد کر دیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ وہی وجود کا مصدر مطلق ہے اور اس کی تجلیات کائنات میں کام کر رہی ہیں ان میں سے ہر ایک امر پر قرآن حکیم کی سورتوں میں مفصل بحثیں آچکی ہیں' سورۂ اخلاص گویا ان تمام بحثوں کا خلاصہ -posɪq

Black

جن اہل مکہ کا اس سورۃ پر ایمان بن گیا وہ اور کچھ سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ قرآن حکیم کے دیئے ہوئے توحید کے سبق کو تو کبھی نہیں بھلا سکتے اب ان میں کسی قسم کی بھی مشرکانہ ذہنیت پیدا نہیں ہو سکتی اور اس مشرکانہ ذہنیت کی خاطر جو اقتصادی طاقت پیدا ہوتی وہ عود نہیں کر سکتی اور یہ اقتصادی طاقت جو سیاسی طاقت کی بحالی کی کوشش کرتی وہ کبھی وجود میں نہیں آسکتی۔ اس طرح سے قرآنی ذہنیت عرب میں مستحکم طور پر قائم ہو گئی۔

☆

سُورَةُ الْفَلَق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید کا پھیلاؤ کائنات میں : توحید ایک نظریے کے طور پر بیان کر دیئے جانے کے بعد ضروری ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ اصول توحید ساری کائنات میں کس طرح کارفرما ہے چنانچہ سورۂ فلق میں یہی چیز دکھائی گئی ہے۔

سورت کی تمثیلی شرح : حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ نے اس سورت کے مضامین کو تمثیل کے ذریعے سے واضح کیا ہے۔

(1) باغبان ایک پودا لگاتا ہے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں پودے کی طبعی دشمن ہیں ان سے پودے کو بچانے کا سامان کرے مثلاً بعض چوپائے سبزی کھاتے ہیں یہ ان کی طبعی غذا ہے۔ ان کی جو طبیعت ہے اس میں پودے کی موت پوشیدہ ہے۔ باغبان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پودے کو اس قسم کی چیزوں کے شر سے بچانے کے لئے اس کے گرد باڑ لگا دے۔

(2) پودے کے بڑھنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ باغبان وہ بھی بہم پہنچاتا ہے اگر وہ غذا بہم نہ پہنچائے تو پودا اسی طرح فنا ہو جائے گا جس طرح جانوروں سے نہ بچائے جانے کی صورت میں فنا ہو جاتا۔

(3) بیرونی آفتیں مثلاً برف شدید گرمی' بجلی وغیرہ بھی پودے کو ہلاک کر سکتی ہیں باغبان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پودے کو ان بیرونی آفتوں سے بھی بچائے اگر وہ پودے کو ان آفتوں سے نہیں بچائے گا تو وہ جس طرح چارپائے کے حملے سے یا غذا کے بہم نہ پہنچنے سے ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اس آفت کا شکار ہو کر بھی ہلاک ہو سکتا ہے۔

(4) ایک شخص کو پودے سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن اس کے مالک سے عداوت رکھتا ہے وہ اس عناد کی وجہ سے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے اگر پودے کو اس کی چیرہ دستی سے نہ بچایا جائے تو بھی پودا اسی طرح سے فنا ہو جائے گا جس طرح پہلی تین حالتوں میں فنا ہو جاتا۔

یہ پودے کی زندگی کی طبعی منزلیں ہیں۔

انسان کو ایک پودا مان لیا جائے تو اسے بھی ان چاروں قسم کی آفتوں سے بچانے کی ضرورت ہوگی انہیں ذہن میں رکھ کر خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی بدنی قوتوں کو جس قدر نقصان پہنچ سکتے ہیں اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا جائے۔

دفع مضرت کی ضرورت : انسان کا جو تعلق کائنات سے ہے اس کے دو رخ مقرر کئے جا سکتے ہیں۔

(1) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔

(2) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

جب ایک عقل مند انسان ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ انسان کو کائنات سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس سے بچاؤ کی تدبیر پہلے سے ہونی چاہئے دفع مضرت کے سلسلے میں کائنات کے ساتھ انسان کے جو تعلقات ہیں وہ منضبط کر لئے جائیں اور ان میں ہر جگہ خدا تعالیٰ کی تدبیر کو کارفرما مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کا جس قدر تعلق کائنات کے ساتھ ہے اس کے ہر ایک حصے میں خدائے وحدہ لاشریک کی تاثیر کام کر رہی ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی انسان کو ہر ایک قسم کے شر سے بچا سکتا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر ایک عقل مند انسان سوچتا ہے تو یہ اثر خود بخود اس کے ذہن میں آجاتا ہے کہ کائنات سے جو منفعت انسان کو پہنچ سکتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے۔

اس طرح کائنات کے تمام اجسام میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر و تدبیر کا ایک نمونہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے اور انسان اپنے بدن کی سلامتی کو دیکھ کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی سورۂ فلق کا موضوع ہے۔

اب ہم اس مثال کے مطابق اس سورت پر غور کرتے ہیں۔

(1) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۝ (کہہ دے کہ میں چیر کر پیدا کرنے والے رب کی پناہ میں آتا ہوں)

عمل انفلاق اور اس کی ہمہ گیری : تمام مادی اشیاء کی تخلیق میں عمل انفلاق (Fission) کار فرما نظر آتا ہے۔ یہ عمل ساری کائنات میں جاری ہے۔ خود کائنات کے متعلق حکماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی ایک بہت بڑے انفلاق (Explosion) سے شروع کی۔ اس کے نتیجے کے طور پر سحابیے (Nebulae) وجود میں آئے۔ اور پھر ان کے انفلاقات سے تمام ستارے (سورج) پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہمارے سورج کے انفلاق سے سیارے بنے جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے اس کے بعد زمین کے کسی انفلاق سے ہمارا چاند وجود میں آیا۔

اسی طرح سے اعضاء والے جانداروں (Organisms) میں خلیات (Cells) کے پھٹنے (Fission) سے مرکب ابدان پیدا ہوتے ہیں۔ تمام حیوانات میں خلیات کے پھٹنے سے ہی نشوونما کا عمل ہوتا ہے اور دانے اور گٹھلی کے پھٹنے سے ہی پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کو فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی (دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا) بتایا گیا ہے۔

عمل انفلاق کے عالمگیر نظام کے خالق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر تدبیر اور کائنات گیر قدرت کا اس سے بہتر تصور نہیں دیا جا سکتا جیسا اس آیت میں دیا گیا ہے۔ پھر یہ عمل انفلاق محض تخریبی نہیں ہے بلکہ تعمیری بھی ہے اور نظام ربوبیت کا مددگار ہے۔ اس حیثیت سے بھی نظام انفلاق کی عظمت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر قسم کے شر سے پناہ کا مرکز بن سکتا ہے۔

(1) پہلا شر : (2) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۝ (ہر ایک چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی)۔

جس چیز کی مخلوقیت میں انسان کے لئے شر ہے (جیسے سانپ بچھو وغیرہ) اس کے شر سے بچنے کے لئے رَبُّ الْفَلَقِ کی پناہ میں آتا ہوں۔

یہ پودے کی زندگی کی وہی منزل ہے جب اسے ان چیزوں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے جن کی طبیعت میں پودے کے لئے شر ہے۔

(2) دوسرا شر : (3) وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۝ (اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے)۔

جب چاند غروب ہو جاتا ہے اور رات تاریک ہو جاتی ہے۔ اس کی روشنی سے پودے کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانیت کو "غذا" پہنچانے والی جتنی چیزیں ہیں مثلاً" صحیح علم، علم کے مطابق عمل کا صحیح نمونہ۔ ان کے فقدان سے جو نقصان انسان کو پہنچ سکتا ہے وہ ہماری اس مثال کے کُھٹنے میں آجاتا ہے۔

ہمیں تمام ایسی چیزوں اور سامانوں کے نہ ملنے سے جن سے ہماری انفرادی، اجتماعی اور نوعی پرورش ہوتی ہے جو اور جس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے اس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

(3) تیسرا شر: (4) وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے)۔

نفث: پھونک مارنا : نفاثات پھونکیں مارنے والیاں۔ یہ مؤنث کا صیغہ ہے یہ جماعت کے لئے بھی آتا ہے۔ اکثر مفسرین اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہو گئے کہ عورتیں جو پھونکیں مار کر جادو کرتی ہیں۔ یہ اس عمل کی ایک مثال ہے اس کی دوسری مثال جماعتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

عقد : عقدۃ : (بہ معنی گرہ) کی جمع۔ اگر نفاثات سے مراد عورتیں لی جائیں تو عقد سے مراد "دھاگے میں لگائی جانے والی گرہیں" ہو سکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد جماعتیں لی جائیں تو عقد سے مراد "پختہ خیالات" ہوں گے جنہیں انسان گرہ باندھتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ یا ایمان ہوتا ہے جو اس کے وجود کے ساتھ اس طرح پیوست ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ تمام انسانی ترقی اسی نکتے کے ساتھ وابستہ ہے ایمانی قوت جتنی مضبوط ہوگی اتنا ہی انسان کی ہمت اور ارادہ مضبوط ہوگا۔ اور وہ اتنا ہی مضبوط اور دیرپا کام کر سکے گا۔

پراپیگنڈا کرنے والی ایک جماعت پراپیگنڈا کرتی ہے وہ ایک فکر لوگوں کے کانوں میں پھونکتی اور ان کے دلوں میں ڈالتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کا اپنا عقیدہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح مخالف پراپیگنڈا کرنے والی جماعتیں اپنے پراپیگنڈا کے زور سے انسان کے زندگی بخش پروگراموں کو نکما ثابت کر کے ایک انسانی معاشرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

آج کل پراپیگنڈے کی طاقت توپ و تفنگ کی طاقت سے زیادہ مانی گئی ہے ایام جنگ میں 9/10 طاقت پراپیگنڈہ (Cold war) یا (war of Nerves) کی تسلیم کی گئی ہے اور 10

1/15 آلات کے ذریعے جنگ (Hot war) کی جس میں معمولی بندوق سے لے کر انتہائی مہلک آلات تک سب داخل ہیں۔

انسانی معاشرے کی فکری زندگی کے لئے پراپیگنڈے کا وہی اثر ہے جو پودے کے لئے برف وغیرہ کا۔

(4) چوتھا شر: (5) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ○ (اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے)۔

ایک شخص کو ایک نعمت دی گئی ہے اس کا حاسد یہ نہیں چاہتا کہ اس شخص کے پاس وہ نعمت رہے لیکن مجھے اس سے بڑھیا مل جائے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے وہ نعمت یا اس سے اعلیٰ تر نعمت ملے یا نہ ملے لیکن اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

چیزوں کی تقسیم حکمت الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اس کی حکمت جسے جو دینا مناسب خیال کرتی ہے۔ عطاء فرما دیتی ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے دشمنی کرتا ہے جسے کوئی نعمت دی گئی ہے وہ اصل میں نعمت تقسیم کرنے والے پروردگار "الْمُعْطِی" سے دشمنی کرتا ہے محسود کے ساتھ اس کی براہ راست کوئی عداوت نہیں ہوتی یہ ویسی ہی بات ہے جیسے باغ کے مالک سے دشمنی کرنے والا اپنی دشمنی پودے پر نکالے۔

ایسے شخص سے بچنے کے لئے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نتیجہ: اس مختصر سی صورت میں ان تمام شرور کا ذکر آگیا ہے جن سے انسان کو اپنی ترقی کے لئے بچنے کی ضرورت ہے۔ توحید کا عقیدہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ انسان اپنی جسمانی سلامتی کی خاطر ہر قسم کی مضرت سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آجائے۔ اس کے ساتھ یہ تصور خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ساری کائنات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جو کائنات کے کسی گوشے سے انسان کو ضرر پہنچتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت سے ہی پہنچ سکتا ہے بلکہ کائنات کی کسی شے سے انسان کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے اس تصور سے ہر ایک بچے، بوڑھے اور مرد و عورت کے دماغ میں قدرت الٰہی کی وسعت بیٹھ جاتی ہے۔

اتنا بڑا علم اتنے مختصر الفاظ میں ایسے عام فہم انداز اور مقرون اشیاء کے ذریعے سے بیان کرنے کی مثال قرآن حکیم کے سوا اور کسی جگہ تلاش کرنا بے سود ہے۔

سُورَۃُ النَّاس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید کا پھیلاؤ نوعِ انسانی میں : کائنات یا شخص اکبر (Macrocosm) کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانے کے بعد ضروری ہے کہ خود نوعِ انسانی کے اندر اس فکر کا پھیلاؤ دکھایا جائے۔ انسان کو شخص اصغر (Microcosm) کہا جاتا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کائنات کا نمائندہ ہے۔ وہ کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ اس کا ذہن کائنات کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور حیرت ناک چیز ہے اور اس کا انا (Ego) سب سے زیادہ موثر اور ہمہ گیر ہے۔ اس لئے اس کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانا زیادہ ضروری ہے۔ کائنات کے وسیع دائرے کے اندر انسانیت کا دائرہ چھوٹا سہی، لیکن یہ سب سے اہم دائرہ ہے اس کا مرکز بھی وہی توحید خالص ہے جس کا ذکر سورۂ اخلاص میں آچکا ہے۔ اس انسانی دائرے میں انسانی اجتماعیت کا اہم ترین مقام ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا موضوع (Subject) ہے لیکن اسلام تمام شرائع کو ایک نظام میں جمع کرتا ہے اس لئے اس سورت میں نوعِ انسانی کے دائرے کے اندر توحید باری کو جس وسعت سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب عظیم کا حصہ ہے۔

تمام ادیانِ عالم میں سے صرف اسلام اجتماعیت انسانی کے درجہ کمال پر بحث کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی پیش کردہ اجتماعیت انسانی تین ہم مرکز..... (Concentric) دائروں میں گھومتی ہے۔ یعنی!

1. دائرۂ ربوبیت
2. دائرۂ ملوکیت
3. دائرۂ الوہیت

(1) دائرہ ربوبیت : قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝ (کہہ دے کہ میں تمام انسانوں کی ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں)۔

سورۂ فلق کی تشریح میں پودے کی جو تمثیل اختیار کی گئی تھی اسے آگے بڑھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان پودے کی طرح پیدا ہوتا ہے اور نشوونما پاکر اپنے جیسے اور "پودے" پیدا کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔

انسان اپنے آباؤاجداد کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے اس کی تربیت کی پھر وہ خود اپنے آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کرتے پاتا ہے گویا اس کے خاندان کے اندر "ربوبیت" کا ایک نظام موجود ہے لیکن قرآن حکیم انسانوں پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ ربوبیت کا یہ عمل کسی ایک خاندان کے اندر محدود نہیں ہے یعنی یہ دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ ہمارے آباؤاجداد ہماری پرورش کرکے ختم ہوگئے اور ہم اپنی اولاد کی پرورش کرکے ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ کوئی نظام ایسا ہے جو ساری نوع انسانی کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہ ذات جو ساری نوع انسانی ہی کی نہیں بلکہ ساری کائنات کی ربوبیت کر رہی ہے حقیقی معنوں میں رب ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنے آباؤ اجداد کی ربوبیت کے محتاج تھے۔ ہم اپنے آباؤاجداد کے دست نگر تھے اور اب ہماری اولاد ہماری ربوبیت کی محتاج ہے۔ یہی سلسلہ دیگر حیوانات میں پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کرۂ زمین پر ہر جگہ ربوبیت عامہ کے آثار موجود ہیں بلکہ نوع انسانی کی تخلیق سے بھی پہلے سے یہ سلسلہ جاری ہے اس سلسلہ ربوبیت کی تخلیق و تدبیر میں نہ ہمارے آباؤاجداد کا ہاتھ ہے نہ خود ہمارا نہ ہماری اولاد کا۔ ربوبیت عامہ کا یہ نظام اتنا وسیع ہے اور اس کی تدبیر اتنی پیچیدہ ہے کہ عقل مند سے عقل مند انسان بھی ابھی تک ربوبیت کے اس نظام کا پورا اندازہ نہیں لگا سکے اور پھر یہ ربوبیت کسی ایک زمانے یا خطے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے وہ مکان یا زمان کی پابند نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر انسان کی فطرت سلیمہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک "ربِّ مُطلق" کی ہستی کو تسلیم کرے اور پھر اس کا جو تعلق انسانیت عامہ کے ساتھ ہے وہ متعین کرکے اپنی "ربوبیت" کو اس کی ربوبیت عامہ کا پرتو سمجھے اور اپنے آپ کو "رَبُّ الْعَالَمِیْنْ"۔ "رَبُّ النَّاس" کا خلیفہ جانے۔ اسی میں انسان کا شرف ہے اور یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔

(2) دائرہ ملوکیت : (2) مَلِکِ النَّاسِ۝ (لوگوں کے بادشاہ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں)۔

انسان کی ارتفاقی زندگی (Cultural Life) کی ترقی میں ایک منزل آتی ہے جب وہ دیہاتی زندگی (ارتفاق اول[1]) اور قصباتی زندگی (ارتفاق دوم[2]) سے بلند تر ہو کر شہری زندگی (ارتفاق سوم[3]) اختیار کرتا ہے اس منزل پر پہنچ کر وہ معاشرے میں حکومتی نظام پیدا کرتا ہے تاکہ اس میں عدل قائم کرے۔

یہ عدل جب انسانی زندگی کے معاشی اور اقتصادی شعبوں کا انتظام کرتا ہے تو ربوبیت کی شکل اختیار کرتا ہے اور جب سیاست کے شعبے میں کام کرتا ہے تو ملوکیت بن جاتا ہے۔ یہ دونوں دائرے ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی عدل اور سیاسی عدل انہی بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے جن بنیادوں پر یہ عدل خاندان میں قائم ہوتا ہے یعنی جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو غذا بہم پہنچاتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت اور صحت و تفریح کا سامان کرتے ہیں ان کی غلطیوں پر رحم آمیز عدل (Justice tempered with mercy) سے ان کی سیاست کرتے ہیں ایک اچھی حکومت بھی اسی طرح کرتی ہے۔ اس کا نظام ربوبیت اور نظام عدل پورے معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

جب حکومت اس بلند معیار سے گر جاتی ہے اور معاشرے میں ظلم و طغیان سر اٹھاتا ہے تو معاشرے میں سے انقلابی قوتیں ابھرتی ہیں اور وہ اس نظام کو برباد کر کے نیا نظام قائم کرتی ہیں[4]۔

[1,2,3]۔ امام ولی اللہ دہلویؒ (1703-1763) کی اجتماعیت (Sociology) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان جب حیوانیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے چھوٹے چھوٹے دیہات بنا کر رہتا ہے جن میں کاشتکاری چند برتنوں کا استعمال' زبان کا استعمال' لباس اور مکان کا استعمال کرتا ہے اور تعین زوجہ کرتا ہے۔ اس منزل میں اس کی تخلیقات میں صفائی اور حسن کم ہوتا ہے اسے امام صاحب ارتفاق اول (The First Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بڑے بڑے قصبات آباد کرتا ہے اور ارتفاق اول کی چیزوں میں صفائی اور حسن کا اضافہ کرتا ہے اسے وہ ارتفاق دوم (The Second Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس سے آگے ترقی کر کے وہ معاشرے میں نظام حکومت قائم کرتا ہے۔ یہ ارتفاقات کی تیسری منزل ہے (The Third Stage of Human Culture) جب وہ سیاسی قوموں میں بٹ گیا اور ان میں خونریزیاں ہونے لگیں تو بین الاقوامی حکومتیں قائم ہونے لگیں تاکہ قوموں کو ان خونریزیوں سے روکا جائے۔ یہ بقول امام صاحب انسانی ترقی کی چوتھی اور آخری منزل۔ یا ارتفاق چہارم (The Fourth Stage of Human Culture) ہے۔ [4]۔ جب کسی معاشرے میں سے انقلابی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ظلم و طغیان کو برداشت کرنے لگ جاتا تو رفتہ رفتہ اسے بربادی کا عذاب آلیتا ہے۔

(مرتب)

ایک عقل مند انسان اجتماع انسانی میں مرکزی مقام حاصل کر لے تو وہ اپنی "ملوکیت" اور اس کی حد بندیوں پر غور کرنے لگے تو دیکھے گا کہ ساری کائنات ایک مستقل نظام تدبیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ نظام فطری قوانین پر مشتمل ہے جن کا اثر و عمل نہایت وسیع اور ناقابل تبدیل ہے۔ وہ اس نظام فطرت کو توڑنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا۔ ان قوانین میں ایک مکمل ربط اور ان کے عمل میں یکسانیت ایک برتر حکیمانہ قوت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو ساری کائنات کو چلا رہی ہے یہاں پہنچ کر وہ اپنی ملوکیت کو اس "مَلِکُ الْکُلّ" کی ملوکیت کا سایہ پاتا ہے اور اپنا شرف اسی میں سمجھتا ہے کہ خود کو اس شہنشاہ مطلق کا خلیفہ قرار دے کر اس کے احکام کو انسانی معاشرے میں نافذ کرے۔ یہ جذبہ ایک دانش مند اجتماعی انسان کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ترقی کرنے والا انسان وہی ہوتا ہے جو اجتماعی ہو ا۔

قرآن حکیم واضح دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ حکومت اور ملوکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ دوسرے تمام حکمران اس کے محتاج ہیں۔

سَرْوَرِی زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی' باقی بُتانِ آزری

اس کی ملوکیت کا حلقہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اس کی ربوبیت کا۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اس کا نتیجہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں رہتا اور وہ یہ کہ انسان اپنے معاشرے میں اپنی مطلق العنان حکومت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس لئے انسانی معاشرے میں فقط شورائی نظام حکومت ہی قائم ہو سکتا ہے۔

(3) دائرہ الوہیت : (3) اِلٰہِ النَّاسِ○ (میں انسانوں کے معبود حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں)۔ انسانی اجتماع میں یہ تیسرا دائرہ ہے۔ یہ بھی پہلے دو دائروں ربوبیت اور ملوکیت پر منطبق ہوتا ہے۔

الوہیت سے مراد دلوں کو کھینچ لینے والی وہ محبوبیت ہے جو عشق تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ جائے۔

انسان کے اندر حُب کا ایک جذبہ موجود ہے وہ اصل میں علم ہی کی ایک شاخ

ا۔ ایک انسان اپنی ضرورتیں پوری طرح سے محسوس کرتا ہے لیکن وہ اپنی ذاتی طاقتوں کے استعمال سے یہ ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک جماعت جمع کر لیتا ہے جس کی مدد سے اس کے مطلب پورے ہونے لگتے ہیں ایسا انسان اجتماعی انسان کہلاتا ہے۔ (مرتب)

ہے انسان کو کسی ذات میں چند خوبیاں نظر آتی ہیں جو اسے اپنی طبیعت کے مناسب محسوس ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اپنے دل میں اپنے محبوب کے لئے ایک کشش پاتا ہے۔ انسان خود جتنا بلند درجے کا ہوتا ہے اتنے ہی بلند درجے کا محبوب اس کے لئے کشش کا باعث ہوتا ہے۔

جب انسان کائنات پر غور کرتا ہے تو اس میں ہر جگہ حسن و جمال کا ظہور پاتا ہے اور جب وہ نوع انسانیت کی ترقیات کا جائزہ لیتا ہے تو وہ ان میں حسن اور احسان دونوں کی وسیع حالات پاتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان کی پے کرتا ہوا ایک ایسی ذات تک پہنچ جاتا ہے جو کائنات اور نوع انسانی کے اندر حسن و احسان کی مرکز ہے وہ اس ذات کے لئے اپنے قلب کے اندر ایک کشش پاتا ہے اور پھر اسی کا ہو رہتا ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات "رَبِّ النَّاس" اور "مَلِكِ النَّاس" کے رنگ میں جا کر معاشرے میں کام کرتا ہے' تو لامحالہ اس کی "ربوبیت" عام ہوتی ہے اور اس کے عدل کا دائرہ اس کی "ربوبیت" کے دائرے کے برابر ہوتا ہے یعنی وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی تربیت نہیں کرتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کی "ربوبیت" کا نظام سوچتا ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے اندر عدل قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لئے معاشرتی اور معاشی عدل قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے انسانی معاشرے کا مرکز محبت بن جاتا ہے۔ ایسے ہی جو جماعت اس طرح سے کام کرے وہ بھی انسانی معاشرے میں محبوبیت حاصل کر لیتی ہے وہ سارے انسانی معاشرے کو اپنا خاندان تصور کر کے اس کی خدمت کرتی ہے یہ ہے انسانی فطرت۔

ایک اجتماعیت پسند انسان جس طرح ربوبیت کے عالمگیر نظام کو دیکھ کر اپنی "ربوبیت" کو رَبُّ الْعَالَمِيْن یا رَبُّ النَّاس کی ربوبیت کی ذیل میں لے آتا ہے اور ساری کائنات میں باضابطگی اور نظم و نسق کی وسعت کو دیکھ کر اپنی حکومت کو حاکم عَلَی الْاِطْلَاق (مَلِكِ النَّاس) کی ملوکیت کے تابع کر کے اس کی خلافت قرار دے لیتا ہے اسی طرح سے وہ اپنی محبوبیت کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت میں مدغم کر کے صرف اسی کو محبوب حقیقی قرار دے لیتا ہے جب حب اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان اپنے اختیار کو محبوب کے اختیار کے تابع کر دیتا ہے اسے عبادۃ کہتے ہیں اور محبوب کو "اللہ" کہتے ہیں۔

ایک اجتماعی انسان حب کے اس درجے پر پہنچ کر خدا تعالیٰ کو نہ صرف اپنا الٰہ تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ساری کائنات کا الٰہ مانتا ہے اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان اللہ

تعالیٰ کے سوا کسی چیز یا انسان سے اعلیٰ درجے کی محبت کرے اور انسانی اختیار کو اس اللہ واحد کے سوا کسی اور کے تابع کر دے۔ اس قسم کی ذہنیت' انسانی ملوکیت یا مطلق الحنانی کو کبھی قبول نہیں کر سکتی اور اس ذہنیت کا مالک انسان جہاں اجتماعیت پسند ہو گا وہاں وہ حقیقی معنوں میں جمہوریت پسند بھی ہو گا غرض انسان سلامتی فطرت کے ساتھ چل رہا ہو تو وہ اپنی ثقافتی اور ارتقائی ترقی میں ان تین درجوں میں سے گزرے گا۔

وہ اپنے آپ کو دوسروں کا "مربی" بنانے کی کوشش کرے گا۔

وہ اپنے آپ کو دوسروں پر "حاکم" بنانے کی کوشش کرے گا اور

وہ اپنے آپ کو دوسروں کا "محبوب" بنانے کی کوشش کرے گا۔

یہ جذبات ہر ایک انسان میں موجود ہیں۔ اگر اسے صلاحیت اور علم حاصل ہو تو وہ اپنے انہی جذبات کی مثالوں کی روشنی میں کائنات کا مطالعہ کر کے یہ بصیرت حاصل کرے گا کہ انسانیت عامہ کے "رَبّ" "مَلِک" اور "اِلٰہ" کو پہچان لے اور پھر اس سے بھی اونچا اٹھ کر اس ذات واحد کی ربوبیت' ملوکیت اور الوہیت کی واضح نشانیاں ساری کائنات میں مشاہدہ کر کے اسے ہی ساری انسانیت اور ساری کائنات کا رب' ملک اور اِلٰہ تسلیم کر لے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانیت کی ترقی انہی تین کمالات انسانی کی ترقی پر منحصر ہے یعنی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا نائب بنے۔ اس طرح سے انسانیت کے اندر خدا تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

(4) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۝

(5) اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ

وسوسہ پیدا کرنے والے چھپ جانے والے کے شر سے جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے)۔

وسوسے کی حقیقت : ان انسانی کمالات کی ترقی کی دشمن کیا چیز ہے؟ اس فکر جلیل میں خلل کس طرح پڑتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں کسی فکر عظیم کے متعلق کوئی کمزور نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اسے وسوسہ کہتے ہیں یہی وسوسہ ترقی کر کے شک بن جاتا ہے۔ جس کا انجام انکار ہوتا ہے۔

انسانی فکر کو بدلنے والی طاقتوں کے دو حصے کر لیجئے۔

(1) انسانی جماعتیں : انسان کسی سوسائٹی میں رہنے لگے تو اس سوسائٹی کے اثر سے رفتہ رفتہ اس کا فکر تبدیل ہونے لگتا ہے اصل میں تو ایک طبقے سے دوسرا طبقہ اثر لیتا ہے

لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے معلوات دو طبقوں میں مشترک ہوتے ہیں ایسے انسان ایک طبقے میں متاثر ہو کر اس اثر کو دوسرے طبقے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس طرح اثرات مختلف طبقوں میں پھیل جاتے ہیں۔

(2) **انسان کے سوا دوسری طاقتیں** : ان کے اثر سے بھی انسان کے دماغ کا فکر بدل جاتا ہے یہ ساری طاقتیں ہمارے سامنے نہیں آتیں۔

"وسواس" کیا ہے؟ : عالم مثال میں انسان کا قرین ہوتا ہے جو یا تو شیطنت کی طرف مائل ہوتا ہے یا ملکیت کی طرف یہ جن (پوشیدہ مخلوق) اگر شیطنت کی طرف مائل ہو تو ہمارے افکار میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی انسانی جماعتیں اپنے مخالف نظام فکر میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جس کے بہت سے طریقے ہیں۔ ان جماعتوں کے کارندے جو بظاہر پراپیگنڈا کرتے ہیں اصل محرک نہیں ہوتے اصل محرک ان کے پیچھے ہوتے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے وہ جماعتیں ان کارندوں کو لکھا پڑھا کر ان سے کام لیتی ہیں اور انسان کے فکر میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

ہم اپنے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں کہ وہ اپنے ذہن کو ہمارے ذہن کی طرف متوجہ کر کے تاثیر ڈالنا چاہتے ہیں تو ہم پر اثر ہوتا ہے صوفیا کے ہاں یہ ایک مستقل فن ہے اسے توجہ دینا کہتے ہیں لیکن نہ ہر ایک صوفی توجہ دے سکتا ہے نہ ہر ایک طالب توجہ لے سکتا ہے اس فن کے قواعد و اصول ہیں جن کے تحت توجہ دی جاتی ہے اس سے طالب کے قلب میں افکار پیدا ہوتے ہیں۔

ایسے ہی ہم نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی دیکھا ہے وہ بھی فکری تاثیر (Suggestion) ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پروپیگنڈا کے ذریعے سے عوام کے دلوں میں خیالات پیدا کرنا تو سب جانتے ہیں اس طرح سے عوام کے افکار میں انتشار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز وسوسے ہی سے ہوتا ہے اس طاقت کو جو وسوسہ پیدا کرنے میں مرکزیت کا مقام رکھتی ہے۔ وسواس کہا جاتا ہے۔

(6) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ○ (جنوں اور انسانوں میں سے)

اس قسم کی وسوسہ پیدا کرنے والی طاقتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) وہ طاقتیں جو نظر آتی ہیں اور

(2) وہ طاقتیں جو نظر نہیں آتیں۔

اول الذکر میں انسان داخل ہیں اور آخرالذکر میں جن، سفلی ملائکہ اور علوی ملائکہ

شامل ہیں۔

یہ دونوں قسم کی طاقتیں ہمارے دلوں میں افکار پیدا کرتی ہیں۔ امر حق کے خلاف جو انتشار فکر پیدا ہوتا ہے وہ فکری مرض ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ انکار حق تک پہنچ جاتا ہے۔

باطل افکار کا نتیجہ : یہ باطل افکار کبھی اللہ تعالٰی کی ربوبیت کے متعلق ہوتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالٰی کی ملوکیت کے متعلق ہوتے ہیں اور کبھی اللہ تعالٰی کی الوہیت کے متعلق ہوتے ہیں۔

اللہ تعالے کی ربوبیت کے متعلق جو باطل افکار پیدا ہوتے ہیں وہ آخر کار دولت کے ارتکاز (Concentration of Wealth) اور پیداوار کے احتکار (Hoarding) پر منتج ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ سرمایہ داری پیدا کرتے ہیں جس سے بقول امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کے اخلاق کا فساد پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالٰی کی ملوکیت کے متعلق جو باطل خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی ملوکیت (Imperialism) پیدا کرتے ہیں جن میں انسانوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) پیدا ہوتا ہے اس سے بھی فساد اخلاق پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالٰی کی الوہیت کے متعلق جو غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ شرک پیدا کرتے ہیں۔ جو انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور یہ تپ دق کی مانند ہے۔ اس سے خدا پر سے انسان کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں ہر ایک طاقت سے مصالحت (Compromise) کرنے کی طرف جھکنے لگتا ہے اور اس طرح اس میں سے انقلابیت (Revolutiony Spirit) نکل جاتی ہے اور رجعت پسندی (Reactionsyism) پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بلند نصب العین پر قائم نہیں رہتا اور نہ صلح بین الاقوامی نظام پیدا کر سکتا ہے۔

ایسے ہی ربوبیت الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ تو انسان سماحت[ا] کے

ا۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں انسانیت کی ترقی کا مدار چار قسم کے اخلاق حاصل کرنے میں ہے۔ یعنی طہارۃ، سماحت، اخبات اور عدالت۔ طہارت سے مراد لباس، ماحول اور افکار کی پاکیزگی ہے۔ سماحت سے مراد ہے دنیاوی لذتوں میں انہماک نہ ہونا۔ تاکہ انسان اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے وقت نکال سکے۔ اخبات سے مراد ہے اللہ تعالٰی کی محبت کے جذبے کا دل میں ہونا جس کی وجہ سے وہ اس کے احکام کی پیروی کے لئے ہر وقت تیار رہے اور عدالت سے مراد ہے معاشرے میں سے ہر قسم کا ظلم و طغیان دور کر کے عدل و انصاف قائم کرنا۔ تفصیل کے لئے دیکھو امام صاحب کا رسالہ "سطعات" "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "بدور بازغہ" (مرتب)

خُلُق سے عاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حرص اور طمع کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے ایسا انسان کوئی اعلیٰ درجے کا اجتماعی نظام نہ پیدا کر سکتا ہے نہ چلا سکتا ہے۔

مملوکیۃ الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہو جائے تو انسان معاشرے میں خود "مَلِکِ النَّاسِ" (انسانوں کا خود مختار مالک) بن بیٹھتا ہے جس سے سیاسی تغلب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور انسان عدل کے خلق سے عاری ہو جاتا ہے۔

اُلوہیۃ الٰہی کے عقیدے میں خلل پڑ جائے تو انسان علم کا اجارہ دار بن بیٹھتا ہے۔ اور تقدس کا جامہ پہن لیتا ہے۔ عوام جہالت میں مبتلا ہو کر اپنے جیسے انسانوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔ اس طرح انسانیت کے دونوں طبقے اخبات کے خلق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

انسانیت کی بربادی : غرض توحید کامل میں وسوسہ پیدا ہو جانے سے انسان سماحت عدل اور اخبات کے بنیادی اخلاق سے بالکل عاری ہو جاتا ہے اور ان کی بربادی سے طبعی طور پر طہارت کے خلق پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی پوری انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جس معاشرے سے یہ اخلاق نکل جائیں وہ انسانیت سے محروم ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔

انسانیت کو اس بربادی سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف خدا تعالیٰ ہی کو "رَبِّ النَّاسِ" "مَلِکِ النَّاسِ" اور "اِلٰہِ النَّاسِ" تسلیم کرے اور خود معاشرہ انسانی میں خدا تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ بن کر ان صفات الٰہی کا مظاہرہ کرے۔

فکری غلبہ : جب اللہ تعالیٰ کی توحید کامل یعنی وجود کی وحدت اور تدبیر کی مرکزیت (جس طرح وہ ساری کائنات اور نوع انسانی میں جاری و ساری ہے) انسان کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اپنے علم اور تجربے سے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا کامل یقین پیدا کر لے تو کوئی مشرکانہ تصور انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اور نہ معاشرے میں ظلم قائم رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ کی سوسائٹی میں یہ ذہنی انقلاب لا کر اسے شرک اور ظلم سے بالکل پاک کر دیا اور پھر مدینہ منورہ کو مرکز فکر و عمل بنا کر سارے عرب میں ایک عظیم الشان ذہنی' سیاسی' اقتصادی اور اجتماعی انقلاب مکمل کر لیا۔ جس کا اثر حدود عرب سے نکل کر رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (شرق و غرب کے رب) کی سرزمین میں پھیلنے لگا۔

--- ☆ ---

سُورۃ فاتحہ کے ساتھ ربط

قرآن حکیم کی پہلی سورت الفاتحہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین بنیادی صفات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(1) رَبُوبِیّت
(2) رَحمَانِیّت اور رَحِیمِیَّت
(3) مَالِکِیَّت

آخری سورہ الناس میں بھی ان کے مقابلے میں تین صفات کا اعادہ کیا گیا ہے:

(1) رُبُوبِیّت (رَبِّ النَّاس)
(2) مُلُوکِیَّتْ (مَلِکِ النَّاس)
(3) اُلُوہِیَّتْ (اِلٰہِ النَّاس)

"سُورۂ فاتحہ" میں اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْعَالَمِیْن کہا گیا ہے۔ تو "سورۃ الناس" میں اسے رَبِ النَّاس بتایا گیا ہے۔ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں رُبُوبِیّت کو رَحمَانِیّت اور رَحِیمِیَّت سے مربوط کیا گیا ہے تو سورۃ الناس میں خدا تعالیٰ کی اُلوہیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ رحمانیت اور رحیمیت دونوں کا عمل ذات خداوندی کو کائنات کا مرکز بناتا ہے جو الوہیت کا اصل ہے۔

سورۂ فاتحہ میں مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کا بطور مَلِکِ النَّاس اشارہ کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے سورۂ الناس میں وسواس کے شر سے بچانے کی دعا کی گئی ہے۔ توحید باری تعالیٰ تک پہنچنے کی عملی شکل صراط مستقیم کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس راہ میں وسواس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔ تو سورۃ الناس میں صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرنے والی طاقت "اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاس" کے دو مظاہر "الجنۃ وَالنَّاس" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس وَسْوَاسِ الْخَنَّاس کے اثر سے جب قومیں صراط مستقیم سے ہٹتی ہیں تو یا تو وہ یہود صفت بن کر "مَغْضُوْب" علیہ ہوتی ہیں یا نصاریٰ صفت بن کر "ضَالِّیْن" میں شمار ہوتی ہیں۔

گویا قرآنِ حکیم کو ان آخری تین سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی رُبُوبیّت، مُلُوکیت (یا مَالِکیّت) اور اُلُوہیّت کی طرف توجہ دلا کر صراط مستقیم یا توحید کے بنیادی فکر پر استقامت حاصل کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ یہی ایک چیز شرف انسانی کی بنیاد ہے اور اسی سے نوع انسانی کے لئے ہر قسم کی مادی اور معنوی ترقیوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی فکر قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر ہے۔ جس پر ساری نوع انسانی کو جمع کرنا انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ ھُوَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰی اَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمُ الْمُھْتَدِیْنَ وَالْمَھْدِیّیْنَ۔

قرآنی دستور انقلاب

سورہ مدثر و مزمل کی
حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32۔ میکلیگن روڈ۔ ایچ کے بی بی سنٹر۔ چوک اے جی آفس لاہور

فون: 7239138

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

مقدمہ

کائنات میں تغیر و تبدل اور کشمکش کا سلسلہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس کا کوئی گوشہ اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بے جان مادے کے طبعی تغیرات سے لے کر حیوانات کی جہد للبقاء (Struggle for Existence) تک ہر جگہ یہ سلسلہ تغیرات کارفرما نظر آتا ہے۔ حیوانات میں جوں جوں شعور بڑھتا جاتا ہے۔ کشمکش حیات پیچیدہ سے پیچیدہ تر صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نوع انسان میں یہ معمولی تنازع للبقاء سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ یعنی اصولوں کی خاطر جنگ کی منزل پر پہنچ چکی ہے۔

انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں ایک طبقہ دوسرے طبقے پر غلبہ پا کر مغلوب طبقے سے ناجائز انتفاع (Exploitation) شروع کر دیتا ہے تو مغلوب طبقہ کمزور ہونے کے باعث غالب طبقے کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دبتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک حد آجاتی ہے جس سے آگے وہ دب نہیں سکتا۔ اس وقت وہ طبقہ بالادست کے خلاف جدوجہد کرنے لگتا ہے۔ یہ جدوجہد دو صورتیں اختیار کرتی ہے:

(1) **ارتقائی جدوجہد** : اس میں غلط کار طبقے کی اصلاح کی کوشش صرف وعظ و نصیحت سے کی جاتی ہے۔ اور مغلوب طبقے میں بھی احساس عمل اس طریق سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس وعظ و نصیحت کے پیچھے کوئی طاقت نہ ہو تو وہ بالکل بے نتیجہ رہتی ہے اور اگر برسراقتدار جماعت مخالفانہ نشرواشاعت (Counter-propeganda) شروع کر دے تو پھر اس تبدیلی چاہنے والی جماعت کی کامیابی معلوم!

(2) **انقلاب** : اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ خرابی پیدا کرنے والی مقتدر جماعت کے خلاف کوئی صاحب فکر، دعوت تبلیغ شروع کرتا ہے اور وہ اپنے گرد ایسی جماعت پیدا کر لیتا ہے جو اپنے نصب العین پر اپنا سب کچھ۔ جان و مال، عزیز و اقارب اور اپنی ہر محبوب شے۔ قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہ جماعت صاحب اقتدار جماعت سے وہ آلۂ اقتدار

چھیننے کی کوشش کرتی ہے جس کے بل بوتے پر وہ کمزور جماعت سے انتفاع کر رہی تھی۔ یہ طریق کار اکثر اوقات تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس انقلابی طریق کار کے تین ضروری جزو ہیں:

(1) نصب العین . (Ideal)

(2) جماعت (Party)

(3) لائحہ عمل (Programme)

نصب العین : سے مراد ہے کہ کوئی جماعت اپنی سامنے سوسائٹی میں ایک غلط نظام پاتی ہے۔ وہ جماعت اسے برباد کر کے اس کی جگہ صحیح نظام لانا چاہتی ہے تو یہ تخریب اور اس کی جگہ صالح نظام کے قیام کا ارادہ اس کا نصب العین کہلاتا ہے۔

گفت رومی ہر بناء کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

جماعت : سے مراد یہ ہے کہ چند لوگ جو ہم فکر ہیں وہ اپنے فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ایک جسم کی طرح کام کرتے ہیں۔ اس حیثیت میں وہ جماعت کہلاتے ہیں۔

لائحہ عمل : یا پروگریم سے مراد یہ ہے کہ وہ جماعت جس کا نصب العین معین ہے۔ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک طریقہ کار سوچتی ہے۔ اس پر خوب اچھی طرح غور و فکر کرتی ہے اور آخر کار سب افراد اسے تسلیم کر کے اس پر کامزن ہونا قبول کر لیتے ہیں۔

جب تک کسی جماعت میں یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں وہ انقلابی نہیں کہلا سکتی۔ اس جماعت کا فکر شروع سے آخر تک ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ طریق عمل یا لائحہ عمل حسب ضرورت بدل سکتا ہے۔

چونکہ صاحب اقتدار جماعت لڑے بھڑے بغیر اپنا اقتدار چھوڑ نہیں سکتی۔ اس لئے انقلاب میں عموماً جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لئے انقلابی جماعت جنگ کو بطور ایک ضرورت کے جائز سمجھتی ہے۔ مگر لڑنے اور نہ لڑنے کا فیصلہ حالات کے مطابق کرتی ہے۔

ابتداء میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرتی ہے اور رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملاتی ہے۔ یہاں تک کہ زمام اقتدار سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس تیاری کے زمانے میں وہ مخالف کی طرف سے ہر قسم کے اشتعال کے باوجود کھلم کھلا لڑائی سے پرہیز کرتی ہے اور بطریق احسن طرح دیتی جاتی ہے۔ اور سب حملوں کو نہایت استقامت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ اس کے ارکان کو اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہوتا ہے اور سب میں وحدۃ فکری ہوتی ہے۔ اسلئے دشمن کا پروپیگنڈہ یعنی "فکری حملہ" ان کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ ان کی وحدۃ فکری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں وحدۃ عملی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو مشترک سمجھتے ہیں۔ اس لئے دشمن کا "اقتصادی حملہ" بھی انہیں منتشر نہیں کر سکتا۔

اگر قرآن حکیم کی تعلیمات پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو وہ بالکل انقلابی نظر آتی ہیں۔ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا عمل بالکل قرآنی انقلاب کی عملی تفسیر معلوم ہوتا ہے[1]۔

پہلے نصب العین کو لیجئے:

قرآن حکیم میں جابجا اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ ایمان کیا چیز ہے؟ کسی بات کو نصب العین بنا کر اسے اپنانا کہ اس پر پورے اطمینان اور انشراح قلب کے ساتھ اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکے ایمان ہے۔ اس ایمان کے مرکز میں قرآن حکیم کو لے آیئے تو حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کی مقدس جماعت کا عمل بالکل انقلابی نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین ــــــ صحیح اور پائیدار قانون ــــــ دے کر محض اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اسے تمام مجموعہ ہائے قوانین پر غالب کر دیں) اب نبی اکرم ﷺ اور

---

[1] ہم نے یہاں لفظ جہاد چھوڑ کر عمداً انقلاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کے لئے جس نظام کی ضرورت ہے اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ لفظ جہاد میسر نہ رہنے کی حالت میں لفظ انقلاب سے بڑھ کر عوام کے لئے کوئی معنی خیز لفظ موجود نہیں ہے۔ جو ہم استعمال کر سکیں۔ اگر ہم انقلاب کے تخیل کو اپنا لیں اور ہندوستان کے اندر اسے کامیاب بنالیں تو ہم اس سے اگلی منزل کی تیاری کر سکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں اس کے بغیر آگے بڑھنے کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہمارے نزدیک درجہ نو آبادی کا حصول ہے۔

آپ کے ساتھیوں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو بے شک و شبہ نظر آتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو اپنا نصب العین بنایا اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیا۔

اس کے بعد جماعت کو لیجئے:

صحابہ کرام (رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن) کی ایک خاص تعداد ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شروع سے آخر تک کام میں شریک رہی۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر عموماً حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح میں ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی) اور سورۂ توبہ میں ہے۔ کہ وَلٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ (محمدؐ رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ شریک ایمان ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس آیت میں معیّن کیا گیا ہے:

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لانےوالے لوگ اور وہ لوگ جو ان کی اچھی طرح پیروی کریں)

اس آیت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے دو حصے کئے گئے ہیں:

① وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لائے ان کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

② وہ لوگ جو ان کی پوری پوری طرح پیروی کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پہلی جماعت کی پیروی کرتے رہیں گے۔

اب پروگرام لیجئے:

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ حزب اللہ کہلاتا تھا۔ اس کا پروگرام وہی ہے جو قرآن حکیم نے دیا تھا یہ جماعت اپنے فیصلے قرآن حکیم اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تشریحات کے مطابق کرتی رہی۔ ان کے بعد جو لوگ ان کی پیروی پوری پوری طرح کریں گے (مُتَّبِعِیْن بِاِحْسَان) وہ بھی قرآن حکیم اور تشریحات نبی کریم ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے اور جہاں نئے حالات میں نئی صورتیں پیدا ہوں وہ اپنے متفق علیہ یا اغلبیّت کے فیصلوں سے کام لیں گے۔ امیر اس جماعت میں سے ہوگا اور وہ اپنے رفقاء کے مشورے سے قائم کرے گا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں جسے امام الائمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خیرالقرون[1] قرار دیتے ہیں اسی طرز پر کام ہوتا رہا اور اس سے سرمو تجاوز نہیں ہوا۔ اس کے بعد اختلافات کا ظہور ہونے لگا۔ اس لئے حضرت امام کے نزدیک صرف حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا زمانہ قابل سند ہے۔

قرآن حکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سارا قرآن ان انقلابی اصولوں پر صحیح اترتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے پہلے پہل دنیا سے روشناس کرایا انہوں نے اسے انقلابی رنگ ہی میں پیش کیا نہ کہ ارتقائی رنگ میں۔ صفحات مابعد میں سورۂ مزمّل اور سورۂ مدثّر کی جو تشریح کی گئی ہے وہ انہی اصولوں پر کی گئی ہے۔ (اَلْخَطَاءُ مِنِّیْ وَالصَّوَابُ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ)

قرآن حکیم نے جو انقلاب پیدا کیا وہ حقیقت میں کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف تھا[2]۔ اس وقت کی مہذّب دنیا کا بہت بڑا حصہ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت آچکا تھا۔ چنانچہ کسریٰ ایران کی حکومت مشرق میں سرحد ہندوستان تک پہنچ چکی تھی اور قیصر روم کی حکومت مغرب میں انتہائے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس عظیم الشان خطے میں انسانوں کی بہت وسیع آبادی موجود تھی لیکن وہ انسانیت کے حقوق سے محروم کردی گئی تھی۔ امیروں' جاگیرداروں اور شاہی خاندانوں نے مل کر کسانوں تاجروں اور پیشہ ور لوگوں کو اس بری طرح لوٹنا کھسوٹنا شروع کر رکھا تھا کہ وہ بیچارے گدھوں اور بیلوں کی حالت تک پہنچ گئے تھے۔ جن کو صرف اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ انسان کے کام آتے ہیں۔ سیاسی گروہ کے ساتھ علمی اور مذہبی گروہ نے بھی گویا

1۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "قرن اول زمان آنحضرت بود ﷺ از ہجرت تا وفات و قرن ثانی زمان شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلافہا پدید آمد۔ فتنہا ظاہر گردید"۔ (ازالۃ الخفاء ص 121 ص 14)
(یعنی قرن اول سے مراد حضرت نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مبارک ہے جو ہجرت سے وفات تک ہے۔ اور قرن دوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ہے اور قرن سوم سے مراد حضرت عثمانؓ کا عہد ہے۔ اس کے بعد اختلافات اور فتنوں کا ظہور ہو گیا)

2۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ لا جرم داعیہ ظہور دین حق و قصد انتقام از کفرہ فجرہ برہم زدن دولت کسریٰ و قیصر را آشیانہ خود گردانید تا چوں ایں ہر دو دولت برہم خورد اعظم ادیان موجودہ در ضمن آنہا برہم خوردہ باشد (ازالۃ الخفاء ص 46) (یعنی لامحالہ دین کے ظہور اور قانون شکن کفار سے انتقام کے عزم سے مراد کسریٰ و قیصر کی حکومت کی تباہی تھی کہ یہ دونوں حکومتیں تباہ ہو جائیں گی تو موجودہ دینوں میں سے بڑے دین خود بخود تباہ ہو جائیں گے)

"سازش" کر رکھی تھی۔ اور یہ آخرالذکر گروہ عوام کو اپنے حال پر مطمئن رکھنے کے لئے مذہب سے تلقین بہم پہنچاتا تھا اور اس کام کی اجرت کے طور پر سیاسی گروہ کی لوٹ کھسوٹ میں سے حصہ پاتا تھا۔ بیچارے عوام چکی کے ان دو پاٹوں ——— اقتصادی سرمایہ داری اور علمی سرمایہ داری ——— کے بیچ میں پس کر رہ گئے تھے۔ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ان کی حالت کا دردناک نقشہ حجۃ اللہ البالغہ میں کھینچا ہے۔ وہ چشم عبرت بیں کے لئے دیدہ کشا ہے۔

ان حالات کا تجربہ اس زمانے میں مکے کی زندگی میں وہاں کے فارغ البال لوگوں نے پیدا کر رکھا تھا۔ یہاں بھی روسا کا ایک طبقہ تھا جس نے عوام الناس کو اقتصادی لحاظ سے اور "پروہتوں" کے گروہ نے ذہنی لحاظ سے غلام بنا رکھا تھا۔

دنیا کی یہ حالت تھی جب حضرت نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ قرآن حکیم اس حالت کا نقشہ ان بلیغ الفاظ میں کھینچتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم 30: 41)

(لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے خشکی و تری میں فساد برپا ہو چکا تھا) اس کے متعلق امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَلَمَّا عَظُمَتْ هٰذِهِ الْمُصِيبَةُ وَاشْتَدَّ هٰذَا الْمَرَضُ سَخِطَ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَكَانَ رِضَاهُ تَعَالٰى فِي مُعَالَجَةِ هٰذَا الْمَرَضِ بِقَطْعِ مَادَّتِهِ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 106)

(یعنی جب یہ مصیبت یعنی اقتصادی لوٹ کھسوٹ حد کو پہنچ گئے اور مرض نے شدت پکڑی تو خدا تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے سخت ناراض ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیّت نے فیصلہ کیا کہ اب اس میں اصلاح حال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اس مرض سے انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اس کا مادہ ——— کسریٰ اور قیصر کی حکومت ——— ہی جسم انسانیت سے کاٹ کر پھینک دی جائے)

اس انقلاب عظیم کے برپا کرنے کے لئے

بَعَثَ نَبِيًّا أُمِّيًّا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَمْ يُخَالِطِ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ وَلَمْ يَتَرَسَّمْ بِرُسُوْمٍ وَجَعَلَهٗ مِيْزَانًا يُعْرَفُ بِهِ الْهُدٰى

الصَّالِحُ الْمَرْضِيُّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ الْمَرْضِيِّ۔۔۔
وَقَضٰى بِزَوَالِ دَوْلَتِهِمْ بِدَوْلَتِهٖ وَرِيَاسَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهٖ بِاَنَّهٗ هَلَكَ
كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ

(ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو مبعوث فرمایا جو ان پڑھ تھا (ﷺ) اور جو ایرانی اور رومی رسم و رواج سے آزاد تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت صالح کے لئے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے معیار مقرر کیا تاکہ اسے دیکھ کر ناپسندیدہ کا علم ہو۔۔۔ اور فیصلہ کیا کہ اس نبیؐ کی حکومت کے ذریعے سے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں اور اس کی لیڈر شپ کے ذریعے سے ان کی لیڈر شپ کو ختم کر دیا جائے تاکہ کسریٰ و قیصر فنا ہو جائیں اور پھر ان کی کسرویت و قیصریت نہ رہے)

آج یورپ میں اور اس کے سیاسی اور فکری محکوم ملکوں میں چند بالائی طبقوں کی مالی بلندی اور عوام کی معاشی پستی کی جو حالت ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اخروی زندگی سے جو "بے نیازی" اور غفلت ہے وہ رومی اور ایرانی حکومتوں کے بالکل مشابہ ہے۔ اور ان بالائی طبقوں کی ذہنیت اور عوام سے انتفاع کے اصول وہی ہیں جو ان دو حکومتوں میں تھے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ وَمَا تَرَاهُ مِنْ مُلُوْكِ بِلَادِكَ يُغْنِيْكَ عَنْ حِكَايَاتِهِمْ (یعنی تمہارے اپنے ملک کے امراء اور حکام کی جو حالت ہے اسے دیکھ لو تو تمہیں دوسرے ملکوں کے امراء اور حکام کی حالت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی) یہ فقرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے میں تھا۔ آج بھی ہندوستان کی وہی حالت ہے کہ ایک طرف ایک چھوٹا سا سرمایہ دار اور سرمایہ پرست طبقہ ہے جس کی آمدنی ہزاروں سے لے کر کروڑوں تک ہے۔ دوسری طرف وسیع مفلس طبقہ ہے۔ جس کی آمدنی صرف چند آنے ماہانہ ہے۔ طبقہ بالادست نے زیردست طبقے کو قابو میں کیا ہوا ہے اور زیردست طبقہ اپنے انسانی حقوق کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی طاقت رکھنا تو ایک طرف یہ سمجھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا کہ اس کے انسانی حقوق کیا ہیں اور اس کے فرائض کیا ہیں۔ قرآن حکیم نے آکر بتایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ بلاامتیاز سب انسانوں کے لئے ہے۔ (خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا) (جو کچھ زمین میں

ہے وہ سب تم سب کے لئے ہے) انسانوں کے کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص کو اس میں سے اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملنا چاہئے۔ جو لوگ ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور محتاجوں کو ان کی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کر کے کس بلند درجے پر پہنچ سکتے ہیں اور اب ٹھیک طرح استعمال نہ کر کے کس گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سوسائٹی کے ایک بڑے حصے کی ضرورتوں سے انسان کس طرح اندھا ہو جاتا ہے اور پھر اس غفلت سے کس قدر نقصان اٹھاتا ہے!

اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ فارغ البال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں اپنے محتاج بھائیوں کی خبرگیری کریں۔ لیکن کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبرگیری میں داخل نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا۔ یہ ہے اصل میں محتاجوں کی خبرگیری کرنا۔ آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریق سے محتاجوں کو ٹکڑے دیا جاتا ہے۔ یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے ضرورت ہے کہ محتاجوں کی خبرگیری کے لئے جابجا منظم محتاج خانے ہوں۔ جہاں محتاجوں کو اس طرح کھلایا پلایا جائے کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں ان کے لئے کام بہم پہنچایا جائے۔ یا ضرورت ہو تو ان کے لئے آلات کار بہم پہنچائے جائیں یہ ہے انکی خبرگیری۔

اس انقلاب کے لئے قرآن حکیم مساکین کی اجتماعی تنظیم کا پروگرام پیش کرتا ہے۔

قرآن حکیم کمزور انسانی افراد کو انسانی اجتماع میں یہ حقوق کیوں دیتا ہے؟ یعنی وہ مرفہ الحال لوگوں کو کیوں مجبور کرتا ہے کہ اپنی کمائی میں سے ایک حصہ محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ضرور نکالیں جو ان کا حق قرار دیا گیا ہے؟[ا] اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فردِ انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ اجتماع ہی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ انفرادی

ا وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (یہ اس شخص کا حق ہے جس کی حالت سوال تک پہنچ جائے اور جو اسباب معاش سے محروم ہو گیا ہو) الذاریات: 51: 19)

زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقعہ نہیں ملتا اور وہ جلد (Atrophied) ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرد کی حالت انحلال کا اثر اجتماع انسانی کے دوسرے افراد پر خود بخود پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے اجتماع کو ان مضر اثرات سے بچانے کے لئے افراد کی خبر گیری ضروری ہے۔ جو اجتماع محتاجوں کی خبر گیری نہیں کرتا وہ توڑ دینے کے قابل ہے۔ اصل میں اس کا نام "اجتماع" رکھنا ہی ظلم ہے۔ اجتماع فقط افراد کی خبر گیری کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ افراد کی خبر گیری نہیں کرتا تو وہ برباد کر دیئے جانے کے لائق ہے۔

محتاجوں کی خبر گیری کے لئے قرآن حکیم نے زکوٰۃ مقرر کی ہے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ زکوٰۃ کا موجودہ نصاب اس زمانے میں مقرر ہوا تھا جب بیت المال عام لوگوں کی خبر گیری کرنے پر قادر تھا۔ اگر مسلمانوں کی زکوٰۃ کی آمدنی افراد کی خبر گیری کے لئے ناکافی ہو تو ہر ایک سرمایہ دار کا سارے کا سارا سرمایہ لے کر اس کام میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

افراد کو اجتماع میں رکھ کر قرآن حکیم ان کے اندر بعض اخلاق[1] کی تکمیل کرنی چاہتا ہے ان اخلاق کی تکمیل سے انسان کے نفس کے اندر ایسی کیفیات جمع ہو جاتی ہیں۔ جن کا مجموعہ (Sum total) انسانی معاشرے (Society) کو بلند کر دیتا ہے۔ اور یہی کیفیات اس کے مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔

امام ولی اللہؒ انسان کی زندگی کو ایک اکائی مانتے ہیں جس کا ایک حصہ اس دنیاوی زندگی میں گزارا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اسی سے پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے اوپر بھی ترقی جاری رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سوسائٹی میں رہتا ہوا اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے جو اثرات اپنے نفس کے اندر جمع کرتا ہے وہی اگلی زندگی میں جا کر اس کے لئے جنت کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ اعمال بد اور اخلاق رذیلہ کے جو اثرات جمع کر لیتا ہے وہ اس کے لئے جہنم کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ پس قرآنی انقلاب کا منشا صرف یہ ہے کہ معاشرہ انسانی میں اچھے اخلاق کی حکومت ہو۔ یعنی وہ

---

[1] امام الائمہ امام ولی اللہ کے نزدیک قرآن جن اخلاق کی تکمیل چاہتا ہے وہ چار اساسی اخلاق ہیں یعنی (1) اخبات (2) طہارت (3) سماحت (4) عدالت۔ ان کی تفصیل کے لئے ان کے رسالہ ہمعات (شائع کردہ بیت الحکمت لاہور) کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ان کا اجمالی ذکر سورۃ مدثر میں بھی کیا گیا ہے۔

جماعت حکمرانی کرے جو قرآن کی تجویز کردہ مذکورہ بالا اخلاق لوگوں میں پیدا کرے۔ قرآن حکیم یہ اخلاق خارج سے انسانوں کے سر تھوپتا نہیں۔ بلکہ یہ اخلاق خود فطرت انسانی کے تقاضے ہیں جن کو اسے سوسائٹی میں رہ کر پایہ تکمیل کو پہنچانا چاہئے۔ قرآن حکیم ان اخلاق کے لئے مشق کے طریقے بھی تجویز کرتا ہے اور مواقع بھی بہم پہنچاتا ہے۔ جو جماعت یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گی وہ بدنی اخلاق اور عملی طہارت کو اپنا شعار بنائے گی۔ وہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے گی اور اسباب کو استعمال کرتی ہوئی بھی صرف خدا پر بھروسہ کرے گی۔ اور اس کام سے وہ کوئی ذاتی نفع جوئی نہیں کرے گی بلکہ اس کا مطمع نظر صرف خدمت خلق (محتاجوں کی خدمت) ہوگا۔ کیونکہ یہ خوشنودی خدا کا موجب ہے۔ اس غرض کے حصول کے لئے وہ ایسا عدل قائم کرے گی۔ جو سوسائٹی کے کسی خاص طبقے کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ سب طبقات کی ضرورتیں پوری کرنے کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ وہ ذی استطاعت لوگوں پر حسب ضرورت ٹیکس لگائے گی اور اس طرح جو آمدنی ہوگی وہ مساکین اور غربا میں تقسیم کرے گی۔

یہ قرآنی انقلابی جماعت جب برسراقتدار آئے گی تو وہ یقیناً" ان لوگوں سے بازپرس کرے گی جو عدالت کی راہ میں حائل ہوں گے۔ یا جو طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ کی خلاف ورزی کریں گے اور عوام کو خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے چھوٹے سے چھوٹے راستے ـــــ صراط مستقیم ـــــ سے روکیں گے۔ یہ جماعت ہر ملک میں پہلے قومی پیمانے پر کام کرے گی۔ لیکن انسانیت کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گی۔ اور بین الاقوامی خلافت کے مقام پر پہنچ کر بھی کسی خاص قوم یا طبقے کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر کام نہ کرے گی۔ بلکہ تمام نوع انسان کی انسانی ضرورتوں کے مطابق حکم کرے گی۔ اس جماعت کی پیدا کردہ قوتیں صحیح بین الاقوامی اجتماع پیدا کرنے کا باعث بنیں گی۔

یہ ہے وہ بین الاقوامی انقلاب جو قرآن حکیم پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہی مدعا ہے اس دعا کا جو ہر انسان کو مانگنی چاہئے کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (ہم کو بین الاقوامی انصاف کرنے والوں کا لیڈر بنا)

قرآن حکیم نے جس بین الاقوامی انقلاب کی طرح ڈالی اس سے پہلے سینکڑوں قومی انقلابات ہر ملک اور ہر قوم میں آئے لیکن قرآن حکیم جس نوعیت کا جامع انقلاب لانا چاہتا

ہے اس نوعیت کا انقلاب اب تک رونما نہ ہوا تھا۔ اس لئے اس کی نوعیت کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ اگر قرآن حکیم کسی خاص ملک یا قوم کے مقامی انقلاب کو عنوان بناکر اپنے بین الاقوامی انقلاب کا تصور دلاتا تو اس بین الاقوامی انقلاب کے خدوخال پوری طرح ذہن نشین نہ ہو سکتے۔ کیونکہ ایک قوم کے قومی انقلاب کو صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے جس میں وہ انقلاب آیا۔ دوسری قومیں اسے نہیں سمجھ سکتیں اور نہ اس سے عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔

ان حالات میں قرآن کے لئے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا۔ وہ قیامت کا فکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز یہ کائنات منتشر ہو جائیگی اس کے بعد خداوند تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کی بازپرس کرے گا۔ یہ فکر بلاوئی تبدیلی تمام اقوام عالم میں مسلّم ہے اور مسلّم رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک یہودیوں اور عیسائیوں کی بدولت یہ فکر مہذب دنیا کے ایک بہت بڑے طبقے میں روشناس ہو چکا تھا۔ پھر ہندوؤں میں بھی پرلے کا مسئلہ اس فکر کے قریب قریب موجود ہے۔ اور اس طرح تمام دیگر اقوام میں یہ فکر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ قرآن نے اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے اسی فکر کو ذریعہ بنایا۔ اس طرح قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح نوع انسان پر ایک دن آنے والا ہے جب اس کے افراد سے اس بارے میں باز پرس کی جائے گی کہ طاقتوروں نے کمزروں کے حقوق کہاں تک ادا کئے اور کمزوروں کی خدمت کتنی کی۔ اسی طرح دنیا میں قرآن حکیم کی علمبردار جماعت انہی اصولوں پر طاقتوروں سے بازپرس کرے گی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے اپنی پہلی تقریر میں جو انہوں نے عہدۂ خلافت پر قائم ہوتے وقت کی فرمایا کہ تم میں سے ہر کمزور طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلاؤں اور ہر طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق نہ لیا جائے۔ یہ انقلابی جماعت ساری نوع انسان کے جملہ مفادات کی محافظ ہوگی ظاہر ہے کہ اس قسم کے عالمگیر یا انسانیت گیر انقلاب کی تشبیہ قیامت کے کائنات گیر انقلاب کے سوا اور کس انقلاب سے دی جا سکتی تھی؟ مگر افسوس ہے کہ اس انقلاب اور قیامت کا جو ربط ہے اسے سوچنے والے عالم بہت کم ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے انسانیت گیر

ہونے سے پہلے قرآن کے جامع اور کامل انسانیت گیر انسانیت کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ انسانی مجامع کے اندر ایک ایسی بین الاقوامیت پیدا ہو جس میں تمام اقوام عالم شامل ہوں۔ اور اس مرکزی ادارے کے اوپر جو اقوام کو کنٹرول کرے۔ قرآن حاکم ہو۔ دنیا نے ایک مرتبہ یہ نظارہ حجاز میں دیکھ لیا ہے اور دوبارہ پھر دیکھے گی۔ جب اسے قائم کرنا اپنا فرض بنالے گی اور اب کے اس تحریک کا آغاز اس جگہ سے ہوگا جہاں قرآن کا علم و فہم سب سے زیادہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے مفسرین جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں تو عموماً قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات و اشخاص سے وابستہ کرکے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں چنانچہ اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے ان کی بعض آیات کی توضیح مفسرین نے مخصوص واقعات ہی کے رنگ میں کی ہے۔ اس بارے میں ہم امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کے تابع ہیں جو فرماتے ہیں کہ:

> خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے سوائے صرف بعض آیات کے جن میں کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہو جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا۔ کیونکہ سننے والے کے دل میں اشارے سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قصے کی تفصیل معلوم کئے بغیر دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ (فوز الکبیر فی اصول التفسیر)

مثلاً سورۂ مدثر میں آیات نمبر 8-25 میں سرمایہ پرست اشخاص کا نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کیا گیا ہے۔ ان آیات کو نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ایک منکر ولید بن مغیرہ سے وابستہ کرکے فارغ ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ ان آیات کو ہر زمانے پر چسپاں کرکے دیکھا جائے۔ اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے۔ کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جب ہمارے امرا نے عوام کی طرف سے جواب طلبی سے بچنے کی کوشش کی

بعض علما نے ان آیات کو عہد نبوی کے اشخاص و واقعات سے وابستہ کر کے عوام میں یہ غلط تصور پیدا کر دیا کہ ان آیات کا اطلاق عام نہیں ہو سکتا اس پر طرہ یہ کہ اس ذہنیت کے پیدا کر دینے کے ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی کہ مَا اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ فَادْفَعُوْاھَا اِلَیْھِمْ (یعنی جب تک امرا اور حکام صرف نماز پڑھتے رہیں ان کو زکوۃ ادا کرتے رہو) ان کو معلوم نہیں کہ جو امیر ہو محتاجوں کی خدمت نہیں کرتا وہ روح زکوۃ کا منکر ہے اور ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے تنہا نماز قائم کرنے کو دین کا مدار نہیں بتایا گیا اس کے لئے یہ آیت کریمہ سامنے رکھنی چاہئے۔ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ (یعنی ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص کر کے اس کے واسطے بندگی، ابراہیمؑ کی راہ پر، اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی) (سورۃ بینہ 98 : 5)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امرا تو اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے کیا باز آتے عوام کو ٹیکس ادا کرتے رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جن سے امرا عیش بلکہ عیاشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ عوام کے دلوں سے انقلاب کا تصور اور امراء سے جواب طلبی کا وہم تک جاتا رہا۔ حالانکہ بقول علامہ جصاص الرازی الحنفی حضرت نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ ضرورت ہے کہ آج پھر مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرلیں کہ ہمارے ملک کے امرا اور حکام ہمارے آگے جوابدہ ہیں۔ یہ وہ کلمہ حکمت ہے جسے اہل امریکہ نے ایک حد تک سمجھا اور اعلان کیا کہ (No taxation without represntation) (جو لوگ ہمارے سامنے جوابدہ نہیں ہیں ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ کوئی ٹیکس وصول کریں) شہریت (Citizenship) کا یہ وہ ابتدائی اصول ہے جس کی معقول ترین صورت اسلام نے پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کی شکل میں پیش کی ہے اور جس کی عملی شکل خلافت راشدہ کا عہد مبارک تھا۔[1]

الغرض قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ اس انقلاب کا پہلا مطمع نظر قیصو کسریٰ

---

[1] بقول امام الائمہ امام ولی اللہؒ یہ زمانہ شہادت عثمانؓ تک ہے۔ ازالۃ الخفاء ص 121)

کی حکومتوں کی بربادی تھی اور اس کا دائمی منشاء اس کے قانون کا غلبہ ہے جس کا ایک اہم ذریعہ مساکین کی تنظیم ہے۔ یہ وہ حشر خیز اصول ہے جس سے دنیا میں قرآنی انقلاب کی قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے۔ اور جس کے بعد قرآن کی حامل جماعت فارغ البال غاصب طبقوں سے جواب طلبی کرتی ہے۔ حجاز میں یہ نمونہ انقلاب ایک دفعہ رونما ہو چکا ہے۔ جس کی آخری لہریں بعض ملکوں میں اب تک ہچکولے لے رہی ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانیت کے کچلے ہوئے طبقات میں ظاہر ہوا ہے اور اب پھر ایسے ہی طبقات میں رہ گیا ہے تو اگر مسلمان ہوشیار ہو گئے تو دنیا کو ایک انقلاب عظیم کی توقع رکھنی چاہئے۔ جو نہ صرف جامع ہو گا بلکہ عالمگیر بھی ہوگا۔ اور وہ انقلاب قرآن حکیم کے اصولوں پر ہو گا ممکن ہے کہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کا ہندوستانی مسلمان بھی اس انقلاب میں اچھا خاصا حصہ لے۔ اب ہمارے ملک کے حاملین قرآن کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نبض پہچانیں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کو سمجھ کر قرآن حکیم کو اپنائیں جو اس دور حکمت میں جامع اور عالمگیر انقلاب برپا کرنے والی واحد کتاب ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ اِنْ مَكَّنَّ اللّٰهُ فِى الْاَرْضِ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ○

دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا

ضلع حیدر آباد (سندھ)

1944ء ہندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مزّمّل

رفقاء انقلاب کی تیاری

پیرایہ آغاز : انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

فطرت انسانی کے تقاضے ——— خدا پرستی ——— سے انکار کرنے والے سرکشوں کی گردن توڑنے والا انقلاب! فطرت انسانی کی تکمیل کرنے والی کمزور قوموں کو سربلند کرنے والا انقلاب! ظالموں سے باز پرس کرنے والا انقلاب! اجتماع انسانی کی مادی اور روحانی امراض سے پاک کرنے والا انقلاب فطرت انسانی کا وہ گوہر نایاب ہے جسے وہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی!۔

معاشرۂ انسانی اپنے ابتدائی دور میں ایک خاص نہج پر چل رہا تھا۔ کہ نباض فطرت انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر قائم کیا۔ ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی اصولوں پر کام کیا جس کی طرح انبیاء کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈال گئے تھے۔

صدیاں گزر گئیں! ابراہیمی انقلاب کے اصول تجربے میں آتے آتے انسانیت میں مسلم ہو گئے اور ترقی یافتہ نوع انسان نے ان کے مطابق فطرۃ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

اب انسانی رہنمائی کے لئے آخری اور دائمی ہدایت نامے کی ضرورت تھی۔ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی شکل میں لائے۔ اس میں وہ تمام اصول حیات اور ضوابط جمع کر دیئے گئے ہیں جن پر انسانی فطرت قائم ہے۔ ان کو بروئے کار لانے اور روئے زمین پر مستحکم طور پر قائم کرنے کے لئے جن ابتدائی قواعد کی ضرورت ہے ان میں سے چند سورۂ مزمل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں پر پہلے جزیرہ عرب میں اور پھر اہل عرب کی مدد

سے دنیا کے باقی حصوں میں انقلاب برپا ہوا۔

(ا) يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ! (اے مزّمّل)

ایک غلط فہمی کا ازالہ : لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کے معنی کئے ہیں۔ اَلْمُتَزَمِّلُ فِیْ ثَوْبِہٖ وَذٰلِکَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِعَارَۃِ، کِنَایَۃً عَنِ الْمُقَصِّرِ وَالْمُتَهَاوِنِ بِالْاَمْرِ وَتَعْرِیْضًا بِہٖ۔ (یعنی کپڑوں میں لپٹا ہوا جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے۔ کہ وہ شخص کام کرنے میں قصور کرتا ہے۔ اور سستی سے کام لیتا ہے اور یہ اسے گویا تعریض کے طور پر کہا گیا ہے)

لیکن اس شخص کے متعلق جو اپنے فکر اور اپنی قوت کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے، خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء:26:3)

(یعنی یہ جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات (Programme of Life) کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر ڈالے گا؟)

اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا بوجھ اٹھائے اس کی کمر دہری ہوئی جاتی تھی۔

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ○ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ (الانشراح:94:3)

(اور ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا)

اور جو لوگوں کو راہ راست پر لانے کے راستے معلوم کرنے کے لئے بے قرار تھا۔

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی (7:93) (اور اس نے تجھے تلاش میں گم پایا اور پھر تجھے ہدایت دی)

اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سست اور کاہل تھا۔

ع یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

پس لفظ مزمل کے وہ معنی لئے جانے چاہئیں جو اس سورت اور حضرت نبی اکرم ﷺ

ا۔ المفردات القرآن للراغب الاصفہانی

کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

المزمل کی پہلی تشریح : (1) (الف) موطا امام مالکؒ میں ایک روایت آتی ہے کہ:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ، وَاَنَا اَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِيْ اَلَّذِيْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ (یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں)

علماء کرام نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں نام گنوائے ہیں تو ان پانچ ناموں کی خصوصیت کیا ہے؟ ذرا تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چنانچہ محمد اور احمد تو صاف مذکور ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الفتح:48-29)

يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (6:61)

الحاشر کے معنی : الحاشر کی تشریح کرتے ہوئے امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں بقیل معنی قوله على قدمی انه اما مهم یوم الحشر یحتا جون الی شفاعته (المسوّیٰ جلد 2 ص 516 باب اسماء النبی ﷺ)

یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کہ "میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے" کے یہ معنی ہیں کہ وہ یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور وہ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ الحاشر کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (النمل: 17:27) (یعنی سلیمانؑ کے لئے اس کے لشکر جمع کئے گئے)

نیز قرآن حکیم میں الحشر نام ایک سورت بھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (سورۂ حشر:59 : 2)

حضرت امام الائمہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

اوست آنکہ بر آورد آناں راکہ کافر شدند از اہل کتاب از خانہائے ایشاں در اول جمع کردن لشکر (فتح الرحمان) (یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی مرتبہ لشکر جمع کرنے کے وقت میں گھر سے نکالا)

یہاں اول الحشر سے مراد نبی اکرم ﷺ کا پہلا جارحانہ حملہ ہے جو آپ نے 4ھ میں بنی نضیر[1] پر کیا۔ گویا الحاشر کے معنی ہیں لوگوں کو جمع کرنے والا۔ اسی طرح المزمل کے معنی ہیں زمیلوں کو جمع کرنے والا یعنی قرآن کی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے انقلابی عناصر کو جمع کرنے والا یا اس تحریک کے لئے جس قسم کے رفقاء کار کی ضرورت ہے اس قسم کے رفیق جمع کرنے والا[2]۔

نبی اکرم ﷺ زمیل (رفقاء) تیار کریں گے : (ب) اب لفظ المزمل پر ایک اور نقطہ نگاہ سے نظر ڈالئے:

اونٹ کے کجاوے میں عموماً دو آدمی سوار ہوا کرتے ہیں ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف تاکہ بوجھ دونوں طرف برابر رہے۔ ان کو ایک دوسرے کے زمیل کہتے

1۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جنگیں مدافعانہ تھیں جارحانہ نہ تھیں۔ عیسائی مشنری (Missionaries) یہ پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اسلام وحشیانہ مذہب ہے جس میں قتل و خونریزی اور غارتگری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر مسلمان علمائے بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں یہ نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں اس نے کبھی کوئی جارحانہ حملہ نہیں کیا مگر درحقیقت یہ رکیک عذرواری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام میں جنگ جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسلام جنگ کو جائز قرار دیتا ہے (اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ وہ جنگ کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے) تو اس کے بعد یہ افسر جنگ کے اختیار تمیزی (Discretion) پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر حملہ کرے یا غنیم کے حملے کی محض مدافعت کرے ظاہر ہے کہ اس کا قرآن کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

2۔ الماحی کے لئے دیکھو سورۂ المدثر میں لفظ مدثر کی تشریح اور العاقب کے معنی حضرت امام الائمہ نے بیان کئے ہیں کہ آپ آخری نبی یعنی خاتم النبین ہیں۔

ہیں۔ اور مزاملہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کا زمیل بننا۔ پس لغوی اعتبار سے بھی مزمل کے معنی ہوئے زمیل یعنی رفقاء راہ تیار کرنے والا۔ یعنی جتنا قرآن آپؐ سمجھتے ہیں اتنا ہی دوسرے کو سمجھا کر انسانیت کی خدمت کے لئے تیار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جس محنت و مشقت سے وہ خود اپنے نصب العین کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی محنت و مشقت سے آپ کے ساتھی بھی اسے کامیاب بنائیں۔

لفظ مزمل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں یعنی کثرت سے زمیل —— رفقاء راہ —— تیار کرنے والا۔ گویا جو شخص آپ سے ایک آیت[1] بھی سیکھ لیتا ہے وہ اسی حد تک آپ کا زمیل بن جاتا ہے۔

یہ جو زمیل تیار ہوں گے یہی آگے چل کر آپ کی فوج کے سپاہی بن جائیں گے۔ اور پھر آپ کے بعد آپ کی نیابت کریں گے۔ اور خلافت چلائیں گے اس تزمیل سے اجتماع (الحشر) پیدا ہوگا۔

جملہ معترضہ

انقلاب کے شروع میں رفقاء ہی تیار کئے جاتے ہیں : جب حکومت منظم ہو جاتی ہے تو آدمی دو قسم کے ہو جاتے ہیں یعنی حکم دینے والے اور حکم ماننے والے لیکن نئی حکومت پیدا کرنے کے لئے جو انقلاب پیدا کیا جاتا ہے اس میں شروع شروع میں اس قسم کی تمیز نہیں ہو سکتی پہلی منزلیں صرف رفیق (Collegues) تیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دو آدمی اپنے اپنے گھر سے کسی سمت کو سفر کرنے کے لئے نکلتے ہیں دونوں راستے میں مل جاتے ہیں یہ ایک دوسرے کے رفیق راہ ہیں۔ ان میں حقیقی معنوں میں کوئی افسری ماتحتی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انقلاب کی ابتدا میں صرف رفقاء راہ تیار کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سب کے سامنے ایک نصب العین (Ideal) کھلے لفظوں میں پیش کر دیا جاتا ہے اس کو کامیاب بنانے کے لئے جو راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے وہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ سوسائٹی ان کے نصب العین کو پسند نہیں کرتی۔ ان کے گھر کے

---

[1] ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً یعنی ایک آیت بھی مجھ سے سیکھ جاؤ تو اسی کی آگے تبلیغ کرو)

عزیز و اقارب تک دشمن ہو جاتے ہیں محلے والے دشمن ہو جاتے ہیں۔ گاؤں اور شہر والے دشمن ہو جاتے ہیں پھر سارا ملک دشمن ہو جاتا ہے اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہو تو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے ان لوگوں کو اپنے نصب العین کی کامیابی کے لئے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ سب کچھ سمجھ کر محسوس کرلیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کے لئے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کر سکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنا مال' اپنی جان' اپنے بیوی بچے' اپنے عزیز و اقارب اپنا تمام مال و متاع —— غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیں گے تو ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہوتا ہے لیکن وہ کیا کر سکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ پھانسی دے دے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں مصری جادوگر آئے لیکن جب وہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہی ناکہ لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (20 : 72) (یعنی اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم تجھے ان دلائل و براہین کے مقابلے میں جو ہم سمجھ چکے ہیں ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات واحد سے بالا تر سمجھنے لگیں جس نے ہمیں پیدا کیا تو جو کچھ کر سکتا ہے کر گزر' اور حقیقت میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تو ہماری اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے متعلق کچھ کر سکتا ہے تو جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کر گزر)

الغرض ایک انقلابی گھر میں بیٹھ کر ایک بلند مقصد کے حصول کے لئے فیصلہ کرتا ہے اور پھر اس نصب العین کو لے کر گھر سے نکلتا ہے وہ تلاش کرتا ہے تو اس نصب العین کے شیدائی کئی اور بھی مل جاتے ہیں یہ اس کے رفقاء کار ہیں جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں ایک دوسرے کو ہم خیال پا کر اجتماعی طور پر کام کرنے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ایک سوسائٹی (Society) پیدا ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی پہلی منزل : اس مرحلے پر سب سے مشکل چیز کیا ہوتی ہے؟ وہ یہ کہ ایک صاف تخیل (Ideal) پیش کر کے فیصلہ کرانا اور پھر اسے قبول کر کے چل نکلیں تو ایک

دوسرے پر زیادتی نہ کرنا یہ رفقاء سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ فکر کو عمل میں لانے کے لئے جذبے کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں انقلابی تخیل صاف ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی دوسری منزل : اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ کہ تخیل (Idea) کو ساتھیوں کے ذہنوں کی انتہا تک پہنچا دیا جائے اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرلیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کرسکتے ہیں کیونکہ اگر بعد میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اوہو! میں تو دھوکے میں رہا میں تو یہ سمجھا تھا مگر یہ تو بات ہی اور نکلی تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ : اس نقطہ نگاہ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پوزیشن پر غور کیا جائے تو آپ کی دو حیثیتیں نظر آتی ہیں:

(1) **آپ نبی ہیں** : آپ صاحب فکر ہیں اور ساتھ ہی خدا کے پیامبر بھی ہیں۔ خدا کا جو پیغام آپ کو پہنچتا ہے آپ کا فکر اسے جذب کرلیتا ہے۔ ناواقف لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی بات فرما رہے ہیں پھر آپ وہ فکر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں یہ آپ کی ذاتی حیثیت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ پیام قبول کرنے میں کسی کو شامل نہیں کرسکتے۔ نہ کسی کو رسول بنا سکتے ہیں۔ آپ کو جو پیام الٰہی پہنچا وہ حرف بحرف کتابی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اس کے باہر کوئی وحی نہیں ہے اب ہر قوم اپنا پروگرام اس آئین کتابی سے لے گی آگے جا کر وہ سب قومیں قرآن کی پوری تشریح میں مل جائیں گی۔

(2) **آپ معلم شفیق ہیں** : آپ کی دوسری حیثیت فکر سکھانے والے کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ62:2)(یعنی انہیں قانون الٰہی اور اس کی حکمت سکھاتا ہے) آپؐ خود فرماتے ہیں کہ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں) معلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز جانتا ہے جو وہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھا دیتا ہے۔ اس علم کو پہلے سیکھنے اور بعد میں سیکھانے کا جو طبعی فرق ہے وہ تو ہمیشہ قائم رہے گا۔ لیکن علم سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام کی جو ہمت

پیدا ہوتی ہے اس میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا جب تک استاد کی تعلیم میں یہ طاقت نہ ہو اسے صحیح معنوں میں معلم نہیں کہا جاتا۔

ہم نے یہ مضمون خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے لیا ہے جن کے پاس دربار دہلی کا ایک امیر آگیا۔ شاہی کارندوں نے اسے طلب کیا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ کیا آپ اسے بھی اپنے جیسا (یعنی تارک الدنیا) بنا دیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ یہ آپؐ کی شان معلمی ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کی محبت آپ کے صحابہؓ کے دلوں میں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بات کسی حاکم کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

الغرض المزمل کے معنی ہیں قرآن حکیم سمجھا کر زمیل یعنی رفقاء تیار کرنے والا۔

الحاشر کی تشریح فلسفہ ولی اللہی کے مطابق : (ج) حجتہ الاسلام امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ انسانی حیات وحدانی چیز ہے یہ جو دنیاوی زندگی شروع ہوئی ہے۔ یہی ترقی کرتے کرتے اخروی زندگی بن جائے گی اور اس زندگی میں انسان کے پہلے اعمال ہی ایک خاص شکل اختیار کر کے اس کے لئے جنت کی نعمتیں یا دوزخ کے عذاب کی صورتیں پیدا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت امام الائمہ فرماتے ہیں کہ:

حشر میں ہمارے اعمال ہی متشکل ہو کر پیش ہوں گے : فالتشبحات الْحَشَرِيَّةُ فِيْ حَقِّهٖ اَتَمُّ وَاَوْفَرُ وَلِذَالِکَ اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَكْثَرَ عَذَابِ اُمَّتِهٖ فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَهُنَالِکَ اُمُوْرٌ مُتَمَثِّلَةٌ تَتَسَاوَى النُّفُوْسُ فِيْ مَشَاهِدِهَا كَالْهِدَايَةِ الْمَبْسُوْطَةِ بِبَعْثَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَتَشَبَّحُ حَوْضًا وَتَتَشَبَّحُ اَعْمَالُهَا الْمُحْصَاةُ عَلَيْهَا مَوَازِيْنًا اِلَى غَيْرِ ذَالِکَ وَتَتَشَبَّحُ النِّعْمَةُ بِمَطْعَمٍ هَنِيٍّ وَمَشْرَبٍ مَرِيٍّ وَمَنْكَحٍ شَهِيٍّ وَمَلْبَسٍ رَضِيٍّ وَمَسْكَنٍ بَهِيٍّ (حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 37)

(یعنی حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گی اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو

جائے گا (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے اس لئے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلدی سمجھ جائیں گے)۔

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جن کی تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض وہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جو جدوجہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ جس میں پانی ہوگا یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادہ کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں خوبصورت عورتوں عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

ایک اور جگہ عالم مثال کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ہمارے اعمال و اخلاق ہی ہماری جنت دوزخ پیدا کریں گے : وَسِرُّ هٰذِهِ الْوَاقِعَةِ تَمَثُّلُ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ وَالْحَسَنَةِ فِی الْمِثَالِ وَتَنَعُّمُ النَّفْسِ وَتَوَجُّعُهَا بِالْحَقَائِقِ الْمِثَالِيَّةِ (البدور البازغہ ص 154) یعنی اس میں راز یہ ہے کہ اچھے اور برے اعمال اور اچھے اور برے اخلاق عالم مثال میں پہنچ کر مثالی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

واقعات حشر کی مزید تشریح : درچوں ازیں موطن درگزر دعالمے دیگر پیش آیدورا درلسان شرع یوم المحشر گویند۔ حقیقت آں موطن آنست کہ دریں نفوس ارضیہ بسیارے از احکام فردیہ کہ از اختلاط عناصر وجہت مادہ ظلمانیہ پیدا شدہ برہم خورد وایں نفس بمنزلہ جسم شفاف محاکات صورت نوعیہ نماید و احکام صورت نوعیہ بطریق ظہور و غلبہ پدید ار شود چنانکہ در محسوسات صورت نوعیہ در افراد انسان تقاضاے کند کہ بدین در جلین و عینین واذنین پیدا شوند لیکن گاہے عائقے از عوائق استعداد مادہ ازاں منع کند وچیں ناقص الخلقت اکمہ واقطع واسک پیدا شود ایںہمہ از کل مادہ است نہ از قبیل صورت نوعیہ ہم چناں درامور معقولہ صورت نوعیہ را مقتضیات است از عقل سلیم کہ بلوث اوہام ملوث شدہ و استعداد قبول علوم حقہ از مبدا فیاض بوجہ آں داشتہ واز خیال صحیح کہ شئ رابصورت مناسبہ نوکہ

برطبق شکل عالم مثال است منتج سازد پس احکام فردیت فرونشینند و احکام نوعیہ غالب آیند
ہمہ مقتضیات نوع در عقل و خیال بروئے کار آید و صورت فردیت قبول ظہور احکام نوع
کند باتم وجوہ محالات آں نماید چنانکہ در افراد نوع ممکن نشود کہ بہتر از آں احکام نوع ظاہر
لَقَدْ كَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ

پس دریں موطن وقائع چند ظہور کند از میزان و حساب و تجلی الٰہی و حضور وتطائر
صحف اعمال بطرف یمین و شمال و شہادت ایدی وارجل صراط و ابیضاض وجوہ و اسوداداں و
شفاعت رسل۔

میزان کیا ہے؟ : پس میزان عبارت است از ظہور صورت مقدار اعمال حسنہ و سیئہ و
معرفت تاثیر ہر یکے از قبیلتین بشکلیکہ عالم مثال تقاضا کند از کفتین وما نند آں در میان عالم
مثال و عالم شہادۃ آں معنی کہ اجسام خارجیہ شکل پذیر قوای مثالیہ گردد۔-----

حوض کوثر کیا ہے؟ : وحوض صورت ہدایت ورشدے است کہ از تجلی اعظم برنفس
نفیس حضرت پیغامبر ﷺ ریختہ است و از آنجا از راہ قوای پیغامبر در عالم شہادت جاری شدہ و
اوانی حوض صورت قدر ہدایاتے کہ افراد مسلمین قبول آن کردہ اند

تسنیم کیا ہے؟ : عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثل لذات عقلیہ است کہ
از ادراک محروات حاصل آید (تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 255-253 ملخصا")

(یعنی اس منزل سے گزر جائے تو وہ ایک عالم میں داخل ہوتا ہے جسے شرع کی زبان
میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی
انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں جاتی رہتی
ہیں اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر
نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان
کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں لیکن
کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں وہ دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی اس وقت
جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لولا لنگڑا یا کانا یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش
میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ

تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ صحیح ہو۔ تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آجاتے ہیں۔ اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ 22:50 (بیشک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لئے آج تیری نگاہ تیز ہے)

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں مثلاً" میزان' حساب' تجلی الٰہی' حوض کوثر' اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں یا بائیں ہاتھ میں آجانا' ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا' پل صراط پر سے گزرنا' چہروں کا سفید سیاہ ہو جانا' اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص "مقدار" اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً" ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔----------

اور حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی۔---------- اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات اوراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی۔ جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

حوض کوثر اور دیگر انبیاء کے حوض : وَالْحَوْضُ هِدَايَتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَسَّدَتْ هُنَاكَ مَاءً بِمُشَابَهَةٍ قَوِيَّةٍ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْمَاءِ وَأَرَى أَنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا غَيْرَ أَنَّ حَوْضَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَمُّ الْحِيَاضِ (الخیر الکثیر ص 114)

یعنی حوض کوثر اصل میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے پھیلی ہوئی ہدایت ہے۔ جو عالم مثال میں جا کر پانی کی شکل اختیار کرے گی کیونکہ علم کو پانی سے خاص مشابہت ہے میری رائے میں ہر ایک نبی کا جدا جدا حوض ہوگا۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہوگا)

بیانات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر یا آپ کی تعلیمات اور نمونے کے مطابق انقلاب بپا کریں گے وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں آپ کی امامت میں جمع ہو جائیں گے ایسے ہی جو لوگ دوسرے انبیاء کرام کی معیت میں کام کر چکے ہیں وہ اپنے اپنے نبی کی معیت حاصل کریں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (نساء 4:69)(یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین پر۔ یہ بہت اچھے رفیق ہیں)

اب انقلاب عمومی حضرت محمد ﷺ ہی کی اتباع سے آسکتا ہے : حنیفی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کوشش کرتے رہے کہ تمام دنیا میں تورات کو پھیلا کر امامت کبریٰ (بین الاقوامی قیادت) حاصل کریں لیکن یہ مقام محمود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی حاصل کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انقلاب عمومی اپنے مختلف ادوار میں آپ کے اتباع سے باہر نہیں جا سکتا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا خاصہ ہے وہ ایک دن میں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتا اس انقلاب کا پہلا حصہ وہ تھا جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر عباسی حکومت کے خاتمے تک کامیاب رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو

آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھنے کے لئے ایک اور قوم ـــــ ایرانیوں ـــــ کو ذریعہ بنایا۔ لیکن قریش کے تنزل اور ایرانیوں کے عروج کا درمیانی وقفہ انقلاب کی "رات" تھی۔ اس میں نئی قوم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ خیال کرنا غلطی ہے یہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں جب تک انسانی روئے زمین پر قائم ہے۔ یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آسکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہو چکی ہوں ایک سطح پر آکر اس کے ماتحت مل جائیں۔ اس وقت یہ انقلاب عمومی مکمل ہوگا۔

پس المزمل سے مراد وہ صاحب امامت کبریٰ ہے جس کے ماتحت تمام اقوام عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا الحاشر ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

المزمل کے دوسرے معنی امام ائمہ انقلاب : (2) اِزْمَلَ یا اِزْدَمَلَ کے دوسرے معنی ہیں حَمَلَ بِمَرَّۃٍ وَّاحِدَۃٍ (المنجد) (یعنی اونٹ کی طرح بوجھ اٹھا کر ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا)

اِزْدَمَلَہٗ: اِحْتَمَلَہٗ وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ یعنی بوجھ اٹھا لیا۔ (صراح)

رازیؒ نے عکرمہؓ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ مزمل کے معنی ہیں وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ کیونکہ زمل کے معنی ہیں حمل[1]۔

یہ بار کیا ہے؟ قومی اور بین الاقوامی انقلاب : یہ بار جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپ نے پہلے اپنی قوم کو ترقی دے کر بین الاقوامی درجے کے کام کرنے والے کارکن تیار کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ گو اگر آپ ایسا کرتے تو بھی کسی عقلمند کو اس پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ نے بین الاقوامی

---

[1] قَالَ عِکْرِمَۃُ یَا اَیُّھَا الَّذِیْ زُمِّلَ اَمْرًا عَظِیْمًا اَیْ حُمِّلَہٗ وَالزَّمْلُ الْحَمْلُ وَازْدَمَلَہٗ اِحْتَمَلَہٗ (تفسیر کبیر للرازی جلد ہشتم ص 235 س 3)

انقلاب کو موخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام ایک ہی وقت شروع کر لئے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپ نے جوانمردی' ہمت محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ چنانچہ آپؐ نے قریش کی ذہنیت ایسی تیار کی کہ وہ جہاں انصار مدینہ کے ساتھ مل کر کام کرسکے وہاں بلال حبشیؓ صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ غیر عربوں کے ساتھ اور ان کے ماتحت بھی کام کر سکے۔

جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بار گراں اٹھاتا ہے وہ امام انقلاب کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ المزمل یعنی آخری درجے کے امام ائمہ انقلاب ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ اس آخری درجے کا نام خاتم النبیین رکھتے ہیں۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔

(2) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (3) نِصْفَهٗ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا (4) اَوْزِدْ عَلَيْهِ (رات میں سے کچھ وقت کم کر کے کھڑے رہا کرو۔ آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس پر کچھ بڑھالو)

مثلاً" بارہ گھنٹے کی رات ہو تو چھ گھنٹے یا چار گھنٹے یا آٹھ گھنٹے تک رات کو کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔

انقلاب عمومی کے لئے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر امامان انقلاب تیار کریں۔ جو آپ کے خلیفہ ہو سکیں اور ان کے علاوہ انقلابی کارکن تیار کریں جو اسے آگے بڑھائیں۔

امامان انقلاب کی تیاری کے لئے خاص تعلیم کی ضرورت ہے جس کے لئے وقت بھی خاص چاہئے۔ اور عوام کی تعلیم کے لئے جداگانہ وقت درکار ہے اس تقسیم اوقات کی اس لئے ضرورت پڑی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت خصوصی (قومی) اور بعثت عمومی (بین الاقوامی) کے دونوں کام ایک ہی وقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

جملہ معترضہ

تہجد کی نماز عوام کے لئے نہیں ہے : اس آیت میں تہجد کی نماز کی طرف اشارہ

ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری عمر پڑھتے رہے۔ یہ عام مسلمانوں پر فرض نہیں۔ حنفی، نماز عشاء کے ساتھ جو تین وتر پڑھتے ہیں وہ اسی نماز تہجد کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ میں فقہ حنفی کے امام حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا کہ یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ اَوْتِرُوْا (اے قرآن کی تعلیمات کے حاملو! وتر پڑھا کرو) ایک بدوی نے بھی یہ بات سن لی اور پوچھا کیا فرمایا آپ نے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ لَیْسَ لَکَ (تیرے اور تجھ جیسوں کے لئے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ وتر مسلمانوں کی خاص جماعت کے لئے ہیں، عوام کے لئے نہیں۔

یہ آیت منسوخ نہیں : حقیقت یہ ہے کہ جو شخص قرآن حکیم سکھائے اس کے لئے تہجد ضروری ہے اور یہ اس کے لئے درجہ اختصاص (Special Qualification) رکھتی ہے۔ اس لئے یہ آیت منسوخ نہیں کی جا سکتی۔ جب کبھی وہی حالت پیدا ہو جائے جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ آیت پھر زیر عمل آجائے گی۔

(ب) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر)

ترتیل کے معنی : شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ : وترتیل کن بواضح خواندن (فتح الرحمن) یعنی ایسے پڑھ کر سننے والے اسے خوب سمجھ سکیں۔

(2) رَتَّلَ : آرمیدہ وپیدا خواندن (صراح) آرام سے ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنا۔

(3) اَلتَّرْتِیْلُ : اِرْسَالُ کَلِمَۃٍ مِنَ الْفَمِ بِسُھُوْلَۃٍ وَّاِسْتِقَامَۃٍ (راغب) (یعنی منہ سے آہستہ آہستہ پختگی کے ساتھ الفاظ نکالنا)

(4) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اَیْ اِقْرَاْہُ عَلٰی تَمَھُّلٍ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ عَوْنًا عَلٰی فَھْمِ الْقُرْاٰنِ وَتَدَبُّرِہٖ وَکَذٰلِکَ کَانَ یَقْرَاُ صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ (ابن کثیر، جلد چہارم ص 434) (یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ ایسے ہی پڑھا کرتے تھے)

(5) قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا کَانَ یَقْرَاُ السُّوْرَۃَ فَیُرَتِّلُھَا حَتّٰی تَکُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلٍ مِّنْھَا (ابن کثیر ایضاً)

(ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قرآن حکیم کی سورتوں کو

ایسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے کہ طویل سے طویل سورت کے پڑھنے سے بھی زیادہ دیر لگ جایا کرتی تھی)

(6) حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزول قرآن اتعاظ است بمواعظ آں و اہتداست بہ ہدایت آں' نہ صرف تلفظ بآں اگرچہ تلفظ ہم غنیمت است' پس چہ مسلمان بدست آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن نفہمد و کدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللہ راند اند (دیباچہ قلمی' فتح الرحمٰن)

(یعنی انصاف سے کام لو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم نازل ہونے کا اصلی فائدہ تو اس وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے۔ اور اس کی ہدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے نہ کہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کرتا رہے (گو تلفظ بھی غنیمت سہی) تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا ہے وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا وہ اس کے بے سمجھے پڑھنے سے بھلا کیا مزہ حاصل کر سکتا ہے؟

(7) حضرت شیخ نظام الحق والدین' نظام الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وقت خواندن قرآن باید کہ دل خوانندہ را تعلق بحق باشد واگر آں میسر نشود باید کہ در حالت قرآن خواندن جلال و عظمت حق بدل بگزراند یکے از حاضراں سوال کرد ایں معنی اہل تعلق بحق است کہ در مرتبہ اولیٰ فرسودہ اند گفت کہ خیر آں بذات حق بود ایں بصفات حق است واگر آں ہم میسر نشود باید کہ آنچہ مے خواند معانی آں بدل گزراند (فوائد الفواد ص 71)

یعنی قرآن حکیم پڑھتے وقت چاہئے کہ پڑھنے والے کا دل حق سبحانہ' تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور اگر یہ حالت حاصل نہ ہو سکے تو چاہئے کہ قرآن حکیم پڑھتے وقت حضرت حق سبحانہ' تعالیٰ کا جلال اور عظمت اپنے دل میں بٹھائے۔

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ دوسری بات وہی نہیں جو پہلے فرمائی ہے؟

حضرت نے جواب دیا کہ نہیں پہلے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر تھا اب صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ دوسری حالت بھی میسر نہ ہو تو پڑھنے والے کو چاہئے کہ جو کچھ پڑھے اس کا مطلب اپنے دل میں بٹھائے۔

(8) خود قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

(ا) اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (سورہ یوسف 2:12) یعنی ہم نے (تم عربوں کی خاطر) قرآن عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم اسے پڑھو اور اس سے عقل سیکھو۔

ظاہر ہے کہ سمجھے بغیر عقل کس طرح سیکھی جاسکتی ہے؟

(ب) پھر ایک جگہ ارشاد ہے کہ : لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ (النساء 43:4) (یعنی مدہوشی کی حالت میں نماز مت پڑھو' بلکہ اس وقت پڑھو۔ جب تم اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جاؤ)

بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے : سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ آج کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں ناظرہ پڑھا دیا جائے باوجودیکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے۔ مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اس استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے۔

انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے : حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس کے ارکان اس تحریک کے اصولوں

سے بخوبی واقف ہو کر انہیں اپنا نہ لیں۔ اور پھر اپنا سب کچھ ان پر قربان نہ کر سکیں یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(5) اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا (ہم تجھ پر ایک وزنی بات ڈالنے والے ہیں)

قول ثقیل کے معنی : قرآن حکیم کی تعلیم دے کر انقلاب کے لئے تیار کرنا قول ثقیل ——— وزنی بات ——— ہے۔

انقلاب کسریٰ و قیصر کے خلاف : جس زمانے میں قرآن حکیم نازل ہوا قیصر روم اور کسریٰ ایران متمدن دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض تھے۔ دنیا کی تاریخیں ان دونوں سلطنتوں کی عیاشیوں اور ظلموں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سلاطین اور ان کے امرا خود تو داد عیش دیتے تھے مگر انہوں نے اپنے ماتحت عوام میں فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ٹیکسوں کی وہ بھرمار تھی کہ عوام میں سے کوئی شخص کھانے پینے اور ٹیکس ادا کرنے کے واسطے کمانے کے سوا اور کسی بات پر غور کرنے کے لئے ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ قرآن حکیم ان دونوں بڑی شہنشاہیتوں (Imperial Powers) کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتا تھا۔ یہ آسان چیز نہ تھی۔

عرب کی حالت : اس مسئلے کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ علم اور صنعت و حرفت ان دونوں طاقتوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لئے خود ان طاقتوں کے واسطے سے یہ انقلاب کس طرح لایا جا سکتا تھا؟ عرب کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہ تھی کہ ان میں سے قیصرو کسریٰ کے مقابلے کے لئے لشکر تیار ہو سکتے ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت اور صلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنیفی ملت کو قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جو ان کے ذہنوں کے بہت نزدیک تھی۔ تو انقلاب آسان ہو جائے۔ لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعاً قیصرو کسریٰ کی طرف مائل تھا۔ اور انہی کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کیونکہ ان ملکوں کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ایک ایسی مختصر جماعت تیار کریں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آجائے اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر قیصرو کسریٰ کے ملکوں میں انقلاب کی لہر دوڑائیں اور ان ملکوں کے انقلاب پسندوں کی مدد سے قیصریت اور کسرویت کا خاتمہ کر

دیں اور یہی قرآن کا اصلی مقصد تھا۔ لیکن قریش کو ارتجاعی (Reac. tionary) عناصر سے پاک کر کے عرب کے متفرق قبائل کو انقلاب پر جمع کرنا اور ان کے واسطے سے قیصرو کسریٰ کے ممالک میں انقلاب برپا کرنا آسان کام نہ تھا یہ ہے وہ قول ثقیل جس کی طرف سے اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل کسی اور جگہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصف 9:61) (یعنی خداوند تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب رکھے۔ خواہ مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں)

(6) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا (رات کا اٹھنا یقیناً" بہت روندتا ہے اور بات سیدھی نکلتی ہے) (مولانا محمود حسن شیخ الہند)

حضرت امام ائمہ شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

ہر آئینہ قیام شب زیادہ تر است در موافقت زبان بادل و درست تر است در تلفظ الفاظ (فتح الرحمان)

(یعنی رات کا قیام دل اور زبان میں موافقت پیدا کرنے کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے اور الفاظ منہ سے نکالنے کے لئے بہت بہتر ہے)

جماعت خاصہ کے لئے رات کا وقت کیوں؟ : رات کا وقت جماعت خاصہ (Special Class) کی تیاری کے لئے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ دن بھر کی مشقت کے بعد محنت کش اور نفس کش لوگ ہی خصوصیت سے جمع ہو سکتے ہیں۔ جو شخص رات کو قرآن حکیم سننے آئے گا اسے اس کی طرف رغبت خاص ہوگی۔ اور اجتماع اور فکر سے روکنے والے امور پر غالب آنے پر قادر ہوگا۔ تبھی آئے گا اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی (Pseychological) حالت پیدا ہو جائے گی وہ قرآن حکیم کا کام پوری ذمہ داری سے کرے گا۔

آدمی شب بیدار و نیند پر قابو رکھتا ہو تو وہ رات کو جب بازاری لین دین اور گھر کی ضرورتوں اور تشویشوں سے نسبتاً" فارغ ہوتا ہے تو اچھی طرح سوچ سکتا ہے اور اچھی

طرح سوچتا ہے تو اچھی طرح بات بھی کر سکتا ہے۔

رات کو قرآن حکیم کے پڑھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شوروشغب کم ہونے کے باعث بات خوب سمجھی سمجھائی جا سکتی ہے۔

یہ تو ہوئی رات کی بات دن کا ذکر آگے آتا ہے۔

(7) اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (البتہ تیرے لئے دن میں لمبا شغل ہے)۔

عوام سے ربط —— دن میں : انقلاب عمومی کے لئے صرف رات کی خاص جماعت کی تعلیم کافی نہیں ہے۔ بلکہ عوام تک پہنچ ہونی اشد ضروری ہے۔ عوام سے تعلق (Contact) پیدا کرنے کے لئے دن ہی کا وقت ہو سکتا ہے۔ جب ان سے واسطہ پڑتا ہے۔

انقلاب کے بنیادی اصول

(8) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (اور اپنے رب کا نام یاد کر)

اسم سے مراد تجلی الٰہی : امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت میں اسم الٰہی سے مراد تجلی الٰہی ہوتی ہے۔ اسم الٰہی کے یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا فراموش شدہ تعلق یاد کرو۔ اسے اقتراب بھی کہتے ہیں۔

انسان کا تعلق تجلی الٰہی سے کیوں ضروری ہے؟ : قرآنی تحریک (The Quranic Movement) کو حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی بنانے کے لئے اور اسے نوع انسان کی مادی یعنی اقتصادی اور عقلی (یا بالفاظ دیگر بہیمی اور ملکی) ضرورتوں کو پورا کرنے والی بنانے کے لئے اس تحریک کا تعلق تجلی الٰہی سے قائم کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت (حیوانیت) اور ملکیت (عقلیت) کا مجموعہ ہے اور ملکیت کا تعلق براہ راست خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی تو ہردم اس کی یاد رہے گی اور وہ زبانی ذکر بھی کرے گا۔ یہ زبانی ذکر حقیقت میں اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔

قرآن کا "نظام نو" : قرآن حکیم جو "نظام نو" پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بات انسانوں کے ذہن نشین کرنی چاہتا ہے کہ انسان پر حکومت صرف اللہ کی ہو سکتی ہے دوسرے لفظوں میں وہ قیصریت اور کسرویت یعنی شہنشاہیت (Imperialsim) چند امراء کی حکومت (Oligarchy) کو توڑ کر ان کی جگہ ایسی حکومت (State) پیدا کرنی چاہتا ہے جس کا مرکز اور محور قرآن ہی کا قانون الٰہی ہو اور اس کے سوا وہ کسی اور قانون کی اتباع کو برداشت نہیں کرتا کیونکہ شخصی، عائلی، قبائلی، شعوبی اور قومی قانون تک تو شاید عقلمند انسان وضع کر سکیں لیکن بین الاقوامی قانون خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہی تمام اقوام کی ضرورتوں اور ذہنیتوں کو جانتا ہے جن کا جاننا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اور نہ کوئی جماعت یہ کام کر سکتی ہے پس اس قرآنی بین الاقوامی قانون

کا نوع انسان میں قیام ضروری ہے تاکہ نوع انسان اپنی طبعی رفتار پر ترقی کرتی رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجلی الٰہی سے تعلق قائم کرنا ہر ایک فرد انسانی کے لئے ذاتی اور طبعی ضرورت ہے اور کوئی اجتماع انسانی جس میں اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو افراد کی ترقی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔

(ب) وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا)

کام کرنے کے دو اصول : دنیا میں کام کرنے کے دو اصول اب تک چلے آتے ہیں۔

(1) مادی اسباب کے بھروسہ پر کام کرنا۔

(2) مادی اسباب سے کام لینا۔ لیکن ان کو نتائج اور کامیابی میں موثر بالذات نہ ماننا۔ یعنی ان کو صرف آلات کی حیثیت دینا۔

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کی خصوصیت : قرآن حکیم کی انقلابی تحریک میں کسی دوسری تحریک کے مقابلے میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ مادی اسباب سے کام لینا ضروری قرار دیتی ہے لیکن ـــــ ان اسباب کو کامیابی کا کفیل نہیں سمجھتی۔

مادے کا ترقی یافتہ حصہ : حقیقت یہ ہے کہ کائنات محض مادے اور اس کی خلیات کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں ایسی قوتیں بھی موجود ہیں جو مادے سے قدرے مختلف ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو غیر مادی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اس عالم مادی سے علیحدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ مادی قوتیں ہی ترقی کر کے مثالی اور روحانی بن گئی ہیں۔ یہ غیر مادی چیزیں ہی حقیقت میں ان مادی اشیاء کی بنیاد ہیں۔ حکمیات جدیدہ (Modern Science) کا رخ بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے چنانچہ سرآمد حکماء یورپ سر جیمز جینز (Jeans James) کہتے ہیں کہ:

"یعنی میں اس تخیلی نظریے کی طرف مائل ہوں کہ شعور ذہنی بنیادی چیز ہے اور مادی کائنات اس شعور ذہنی ہی سے پیدا ہوئی ہے یہ نہیں کہ شعور مادے سے پیدا ہوا ہو"۔

ایک جرمن حکیم ماکس پلانک (Max Planck) کہتا ہے کہ:

"I regard consciousness as fundamental and regard matter derivative from consciousness."

"یعنی میں شعور ذہنی کو اصلی اور اساسی شے مانتا ہوں اور مادی کو اس سے نکلا ہوا سمجھتا ہوں"۔

عالم مثال : الغرض امام ولی اللہ اور ان کے اتباع غیرمادی ملاء کو اس عالم مادی ــــ عالم شہادی ــــ کی اصل مانتے ہیں اور اسے عالم مثال (Non-meterial world) کی اصطلاح سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک کے کارکن ملاء کی ہستی اور اس کے خواص و افعال کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک غیرمادی اصل سے خارج شدہ مان کر اس غیرمادی اصل الاصل ــــ خداوند تعالیٰ ــــ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو اس مادی اور غیرمادی عالم سے ماوراء ہے۔ اور جو ان دونوں کی اصل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ مادی اسباب کو اپنا کفیل اور کارساز نہ سمجھو بلکہ خدائے واحدہ لاشریک کو اس ساری مادی اور غیرمادی ــــ شہادی اور مثالی اور روحانی ــــ کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کر کے کام کرو۔

قرآنی اصول انقلاب کے عملی فائدے : اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

(1) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لئے مادی نفع جوئی نہ کریں گے۔ یعنی یہ انقلاب پیدا کر کے وہ اپنی ذات کے لئے کوئی مادی فوائد (Metrial gain) حاصل نہیں کریں گے۔ بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہ عامہ کے لئے کام کریں گے۔

(2) وہ ان مادی اسباب سے کام لیں گے جو انہیں حاصل ہوں لیکن ان پر بھروسہ نہ کریں گے یعنی اپنے آپ کو ان مادی اسباب کے ساتھ اس طرح وابستہ نہ کرلیں گے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں وہ کوئی کام ہی نہ کریں۔ بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کر دیں گے اور یقین رکھیں گے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی خداوند تعالیٰ ان کے لئے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

قرآن کے انقلابی نظریے کی ضرورت : انقلاب کے اس جدید نظریے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ عالم اسباب کی تمام قوتیں جن کے بل بوتے پر انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ ان انقلابیوں کو حاصل نہیں ہیں بلکہ وہ سب ان کے

مخالفین (قیصر و کسریٰ اور رؤسا مکہ اور رؤسا عرب) کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ اپنی کامیابی ان اسباب ظاہری سے وابستہ کرلیں تو وہ کبھی حرکت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان بے بس اور بے کس لوگوں کو سکھلایا گیا کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب صرف مادیات ہی کی سرحد پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ حقیقی اور موثر اسباب مادی سرحدوں سے پرے واقع ہیں۔

اگر دنیا میں کامیابی کا آخری انحصار محض اور صرف اسباب مادی پر ہوتا تو جن قوموں کو یہ مادی اسباب کامل طور پر حاصل ہیں وہ کبھی نہ گرتیں اور محکوم اور غلام اقوام جو ان اسباب سے محروم ہوتی ہیں وہ کبھی ترقی نہ کر سکتیں۔ مگر چڑھی ہوئی قوموں کا گرنا اور گری ہوئی قوموں کا اٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ مادی اسباب کے علاوہ بعض غیر مادی اسباب بھی ہیں۔ جو قوموں کو گرانے اور اٹھانے میں اثر انداز ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم بنی اسرائیل کی گری ہوئی قوم کے متعلق کہتا ہے کہ:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ

(القصص: 28:4،5)

(یقیناً فرعون نے ملک میں بہت سرکشی کی اور اہل ملک میں نفاق ڈال کر تقسیم کر دیا پھر وہ ان میں سے ہر ایک کو کمزور کرنے لگا۔ چنانچہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو جیتی رکھتا تھا۔ یقیناً" وہ بڑے مفسدین میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو ملک میں ضعیف بنا دیا گیا تھا اور ان کو لیڈر بنا دیں اور ملک کے وارث بنا دیں)

پس مادی اسباب سے کام لیتے ہوئے بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے جو ان مادی اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور عوام سے کسی قسم کی مادی اجرت طلب کرنے کے خیال سے قطع نظر کر کے محض خدا کی خاطر کام کرنا اس قرآنی تحریک کا طغرائے امتیاز ہے۔

اس تعلیم کے پیش نظر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء کو سکھلایا کہ اگر

جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو۔ یعنی تمام اسباب کو مان کر اور استعمال کر کے بھی ان سے بے تعلق رہو۔ اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کے بجائے ان کی اصل پر رکھو۔ قرآن مادی کا انکار نہیں کرتا بلکہ نظر بلند کر کے اسماءِ حسنٰی تک پہنچاتا ہے جو مادے کی اصل ہیں۔

گری ہوئی قوموں' بے بس جماعتوں اور اسباب سے محروم لوگوں کو اٹھانے کے لئے اس بلند فکری سے بہتر اور کیا حوصلہ افزا تعلیم ہو سکتی ہے؟۔

ع وارد ہے ضعیفوں کا لاغالب الا ھو

اب بتایا جائے گا کہ اس تحریک انقلاب کی کامیابی کے لئے بہترین خطہ کونسا ہے۔

(9) (الف) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے)

انقلاب کی جولانگاہ عرب کے مشرق و مغرب میں : اس انقلابی تحریک کا حلقہ عمل حقیقت میں عرب نہیں ہے۔ وہ قریش کے خلاف عداوت اور قتل کی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ انقلاب حقیقت میں اس علاقے کے لئے ہے جو عرب کے مشرق اور مغرب میں واقع ہے۔ یعنی دراصل کسریٰ ایران (مشرق) اور قیصر روم (مغرب) کو قرآن کے قانون کے ماتحت لا کر اس تحریک کو تمام دنیا میں پھیلانا مقصود ہے کیونکہ قیصر و کسریٰ کے نظام انسانیت کے لئے برباد کن ہیں۔ ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو ایسی اقتصادی اور ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ کسی انسان کو اپنی اصلی انسانی ضرورتوں پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مشرق اور مغرب کے ان علاقوں میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرنا ضروری ہے اور عرب کو اس انقلاب کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

یہ تحریک ایک خاص ذہنیت بھی چاہتی ہے جو نہایت سرد علاقے میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ انقلابی تحریکیں اور مستقل اور پائیدار تہذیبیں کرۂ زمین کے انتہائی شمالی اور انتہائی

ا عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِیَسْأَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ (المشکوٰۃ المصابیح)

(ہر شخص اپنی ہر ایک حاجت اللہ ہی سے طلب کرے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے)

جنوبی علاقوں میں پیدا نہیں ہوتیں اور نہ وہاں ان کے پہنچنے کا سامان ہے بلکہ اس قسم کی تحریکیں ہمیشہ اس منطقہ میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور پیدا ہوتی رہیں گی جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ شمالی علاقے کے تمدن غیر طبعی ہیں اس لئے دیرپا نہیں ہوتے۔

(ب) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلاً : اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان)

اس علاقے میں نہ کسریٰ کی حکومت رہنی چاہئے نہ قیصر کی "خدائی" ان کی جگہ خدائے وحدہ لاشریک لہ' کا قانون جاری ہونا چاہئے۔ کیونکہ کائنات کا پروردگار یعنی ساری کائنات کو ایک خاص مجموعہ قوانین کے مطابق ترقی دینے والا وہی ہے یہی وہ چیز ہے جسے حضرت مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ:

They will be done on earth as in Heaven (Math 6:10)

(خدا کی مشیت کرۂ زمین پر اسی جامعیت کے ساتھ پوری ہونی چاہئے جس کاملیت کے ساتھ زمین سے باہر کی ساری کائنات میں پوری ہو رہی ہے)

قرآن کا منشاء معنوی "خداؤں" کا خاتمہ : پس جس طرح خدا کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اور کوئی اس میں شریک نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کا قانون—— قرآن حکیم—— انسانی معاشرے میں جاری کیا جائے اور تمام مصنوعی "خداؤں" کی "خدائی" ختم کر دی جائے اور بندگی صرف خدا کی کیجائے۔یعنی انسان اپنے آپ کو اپنے تمام اعمال و افعال اور خیالات میں خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے۔ اس میں لوگوں کے دکھاوے یا حاکم کے فیصلے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ فیصلہ خود ہر ایک انسان کو اپنے دل کے اندر کرنا ہوگا۔ جب تک انسان کا یہ یقین نہ ہو جائے کہ میرا یہ کام خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس وقت تک وہ اس کام کو اچھا نہ سمجھے یہ ہے خدا کی بندگی اس طرح جوابدہ سمجھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی ساری نوع کی یکساں خدمت کر سکے گا کیونکہ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی اس تجلی کے حوالے کر دے گا جو انسانیت کے قلب پر پڑتی ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے تمام نوع انسان کی ہمدردی اور خدمت کرنی ہوگی۔ اس سورت میں قرآن کے انقلاب کا مقصد یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسا انقلاب برپا کیا جائے جو انسان کے نوعی تقاضے پورے کرے گا نہ

کہ کسی خاص خطے یا قوم کی ضرورتوں ہی کا کفیل ہو۔

جس موطن میں اعمال انسانی کے یہ فیصلے ہوتے ہیں اسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس مقدس مقام میں تمام انبیاء اور اعلیٰ طاقتیں جمع ہوتی ہیں ہر ایک چیز کا فیصلہ کرنے والی طاقت وہاں صرف تجلی الٰہی ہے۔ انسانیت کا نصب العین یہ ہے کہ اس مقدس مقام میں اپنے لئے جگہ حاصل کرے۔ یہ انبیاء کی انقلابی تحریک ہی کے نتیجے کے طور پر انسان کو مل سکتی ہے۔

(10) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا :

(جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر صبر کرو اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جا)

مخالفوں کی مخالفت پر صبر کرو : قریش جو پہلے قومی عربی انقلاب کا اور پھر بعد میں عمومی بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنیں گے وہ امی اور ان پڑھ ہیں۔ انہیں قرآنی انقلاب کا مقصد ذہن نشین نہیں ہوا۔ ان کو سمجھانے کے تمام طریقے ابھی استعمال کرنے ضروری ہیں۔ سب کو سمجھانے کا ایک ہی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی ذہنیت کے مطابق سمجھاؤ۔ ابھی ان سے لڑنے بھڑنے اور قتال کرنے کا وقت نہیں آیا۔ اور نہ تم اس کے لئے ابھی تیار ہو۔ اس لئے ابھی مخالفت کرنے والوں کی باتوں پر صبر کرو۔ اور ایسی حالت پیدا نہ ہونے دو کہ وہ ہاتھاپائی پر اتر آئیں۔

تیاری سے پہلے اقدام مضر ہوتا ہے : اگر تیاری سے پہلے اقدام کردیا جائے تو انقلاب ناکام رہتا ہے چنانچہ ابتداء نبوت سے تین سال تک تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس طرح رہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی جس کو اپنے مطلب کا دیکھتے اس سے بات چیت کر لیتے۔ اور جو چند لوگ ہم فکر ہوتے وہ رات کو کسی جگہ جمع ہو جاتے اور اس طرح دعوت اور تیاری جاری رہی۔

اب بھی جس ملک میں قرآن حکیم کے اصولوں پر انقلاب پیدا کیا جائے گا اسے پہلے اسی منزل میں سے گزرنا پڑے گا۔ یعنی ذہنی تیاری کی منزل میں سے جس میں لڑائی کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ اس تیاری ہی کی برکت تھی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی انقلاب کی تحریک متعدد ارتجاعوں (Reaction) میں سے گزرنے کے بعد اب تک زندہ ہے۔

سرمایہ پرستوں سے باز پرس

(11) وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا : مجھے اور ان جھٹلانے والے فارغ البال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سے مہلت دے)

مکذبین، کسریٰ و قیصر ہیں : المکذبین (جھٹلانے والے) سے مراد بین الاقوامی حلقے میں کسریٰ و قیصر ہیں۔ اور قومی حلقے میں مجازاً" قریش کے وہ سردار جو ان کی راہ چلتے تھے اور جو ان ہی کی طرح انقلاب کو برداشت نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اس انقلاب کے پروگریم (Revelutionary Programme) کو نہیں مانتے۔

سرمایہ پرستوں سے بازپرس ہوگی : اولی النعمۃ (فارغ البال) وہ لوگ ہیں جن کے پاس انسانی ضوریات مثلاً" کھانے پینے وغیرہ کا سامان وافر موجود ہے جو ان کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔

اس قسم کے سرمایہ پرست مخالفین سے چند دنوں کے لئے اعراض کرو۔ اور لڑائی سے بچو۔ یہاں تک کہ تمہاری تیاری مکمل ہو جائے۔ اس کے بعد ان سے بازپرس کی جائے گی۔ اس زندگی میں وہ جماعت ان سے بازپرس کرے گی جو قرآنی اصولوں پر خدا کے حکم کے مطابق انقلاب برپا کرے گی۔ یہ دنیا میں خدا کی خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ دوسری زندگی میں خدا تعالیٰ براہ راست ان سے بازپرس کرے گا۔

حضرت مسیح کا ارشاد سرمایہ پرستوں کے بارے میں : یہ بازپرس تمام مذاہب کا مسلمہ اصول ہے۔ چنانچہ متی کی انجیل باب 25 آیات 31-46 میں ہے کہ :

"جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔ جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ اور پھر بھیڑوں کو اپنے داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنے داہنی طرف والوں سے کہے گا کہ آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہت بناء عالم کے وقت سے تمہارے لئے

بنا دی گئی ہے اسے میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا' ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا' بیمار تھا تم نے میری خبر لی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے' تب راستباز جواب میں اس سے کہیں گے اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا۔ یا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا؟ ہم نے کب تجھے پردیسی دیکھ کر گھر میں اتارا یا ننگا دیکھ کر کپڑا پہنایا؟ ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟ بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ کیا۔ اس لئے میرے ساتھ کیا۔

پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا۔ اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہیشہ کی آگ میں چلے جاؤ۔ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قیدی تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ تب وہ جواب میں کہیں گے اے خداوند ہم نے کب تجھے بھوکا پیاسا' یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی؟ اس وقت وہ ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے ان سب سے چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ نہ کیا۔ اس لئے میرے ساتھ نہ کیا۔ اور یہ ہیشہ کی سزا پائیں گے مگر راستباز ہیشہ کی زندگی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان : انہی معنوں میں ایک روایت مشکوۃ شریف میں بھی ہے:

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ "یَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ" قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ

تَعُدْهُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَہٗ؟" "یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ" قَالَ: یَا رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟ "قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّہٗ اِسْتَطْعَمَکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْہُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْاَطْعَمْتَہٗ لَوَجَدْتَّ ذَالِکَ عِنْدِیْ؟" "یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ" قَالَ: "یَارَبِّ! کَیْفَ اَسْقِیْکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟" قَالَ: اِسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِہٖ اَمَا اَنَّکَ لَوْسَقَیْتَہٗ وَجَدْتَّ ذَالِکَ عِنْدِیْ؟"

(یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا۔ لیکن تو نے میری خبر تک نہ لی؟ انسان کہے گا اے میرے پروردگار! تو نے تو ساری اقوام کا رب ہے۔ تیری خبر گیری میں کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا!

اے ابن آدم میں نے بھوک میں تجھ سے کھانا مانگا۔ لیکن تو نے مجھے کھانے کو کچھ نہ دیا۔ انسان کہے گا یااللہ تو ساری دنیا کا پروردگار ہے تجھے کھانا کس طرح دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے خبر نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے نہ دیا۔ اگر تو اسے کھانا دیتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔

اے ابن آدم! میں نے پیاسا ہو کر تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہ دیا۔ انسان کہے گا کہ یااللہ تو تمام اقوام عالم کا پروردگار ہے تجھے پانی کس طرح دیتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے اسے دیا نہیں تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اسے پانی دے دیتا تو اسے میرے پاس پاتا"۔

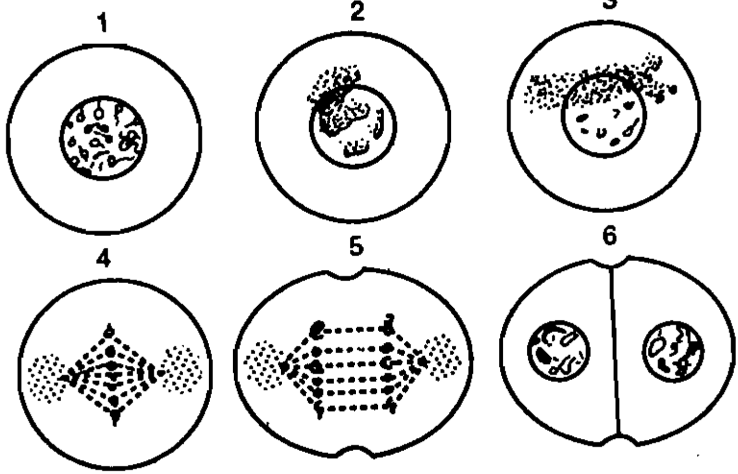
الغرض قیامت کے دن قوموں کا فیصلہ اسی مسئلے پر ہوگا کہ انہوں نے مسکینوں اور بیکسوں کو کھانا اور کپڑا لتہ وغیرہ دیا یا نہیں۔

بازپرس کیوں ہوگی؟: امام الائمہ امام ولی اللہؒ نے اپنے ایک رسالے "سطعات" میں اس امر کی تشریح کی ہے کہ خداوند تعالیٰ کی تجلیات میں سے ایک تجلی تجلی اعظم کہلاتی ہے جو ساری کائنات پر اثر انداز ہے۔ اس کا ایک عکس یا نازل تجلی عرش کہلاتی ہے۔ جس کے نیچے ہر ایک نوع حیوانات کا ایک نمونہ موجود ہے۔ ان میں ایک نمونہ نوع انسان کا بھی ہے۔ اسے امام نوع انسانی یا انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اس انسان کبیر کے نمونے ہی پر تمام انسان اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان صغیر کہلاتے ہیں۔ اس انسان کبیر کی جو روح ہے وہ تمام افراد انسان کی روح ہے۔ اس انسان کبیر کے قلب پر عرش کی تجلی کا عکس پڑتا ہے۔ یہ گویا تجلی اعظم کا تیسرے درجے کا نازل عکس ہے۔ یا یوں کہو کہ ذات خداوندی کی ایک نازل تجلی ہے یہ تجلی حشر میں ہر ایک فرد انسانی سے مخاطب ہوگی۔ تو گویا حقیقت میں انسانیت ہر ایک فرد سے مخاطب ہو کر ان سے بازپرس کرے گی اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز انسانی افراد اور انسانی جماعتوں کا فیصلہ مجموع انسانی (Humanity as a whole) کے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ جو فرد انسان کبیر یا انسانیت جامع کے طبعی تقاضوں کے جتنا قریب ہوگا یعنی ان کو جتنا زیادہ پورا کرنے والا ہوگا اتنا ہی نیک یا صالح قرار دیا جائے گا۔

افراد انسانی اور انسان کبیر کا تعلق: اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسم انسانی کے خلیاتؔ[1] (Cells) کہ ان میں سے بہترین ——— صالح ترین ——— خلیہ وہ ہے جو سارے بدن انسانی کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتا ہے۔ اور دوسرے خلیات کے ساتھ مل کر بہترین مصالحت (Harmony) کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جو خلیہ اس طرح کام نہیں کرتا وہ بیمار ——— غیر صالح ——— ہے۔ وہ خلیہ جسم انسانی کی خدمت

ا۔ انسانی جسم ——— بلکہ ہر ایک جاندار جسم ——— چھوٹے چھوٹے خانوں یعنی خلیات (Cells) سے مرکب ہے جن میں سے ایک کی شکل اگلے صفحہ پر دیکھیں۔ ایک خلیہ یا خانہ ایک انچ کا 1/300 حصہ ہوتا ہے۔ اس کے بیچ میں مرکزہ (Nucleus) ہوتا ہے اور اس کے گرد مادۂ حیات (Protoplasm) بھرا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک چار دیواری (Cell-wall) میں بند ہوتا ہے۔ یہ پھٹ کر بڑھتا ہے۔

خلیئے کی شکلیں



کرنے سے بلسان حال "منکر" ہے یعنی "کافر" ہے اس خلیہ سے "بازپرس" ہوگی اور اس کی اصلاح کے لئے اس کا علاج کیا جائے گا۔

اسی طرح ہر فرد انسانی کی صالحیت کا امتحان اس نقطہ نگاہ سے ہوگا کہ اس کے دیگر افراد انسانی کے ساتھ مل کر کہاں تک مناسبت (Harmony) پیدا کی۔ جو انسان کبیر کی صحت کے لئے ضروری ہے اگر کسی فرد کے بدن میں کچھ اجزا خراب یا ناقص ہوں گے تو اس کی اصلاح کے لئے اسے جہنم کے "شفاخانے" میں جانا ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ایک انسان کے پاس خوراک کا ذخیرہ اس کی ضرورتوں سے زیادہ ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بدنِ انسانی کے خلیہ میں خون آتا ہے۔ اگر وہ فرد انسانی اس ذخیرہ خوراک میں سے اپنی ضرورت کے بقدر لے کر دیگر افراد انسانی کو بھی اس میں سے ان کی ضرورت کے مطابق پہنچا دیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تندرست خلیہ خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کا وظیفہ (Function) ہے اگر وہ فرد انسانی خوراک جمع کر رکھے تو وہ ایسا ہی جیسے خلیہ میں خون "جمع" ہو جائے تو جیسے اس صورت میں کہا جائے گا کہ خلیہ بیمار ہے۔ مثلاً" اسے سوجن ہو گئی ہے ایسے ہی فرد انسانی کو بھی غیر صالح ـــــ ناتندرست' اخلاقی بیمار ـــــ قرار دیا جائے گا اور انسانیت (امام نوع انسان) کے قلب پر جو تجلی الٰہی پڑتی ہے وہ اس سے بازپرس کرے گی۔

صالحیت کا معیار مساکین کی خدمت ہے : الغرض اس دنیا کی زندگی میں فرد کی صالحیت موقوف ہے اس بات پر کہ وہ دوسرے کمزور اور مسکین افراد کی کھانے پینے اور کپڑے لتے سے کتنی مدد کی۔ اس دنیا کی زندگی میں انقلابی جماعت کی طرف سے جو انسان کبیر یا انسانیت عامہ کی نمائندگی کرتی ہے اور اس دنیا میں انسان کبیر کے قلب پر پڑنے والی تجلی الٰہی کی طرف سے گویا براہ راست خداوند تعالیٰ کی طرف سے بازپرس ہوگی۔ یہ انقلابی جماعت ان انسانیت فراموش افراد سے اس وقت بازپرس کرے گی جب وہ اپنی مرکزی طاقت مضبوط کرلے گی۔

(12) إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا (13) وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (14) يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا : (بیشک ہمارے پاس بیڑیاں' تیز

آگ، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے جب زمین اور پہاڑ کانپنے
لگیں گے اور پہاڑ پھسلتے ریت کے ٹیلے بن کر رہ جائیں گے)

ان آیات میں آنے والے بہت بڑے خوفناک واقعے کا ذکر ہے اور اس میں "مکذبین
کے لئے جن کا اوپر ذکر آیا ہے ایک بہت بڑا ڈراوا ہے۔

انقلاب اور قیامت : امام ولی اللہؒ کی حکمت کے مطابق ان آیات میں آنے والی بڑی قیامت کے علاوہ چھوٹی دنیاوی قیامت ---- انقلاب عمومی ---- کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قرآن درحقیقت آنے والے انقلاب سے ڈرانا چاہتا ہے اس کے لئے وہ قیامت کبریٰ کے واقعات کو جو تمام اقوام میں مسلمہ طور پر معلوم ہیں۔ عنوان بناتا ہے اگر قرآن حکیم محض عربوں کے لئے نازل ہوا ہوتا تو وہ عرب کی گزشتہ تاریخ کے واقعات مثلاً عاد و ثمود کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھتا مگر یہ عالمگیر صداقتیں لے کر آیا ہے۔ اس لئے اسے ان عالمگیر صداقتوں کے نہ ماننے والوں کی عبرت انگیزی کے لئے مسلمہ عالمگیر حوادث ہی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اس لئے قرآن حکیم نے ان آیات میں انقلاب عمومی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قیامت کے عالمگیر حادثے کو ذریعہ بنایا ہے۔

کھانے پینے کے نظام کی اہمیت : اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کے پروگرام میں کھانے پینے کے انتظام کو پوری اہمیت دینی چاہئے اور اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص اس کے ہمسائے میں بھوکا نہ سوئے۔ جب اس اصول پر اصلاح شروع کی جائے گی تو اسے اپنے زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آئیں گے وہ اس گھر میں آرام سے نہ رہ سکے گا جس میں وہ اب تک ظالمانہ انداز سے رہتا تھا۔ وہ اس شہر میں نہ رہ سکے گا اور اس ملک میں نہ رہ سکے گا جس میں انسانیت پر ظلم ہو رہا ہو۔

فارغ البال ظالم لوگوں کی سزا : جب کسی قانون کا کوئی باغی پکڑا ہوا آتا ہے تو اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اسے وہاں بدترین غذا ملتی ہے اور تمام راحتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانیت کے دشمن کو بیڑیوں میں کس کر پہلے دنیاوی قید خانے میں ڈالا جائے گا اور یہاں سے مر کر نکلتے ہی وہ جہنم کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا چونکہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا اس لئے اسے دنیاوی

جیل میں اور اس کے بعد اخروی جیل (جہنم) میں ایسا کھانا دیا جائے گا جسے وہ کھا نہ سکے گا۔ اور جس طرح مساکین اسے دیکھ دیکھ ترستے تھے اب وہ کھانے کو ترسے گا۔ البتہ دنیاوی عذاب کا قاعدہ اتنا عام اور ہمہ گیر نہیں جتنا اخروی زندگی کے عذاب کا ہے کیونکہ جو شخص انقلابی جماعت کی کامیابی سے پہلے مر گیا وہ اس کے ہاتھوں سزا پانے سے بچ جائے گا جو لوگ ان ایام انقلاب کی پوری سزا سے بچ گئے ان کے لئے آخری بازپرس کا دن مقرر کیا گیا ہے اس روز سب کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ اس روز خداوند تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے کے سوا اور کچھ نہ کرے گا۔

پس کھاتے پیتے لوگ جو انسانیت کی خدمت کے اصولوں سے انکار کرتے ہیں——مکذبین—— وہ اس بڑے یوم انقلاب—— قیامت کبریٰ—— اور اس آنے والے چھوٹے یوم انقلاب—— قیامت صغریٰ سے ڈریں اور ان کے پاس جو نعمت الٰہی ہے اس میں سے ان کو بھی بقدر ضرورت دیں جو اس سے محروم ہیں۔

فائدہ : ایک شخص غلطی کرتا ہے اس پر گرفت کا موقعہ آچکا ہے مگر اس نے دوسری جماعت میں مل کر ایک اچھا کام بھی کیا ہے اب یہ جماعتی اچھا کام اگر اس غلطی کو معاف نہیں کرا سکتا تو اسے موخر ضرور کرا دے گا۔ اس اصول پر انسانوں کا فیصلہ آگے پیچھے ہو سکتا ہے مگر کوئی جرم بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتا اور جب اس جرم کی سزا پوری ہو جائے گی جو ہمیشہ محدود ہوگی تو اسی وقت سے وہ نجات پا جائے گا۔

انقلاب کی منزل اول

قومی انقلاب

قومی انقلاب کی دعوت : (15) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا : (ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا)

بین الاقوامی انقلاب کے چند اصول بیان کرنے کے بعد ان کو قومی انقلاب میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ قومی انقلاب آگے چل کر بین الاقوامی انقلاب کی شکل اختیار کرے گا۔ اور قومی انقلاب لانیوالی جماعت ہی اس بین الاقوامی انقلاب کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی Working Committee) بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں : حضرت امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ عرب کے لئے قومی نبی ہیں تاکہ اہل عرب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں اور ان میں قانون الٰہی جاری کریں دوسری یہ کہ آپ تمام اقوام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ:

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِیْ يَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰى مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ يَّحْتَاجُ اِلٰى اُصُوْلٍ اُخْرٰى غَيْرَ الْاُصُوْلِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْمَا سَبَقَ، مِنْهَا اَنْ يَّدْعُوَ قَوْمًا اِلَى السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيَهُمْ وَيُصْلِحَ شَاْنَهُمْ ثُمَّ يَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَيُجَاهِدُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَيُفَرِّقُهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى : (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) وَذٰلِكَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَهٗ لَا يَتَاَتّٰى مِنْهُ مُجَاهَدَةُ اُمَمٍ غَيْرِ مَحْصُوْرَةٍ وَّاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ وَجَبَ اَنْ تَكُوْنَ مَادَّةُ شَرِيْعَتِهٖ مَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَذْهَبِ الطَّبِيْعِیِّ لِاَهْلِ

الْاَ قَارِلِیْمِ الصَّالِحَۃِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ مَا عِنْدَ قَوْمِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِرْتِفَاقَاتِ وَيُرَاعٰى فِيْهِ حَالُهُمْ اَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمْ

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 118)

اس بین الاقوامی دعوت دینے والے نبی کی کامیابی کے اصول ان اصولوں سے مختلف ہوں گے جو ایک امام صرف اپنی قوم کے اندر دعوت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی امام اپنی قوم کو صحیح سنت کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک کرے گا اور ان کی حالت درست کر کے ان کو اپنا آلہ کار بنائے گا وہ ان کی مدد سے باقی اقوام عالم سے لڑے گا اور ان کو چاروں طرف اپنی دعوت کا پیام دے کر بھیج دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت عربیہ کا بہترین طبقہ ہو جو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تنہا بنفس نفیس لاتعداد اقوام کے ساتھ لڑ بھڑ نہیں سکتا۔ چونکہ صورت حال یہ بن جاتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے قانون شریعت کا جوہر تمام اقوام کے لئے خواہ وہ عرب ہوں غیر عرب جو اچھی آب و ہوا کے خطوں میں بستی ہیں بمنزلہ مذہب طبیعی ہو۔ بایں ہمہ اس امام کی قوم کے علوم و ارتفاقات کا دیگر اقوام کی بہ نسبت اس تعلیم میں زیادہ خیال رکھا گیا ہو)

پس بین الاقوامی دعوت دینے والا امام اپنا کام بین الاقوامی دعوت سے شروع نہیں کرے گا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی قوم کے صالح عناصر کو جمع کر کے قومی انقلاب برپا کرے گا۔ اور پھر اس قومی انقلاب کی مجلس خلفہ (جوارحہ) دوسری اقوام میں کام کرے گی اور ان کے اندر انقلاب برپا کرے گی۔

حضرت موسیٰؑ کی مثال : حضرت نبی اکرم ﷺ کی شاندار بین الاقوامی کامیابی اسی اصول طبعی کی پابندی کی رہین منت ہے۔ یہ اصول اس سے پہلے بھی برتنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے بین الاقوامی مرکزیت کو توڑنے کے لئے اسی حربے سے کام لیا جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت

حنیفی کی ریاست سپرد کی (جو بین الاقوامی دعوت ہے) تو ان کو اور ان کے رفیق کار حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ:

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (طٰہٰ 20:47)

(یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیامبر ہیں اس لئے بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو عذاب مت دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اب جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہی سلامت رہ سکتا ہے)۔

چنانچہ خدا کے دونوں پیامبر فرعون کے پاس جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور نمائندہ گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

(الاعراف 7:105) (میں یقیناً" تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں لے کر آگیا ہوں۔ اس لئے اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کردو)

بالکل ایسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ نے پہلے قریش اور عرب میں بین الاقوامی کام کو قومی رنگ میں کرنا شروع کیا اور ان مظالم سے پاک کرنے کی کوشش کی جو وہ انسانیت پر کر رہے تھے۔ اور ان کو تعلق باللہ کا وہ سبق یاد دلایا جو وہ بھول چکے تھے۔

(16) فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا

(فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا)

فرعونی ملوکیت کا خاتمہ : فرعون کی ملوکیت بنی اسرائیل اور سب مصریوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر رہی تھی۔ اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان سے اتنی محنت و مشقت لی جاتی تھی کہ ان کو بیلوں اور گدھوں کی طرح تمام گھریلو کاموں کے لئے استعمال کیا جانے لگا تھا اہرام مصر (Pyramids) جیسی عظیم الشان عمارتیں

جن کی تعمیر میں لاکھوں من پتھر کی سلیں لگی ہیں سب مصریوں کے ہاتھوں بنوائی گئیں۔

جب حکمران طبقہ اپنی قوم کو یوں ذلیل بنائے تو اسے کیوں زندہ رہنا چاہئے؟ وہ تو اپنی قوم کو آدمی ہی نہیں مانتے بنی اسرائیل کی ان کے ہاں کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ چنانچہ فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جانے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آزادی کے پروگرام پر منظم کر لیا اور ان کو مصر سے نکال لے گئے اب خداوند تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی خاص مدد فرمائی۔ اور ان کے دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے برباد کر دیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ کسریٰ اور قیصر: اسی طرح چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ (Pharoas) کسریٰ ایران اور قیصر روم ——— کے لئے ایک نبی اعظم ﷺ آیا جس نے ان کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا قانون ——— قرآن حکیم ——— قبول کر کے اسے رائج کریں اگر وہ اس قانون کو رائج نہ کریں گے تو کسانوں پر جو ظلم وہ کر رہے ہیں اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ قیصر روم کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ الفاظ خاص ہیں:

اِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَاعِیَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِیْکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمُ الْیَرِیْسِیْنَ

(الصحیح البخاری باب بدء الوحی)

(میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اسے مان لو گے تو دنیا میں بھی بچ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا دگنا اجر بھی دے گا اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے کسانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں اور وہ اپنی جہالت کے باعث جو غلطیاں کر رہے ہیں ان کے تم ذمہ دار ہوں گے)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی انسان دوستی شروع ہی سے ملوکیت پرستوں کے جوئے تلے دبے ہوئے لوگوں خصوصاً کسانوں کے ساتھ تھی کیونکہ ان ممالک کی غالب آبادی ان کسانوں وغیرہ ہی پر مشتمل تھی چنانچہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجتہ اللہ البالغہ (ص 105) میں اس طبقے کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔

کسریٰ و قیصر نے یہ دعوت قبول نہ کی نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح فرعون کو دنیا میں سزا دی گئی اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ (کسریٰ و قیصر ہلاک کر دئے جائیں گے اور ان کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں ہوگا)

یہ تھا بین الاقوامی انقلاب جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے پیدا کیا اور جس کا فائدہ تمام کمزور جماعتوں کو پہنچا۔

(17) فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا
(18) (الف) نِ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ : (تم کس طرح بچ سکو گے اگر تم نے انکار کیا اس دن کا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس سے آسمان پھاڑا جائے گا)۔

وہ یوم انقلاب آنے والا ہے اور جس طرح قیامت کبریٰ کا عذاب ایسا خوفناک ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اسی طرح چھوٹے پیمانے پر آنے والے ایام انقلاب میں تمام مخالفین کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس یوم انقلاب کے لانے کے لئے خدائے قدیر اور مدبر السموت والارض تدابیر کر رہا ہے۔ اگر اسے قریب تر لانے کے لئے آسمانی قوتوں کو پھاڑنا (یا بقول حضرت مسیح "ہلانا") پڑے گا تو وہ بھی کر ڈالے گا۔

انقلاب کے لئے تدبیر الٰہی کے طریقے : تدبیر الٰہی کے انہی اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَا تَهَيَّأَتْ اَسْبَابُ هٰذَا الشَّرِّ اِقْتَضَتْ رَحْمَةُ اللّٰهِ بِعِبَادِهٖ وَلُطْفِهٖ بِهِمْ وَعُمُوْمُ قُدْرَتِهٖ عَلَى الْكُلِّ وَشُمُوْلِ عِلْمِهٖ بِالْكُلِّ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ تِلْكَ الْقُوٰى وَالْاُمُوْرِ الْحَامِلَةِ لَهَا بِالْقَبْضِ وَالْبَسْطِ وَالْاِحَالَةِ وَالْاِلْهَامِ حَتّٰى تَقْضِى تِلْكَ الْجُمْلَةُ اِلَى الْاَمْرِ الْمَطْلُوْبِ

یعنی جب عارضی قباحت کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور

اس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس عارضی قباحت کو دور کر کے مصلحت عامہ کے مطابق حالت پیدا کر دی جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز پر براہ راست قادر ہے۔ اور کائنات کے ذرّے ذرے کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس غرض کے لئے وہ مخلوقات اور ان کی قوتوں میں تصرف کرتا ہے اس کے تمام تصرفات چار قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں:

(1) قبض : (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے خلاف ہوں) ان کی قوت عاملہ روک دی جاتی ہے)

(2) بسط : (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے لئے مفید ہوں مگر کمزور ہوں ان کو قوی مثالیہ سے مدد پہنچا کر طاقتور بنا دیتا ہے)

(3) احالہ : (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کی غرض سے اگر ضرورت پڑے تو ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے)

(4) الہام : (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کے اصول کی محبت یا اس کے مخالف قوتوں کی نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کے حق میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

کسریٰ و قیصر اور ان کے متبع میں قریش کو انذار : الغرض ان تدابیر کے ذریعے سے قرآنی انقلاب لایا جائے گا اور کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی اور نہ حجاز میں کوئی غیر انقلابی رہنے پائے گا۔ اب اگر فرعون موسیٰؑ کی تحریک انقلاب کی مخالفت کر کے بچ نہ سکا تو قیصر و کسریٰ اور ان کے مکی اور حجازی متبعین اس انقلاب سے جو قرآن حکیم لانے والا ہے کس طرح بچ سکتے ہیں؟

اس پیشگوئی کی تصدیق : تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد جنگ بدر میں ابوجہل اور اس کی متبعین اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم ہلاک ہو گئے۔

(ب) كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا : (یہ بات ہو کر رہنے والی ہے) یہ انقلاب ہو کر رہے گا اور کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

یہ اعلان جنگ بدر سے تیرہ سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور بدر میں عین اس کے مطابق ہو کر

رہا۔

انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت : ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا اور قرآنی نظام (Quranic Order) کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی اس لئے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدر اسلام میں پیش آئی تھی اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے واقعتاً زندگی بسر کی۔ اس لئے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں اور جو واقعی قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں۔ قیامت کبریٰ ہی پر محمول کر کے خاموش ہو گئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو ہم خود ہندوستان میں اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے ہیں جو یورپین استیلاء سے پیدا ہوا مگر ہم ایک واسطے[ا] سے اس انقلاب کے حالات جانتے ہیں۔ جب وہ حالات سنتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کے انقلاب کی قریب ترین مثال روسی انقلاب کی ہے روس میں زار کے خاندان اور دیگر روسی امراء کے خاندانوں سے جو بیتی وہ کچھ وہی خوب جانتے ہیں جو ان قیامت خیز و حشر زا حوادث سے دوچار ہوئے۔ جو لوگ 1917ء ہندی کے بعد پیدا ہوئے وہ ان کی حقیقت سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟ اور صفحات تاریخ وہ خونچکاں مناظر کس طرح دکھا سکتے ہیں۔ جو آنکھوں نے 1917ء ہندی میں دیکھے اور اس سے تھوڑا سا فرق کر کے عثمانی خلافت میں جو انقلاب آیا ہے اور شاہی خاندان جس طرح بھیک مانگنے اور بری طرح اخلاق بیچنے پر مجبور ہوا۔ مسلمانوں کا کھاتا پیتا طبقہ وہ مسلمانوں کے سامنے نہیں آنے دیتا ورنہ مسلمانوں کے سامنے روس کے انقلاب کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ اور جتنی سزا عثمانیوں کو دی گئی وہ ہمارے عوام سن لیں تو آنکھیں کھلی رہ جائیں!

ا۔ راقم الحروف کے استاذ مولانا مفتی عبدالحمید صاحب لودیانوی تاحال زندہ ہیں انہوں نے اپنے شہر (لودیانہ) میں پیش آنے والے واقعات راقم الحروف کو سنائے ان کو سن کر دل دہل جاتا تھا اور راقم الحروف نے اپنے خاندانوں کے بزرگوں سے شورش مذکور کے جو حالات سنے وہ زبان قلم ادا کرنے سے عاجز ہے۔

الغرض قرآن حکیم قیامت کبریٰ کے جس چھوٹے سے نمونے ۔۔۔۔ انقلاب ۔۔۔۔ کی خبر دے رہا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا۔ اور کوئی ارضی و سماوی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

(19) (الف) إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ : (یہ ایک یاددہانی ہے)

قرآن متنبہ کرتا ہے : جو لوگ قرآن سوچتے ہیں قرآن حکیم ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف ارتجاع (Reaction) سوچتے ہیں ان کو تنبیہ کرتا ہے۔

(ب) فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے)

اب کون بچے گا؟ : اس انقلاب نے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا رستہ کھول دیا ہے۔ جو شخص چاہے یہ راستہ اختیار کر لے۔ اور قرآنی تعلیم کو اپنا پروگرام بنا کر دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ رسول اللہ کا فرض یہ ہوگا کہ بھولے بھٹکے لوگوں کو یاددہانی کراتے رہیں۔ آپ کے بعد قرآن حکیم کی تعلیم سے صحیح طور پر سوچنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے کارکن انقلاب کے اصولوں کو سمجھ کر اپنا لیں اور پھر اپنی ذمہ داری پر کام کریں۔ جب تک کوئی شخص اپنے فیصلے سے انقلابی نہیں بنتا انقلاب میں وہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ جو لوگ اچھی طرح سمجھ کر شامل نہ ہوں وہ بھی ارتجاعی بن جایا کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن کے اصولوں کو سمجھا کر انقلابی بنانا ضروری ہے۔

نظرِ بازگشت : اس رکوع میں مندرجہ ذیل مضامین آگئے ہیں:

(1) قرآن حکیم کی تحریک عوام اور خواص دونوں میں جاری کی جائے تاکہ یہ اپنے انقلابی اثرات پیدا کرے۔

(2) اس تحریک کو آگے بڑھانے کے واسطے صرف خدا پر بھروسہ کر کے کام کرنا ضروری ہے۔

(3) اس تحریک کا ابتدائی مقابلہ بین الاقوامی میدان میں کسریٰ و قیصر کے سرمایہ پرستانہ نظام سے پیش آئے گا۔ اور قومی میدان میں ان لوگوں سے جن کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہے۔

(4) ابتدا میں انقلابی جماعت لڑنے سے باز رہے۔ اور صبر کے ساتھ تمام مصائب برداشت کرتی ہوئی تیاری کرے۔

(5) قرآنی انقلاب کی بنیاد مسکینوں کی خدمت پر ہوگی اور اسی مسئلے پر قیامت کے روز اقوام اور افراد کا فیصلہ ہوگا۔

(6) عمومی انقلاب برپا کرنے سے پہلے اس کے پیشرو (Pioneers) تیار کرنے کے لئے قومی انقلاب پیدا کیا جائے۔

انقلاب کی منزل دوم

بین الاقوامی انقلاب

تمہید : انقلاب کی حقیقت ان کے ذہن نشین ہوگی۔ اب یہ اساتذہ ـــــ ائمہ انقلاب ـــــ اپنے اپنے گھروں پر لوگوں کو تیار کریں گے اس لئے شب بیداری کی وہ پابندی جو ایک سال پہلے لگائے گئی تھی کہ ایک تہائی نصف یا دو تہائی رات گئے تک کھڑے رہا کرو۔ غیر ضروری قرار دے دی گئی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے قیامت تک کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔ اس "قول ثقیل" پر عمل کرنے کی تیاری کے لئے ضرور کم سے کم ایک سال تک بالاستیعاب (Intensive) مطالعے اور گہرے غور و فکر کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد بھی جب انہی اصولوں پر انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہوگی پھر یہی اصول قائم ہو جائے گا۔ اور یہ آیت زیر عمل آجائے گی۔ یہ قیام رسول اکرم ﷺ کے لئے ساری عمر ضروری رہا مگر عام لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

(20) (الف) إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ : (بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک چھوٹی سی جماعت دو تہائی سے کچھ کم یا نصف شب یا ایک تہائی رات تک کھڑی رہتی ہے اور اللہ مقدار معین کرتا ہے رات اور دن کی وہ جانتا ہے کہ تم (ہمیشہ) اس حکم کی پیروی نہ کر سکو گے اس لئے اس نے تمہیں اس حکم کی تعمیل سے بری کر دیا اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکو)

قیام شب کا حکم دائمی نہ تھا : یہ حکم تمام دنیا کے لئے اور ہر زمانے کے مسلمانوں کے لئے دائمی حکم نہ تھا کہ وہ ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی رات تہجد میں گزاریں جس میں

وہ قرآن حکیم پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ زمین کے بعض حصوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں جیسے ناروے کے شمال میں ایک ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اگر اتنی لمبی رات کا آدھا یا تہائی بھی کھڑا رہنا پڑے تو عملی طور پر یہ ناقابل عمل ہوگا ایسی تعلیم جس میں اس قسم کے حکم ہوں عالمگیر نہیں بن سکتی۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورت کے مطابق قرآن حکیم کے اتنے مطالعے کا حکم دیا جس پر عمل ہمیشہ ممکن ہے۔

ترمیم حکم کے دوسرے اسباب

(1) امراض (2) سفر (3) قتال : اس حکم کے بدلنے میں رات دن کی کمی بیشی کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً :

(ب) عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى : (وہ جانتا ہے کہ تم میں عنقریب بعض لوگ بیمار بھی ہو جائیں گے)

(1) جو لوگ بیمار ہوں گے وہ اس طویل شبانہ تعلیمی عبادت کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔

(ج) وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ : (اور دوسرے لوگ سفر کریں گے زمین پر اللہ کے فضل کی تلاش میں۔

(2) بعض لوگ انقلابی ضرورتوں کے لئے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر خواہ وہ اپنی ذات کے لئے ہو یا جماعت کے لئے راتوں کو سفر کریں گے۔

(د) وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : (اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے)

(3) بعض لوگ اس انقلابی پروگرام کو زمین میں قائم کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا کر خدا کی راہ میں لڑیں گے۔

(ہ) فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ : (اس لئے اتنا پڑھ لو جتنا آسانی سے پڑھا جاسکے)

یہ دائمی قاعدہ ہے کہ حسب ضرورت جتنا سہولت سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ مملکت (State) کی تنظیم صرف علم سے نہیں ہوتی۔ بلکہ تجارت اور تحفظ مملکت کی بھی ضرورت

پڑتی ہے۔ پس ہر شخص کو کوئی نہ کوئی منفعت بخش کام (Productive Occupation) اختیار کرنا چاہئے۔ جو سوسائٹی کے لئے مفید ہو اور جس کی قانون اجازت دے۔ انقلاب کا نتیجہ یہ ہے کہ انقلاب منظم کرکے عوام کو ارتقائی راستے پر لگا دیا جائے۔ اس وقت ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنا ہوگا تاکہ ملکی پیداوار بڑھے اور اس پیداوار کی تنظیم میں بھی انقلاب کا ایک فریضہ ہے۔ اسی کے بل بوتے پر انقلابی جماعت اپنے انقلاب کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ اگر ملک کی پیداوار منظم نہ ہوگی تو مخالف طاقتوں کے حملوں کو برداشت نہ کیا جا سکے گا۔ اور ارتجاعی طاقتیں فتور مچا دیں گی۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ مگر یہ افراد کے اختیار میں ہوگا کہ کونسا مفید پیشہ اختیار کریں۔ جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرلیں گے وہ نماز تہجد بطریق مذکور رات کو مقررہ طویل گھڑیوں میں نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لئے قانون میں قدرے ترمیم کردی گئی۔

الغرض اب اپنی سہولت کے مطابق قرآن حکیم پر تدبر جاری رکھو اور دیکھو کہ اس کے مطابق حکومت کس طرح چلائی جائے گی۔ اس قرآن خوانی کی عملی شکل کیا ہوگی۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

ایک اہم نکتہ : قرآن کی تعلیم انقلابی ہونے کا ثبوت : یہ آیت نہایت اہم تاریخی چیز ہے۔ یہ بعثت کے دوسرے سال میں نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت صاف و صریح اور ناقابل تاویل الفاظ میں اشارہ موجود ہے اس سے قرآنی فکر کے انقلابی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے۔ انقلاب اگر سوچے سمجھے ہوئے پائیدار اصولوں پر برپا کیا جائے تو اس کے بنیادی فکر میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی اگر قرآن حکیم انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے تو ضرور اس میں لڑنے کا فکر شروع ہی سے موجود ہونا چاہئے۔ گو لڑنا نہ لڑنا وقتی مصلحت کے مطابق ہوگا۔ یہ آیت اس فکر کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم کو ناقابل تردید طور پر انقلابی ثابت کرتی ہے۔ اس آیت میں قتال کا جو فکر پیش کیا گیا ہے۔ وہ پہلا جرثومہ (Germ) ہے جس نے آگے چل کر انفال[1] اور توبہ کی ترکیب اور جامعیت حاصل کرلی۔

---

[1] انفال اور توبہ قرآن حکیم کی دو سورتیں ہیں جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل سے دیا گیا ہے۔

عدم تشدد طبعی اصول نہیں : زمانہ حال کا یہ سب سے افسوسناک حادثہ ہے کہ عدم تشدد (Non-violence) کو جو انقلاب کی تیاری کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔ سیاست کا لازمی اور دائمی جز قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ انسانی سیاست کی قطعی غیر طبعی ترجمانی ہے۔ قرآن حکیم اور اس کی بنیاد حکمت امام ولی اللہ' اس سے قطعاً" انکار کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ چونکہ انسان بہیمیت (Anima) اور عقلیت یا ملکیت (Persona) سے مرکب ہے۔ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انسان اجتماعی حیثیت سے اپنی ارتقائی زندگی کے کسی دور میں بھی بہیمیت سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اس لئے جنگ اور قتل —— جہاد —— جس کے ذریعے سے ملکیت یا عقلیت' بہیمیت پر غالب آتی رہے گی انسانی معاشرہ (Society) کا لازمی جز رہے گا۔ انسانیت فقط عدم تشدد (Non-violence) مصالحت (Compromise) سے کبھی ترقی نہیں کر سکتی بلکہ ہمیشہ انقلاب (Revolution) سے آگے بڑھتی ہے جس کے لئے تشدد اور عدم تشدد دونوں ضروری ہیں۔

فائدہ : ہماری شرعی اصطلاح میں جہاد کے لئے امیر' لشکر اور سامان جنگ کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع سے حاصل ہو سکتی ہیں لیکن اگر اجتماع ٹوٹ چکا ہو اور سامان جہاد میسر نہ ہو تو پھر ہمارے فقہاء ہر مرد اور عورت کو انفرادی طور پر جہاد کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ یہ ہے انقلاب۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ بات انہیں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ نے سمجھائی تھی ہماری قوم میں علی گڑھ پارٹی نے جس طرح جہاد میں سستی برتی ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے اور مزید برآں گاندھی جی کا مستقل عدم تشدد کا نظریہ تباہ کن ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی: ایک شبہ کا ازالہ : حضرت نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا ایک ہی محور تھا —— انقلاب جس کے لئے قتل لازم ہے لیکن یورپ کے پراپیگنڈہ کرنے والے ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں کہ آپؐ مکہ میں مسکینی کی زندگی بسر کرتے رہے مگر مدینہ پہنچتے ہی حالات کچھ سازگار ہوئے تو (نعوذباللہ) کھل کھیلے اور قافلے لوٹنے شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ ایک ریاست (State) کے مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ مشہور اہل قلم مسٹر جوزف ہل Joseph Hull اپنے مقالے "الثقافۃ العربیہ" (der Arabes

(Die Kultur مترجمہ جناب صلاح الدین خدا بخش صاحب ایم اے بی سی ایل بیرسٹر ایٹ لاء پٹنہ) کے صفحہ 22-23 پر لکھتے ہیں کہ:

The man who just left Makkah and the man now entered Medina seem to be two different men. The former man an ideal preacher of a perfect religion who for his convictions, cheerfully endured scorn and persecutions and who sought no other destinction than that of being acknowledged a messenger of God. There is no trace of love of power in him-- nothing to indicate that he was striving to set up a state organiation at the head of which he whished to preside. Of social reform the one thing that he sought to achieve in Mekka-- supported by the doctrine of unity of God and the day of Judgment reinforced by the joys and horrors of Heavne and Hell--was the widening of the circle of duties beyond the trible, to all faithfuls alike and to mankind at large in the event of their accepting the true faith.

He left Mekkah as a Prophet but entered Medina as the Chief of a Comminity. The "fugitives" constituted a tribe by themselves and as a corporate body were described under the name and style of Muhajirin. This change of position created fresh prcblems, set new tasks but Mohammed was quite equal to the occasion. The Prophet now retires into the background-- the diplomatist now comes forward. The Prophetship is now only an arnament of the ruler, an effective weaopn establishing.

extending, maintaining power".

(یعنی جس شخص نے ابھی ابھی مکے سے ہجرت اختیار کی اور جو اس کے بعد مدینے میں داخل ہوا۔ ایک نہیں دو جداگانہ اشخاص معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا ایک کامل اور مکمل مذہب کا مبلغ تھا۔ اس نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کے سبب اپنے مخالفین کی طرف سے ہر قسم کا نفرت آمیز سلوک اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ وہ خدا کا پیامبر مانے جانے کے سوا اور کسی قسم کے امتیاز کا خواہاں نہ تھا۔ قوت حاصل کرنے کا اسے خواب تک نہ آیا تھا اور یہ ہرگز نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے ماتحت کوئی حکومت قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ اہل مکہ سے صرف اتنی اصلاح چاہتا ہے کہ وہ اپنے قبائلی فرائض کے حلقے کو وسیع تر کر کے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر لیں اور اگر تمام دنیا کے مسلمان اسلام لے آئیں تو ان سب کو اس حلقے میں لے لیں۔ وہ صرف اس غرض سے اہل مکہ کو توحید کا سبق دیتا ہے۔ اور یوم آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ اور ثواب کی توقع دلاتا ہے۔

الغرض اس نے مکہ چھوڑا تو وہ محض ایک نبی تھا اور جب مدینے میں داخل ہوا تو وہ ایک گروہ کا لیڈر تھا۔ جو لوگ ہجرت کر کے اس کے ساتھ آئے تھے ان کا مہاجرین کے نام سے ایک الگ فرقہ بن گیا۔ اس تبدیلی نے نئے مسائل اور نئے نئے کام پیدا کر دیئے مگر (حضرت محمد (ﷺ) ہر ایک مسئلے کو حل کرنے اور ہر ایک کام کو سرانجام دینے کا اہل تھا۔ اب نبی پس منظر میں چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ سیاستدان (Diplomatics) آگے آجاتا ہے۔ اب نبوت حکمران کے زیور کے سوا اور کچھ نہیں جسے وہ اپنی ریاست قائم کر کے اسے توسیع دینے اور قائم رکھنے میں استعمال کرتا ہے)

دراصل مشنری لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی میں اس قسم کی تفریق کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مدینے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا فکر (Idea) بدل گیا تھا۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تعلیم انقلابی (Revolutionary) نہیں ہے جو اصول انقلاب کے مطابق نہیں بلکہ حالات کے تابع

تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا ثبوت آیت زیر بحث سے مل جاتا ہے۔ مکی زندگی میں قرآنی جماعت کو بتا دیا گیا تھا کہ آگے چل کر قتال (War) ہوگا۔ چنانچہ اس کے چند سال بعد بدر سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام تک برابر جاری رہا اور ان کا تتمہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں پیش آیا۔ جب قیصر و کسریٰ کے ممالک پر قبضہ کیا گیا۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ جس کا فکر (Idea) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تکمیل تک پہنچا۔ مدینہ منورہ کی زندگی درحقیقت اسی فکر کی توسیع تھی۔ چنانچہ امام الائمہ حضرت امام ولی اللہ "فیوض الحرمین" (ص 67) میں خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ کی جو تشریح کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ظاہرہ سے مراد سلطنت ہے اور خلافت باطنہ سے مراد وہ پارٹی ہے جو سلطنت پیدا کرتی ہے۔ یہ خلافت باطنہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اسی کو قرآن حزب اللہ قرار دیتا ہے۔

(ہ) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ : (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو)

نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون : تہجد کی معافی کے ساتھ عام نماز معاف نہیں ہو گئی۔ اسے ضرور قائم رکھو۔ یہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے اس کا لازمی نتیجہ ہے مساکین کی خدمت جس کے لئے زکوٰۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔

مساکین کی خدمت کے لئے اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ نکالتے رہو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ یہ انقلاب کا لازمی جز ہے۔ ورنہ غیر انقلابی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جو لوگ مساکین کی روٹی اور دیگر انسانی ضرورتوں کا مسئلہ حل نہیں کریں گے وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ حکومت قائم ہو جائے تو مساکین کے کھانے پینے' وغیرہ کا منظم انتظام اس کا فرض اولین ہوگا۔ وہ عام مسلمانوں سے زکوٰۃ کا بقدر ضرورت ٹیکس وصول کرکے مساکین پر خرچ کریں گی اگر آمدنی کی اس مد سے یہ خرچ پورا ہوتا رہے تو اچھا ہے۔ ورنہ دوسری مدات سے اس کام میں مدد دی جائے گی۔ اگر دیگر مدات بھی اسکی کفیل نہ ہو سکیں' تو مزید ٹیکس لگایا جائے گا۔ مگر یہ اختیار اس حکومت کو ہے جو اپنا حساب قوم کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ دارالشوریٰ میں اپنا حساب پیش نہیں کرتی تو اسے ٹیکس وصول کرنے کا

کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جتنا لیتی ہے ظلم سے لیتی ہے۔

(و) وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا : (اور اللہ کو ادھار دو بطریق احسن)

سرمایہ محدود کرنے کا قانون : زکوٰۃ کے علاوہ یہ قرضہ بھی قرآن کا قانون چلانے والی حکومت کو دیا جائے گا اور اس سے اس پر سود نہ لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک شخص کو اپنا فالتو روپیہ سرکاری بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ جہاں سے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ اور حکومت اس پر اپنی مرضی سے جس قدر چاہے نفع دے سکتی ہے۔ جس کی شرح وغیرہ پہلے سے طے نہ ہوگی یہ نفع دینا نہ دینا اور کس شرح سے دینا یہ سب باتیں حکومت کے اختیار تمیزی پر چھوڑنا ہوگا۔

آج کل بینک آف انگلینڈ (Bank of England) نے تمام دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا نظام سود پر چلتا ہے ہمارے بینک ایسے نہیں ہوں گے ہمارے بینک امدادی بنکوں (Co-operative Societies) کے اصولوں پر ہوں گے جن میں ہلکا سود بھی نہیں لیا جائے گا۔ ان کے چلانے کے لئے سوسائٹی اپنا علیحدہ انتظام کرے گی۔

(ز) وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ : (تم اپنی جو نیکی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے)

انفرادی اور اجتماعی مفاد کا تلازم : تم اپنے اجتماعی فائدے کے لئے جو کام بھی ان اصولوں پر کرو گے وہ ضائع نہیں جا سکتے۔ اگر ان سے براہ راست تمہاری ذات کو فائدہ نہ پہنچا تو تمہاری اولاد کو یا دوسرے عزیزوں کو یا اجتماع انسانی کے کسی فرد کو فائدہ پہنچ جائے گا اور دنیا میں قومی کاموں سے بڑھ کر بلند تر درجے پر کام کرنے کا حوصلہ دلائے گا۔ اور اس کا جو اثر تمہارے نفس پر مرتب ہوگا وہ آئندہ زندگی میں بھی بالآخر تمہارے لئے مفید ثابت ہوگا۔

(ح) هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا : (وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور بہت بڑا ہے)

بین الاقوامی کام زیادہ شاندار کام ہے : بیشک تم آج قومی درجے پر کام کر رہے ہو اور یہ کوئی بلند درجے کا کام نہیں ہے لیکن آگے چل کر تم اسی قومی کام کے نتیجے کے طور پر بین الاقوامی کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے جس کا اجر تمہیں اس سے بہت زیادہ اور

نہایت شاندار شکل میں ملے گا۔ پس اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

(ط) وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ : (اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے)

قیامِ ضبط کی ضرورت : اس قومی اور بین الاقوامی کام میں کبھی کبھار غلطی ہو جایا کرے تو اسے اصول بنا کر نہ بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اصول وہی ہیں جو قرآن حکیم میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غلطی ہو جائے تو اس کو غلطی سمجھ کر اس سے بازگشت کرو۔ از سرِ نو قرآن کے اصولوں پر قائم ہو جاؤ اور اس طرح اپنی جماعت کا ضبط (Moral Discipline) نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھو اس طرح کرتے رہو گے تو غلطیوں کے نتائج سے محفوظ رہو گے۔ جو شخص اعتراف قصور کر کے بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں چل بسا وہ ایسا ہی ہو گا جیسے اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس قسم کی لغزشیں معاف کر دیا کرتا ہے چنانچہ اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (النسآء 4 : 31)

(یعنی اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں)

خلاصتہ الکلام

اس سورت (المزمل) میں مندرجہ ذیل مضامین آئے ہیں:

(1) قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی ہے اس لئے اسے خواص و عام دونوں بیک وقت پھیلایا جائے (آیات 2-7)

(2) اس تحریک انقلابی میں کام کرنے والے صرف خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کریں۔ غیر قرآنی نظام والوں سے کسی رعایت و اعانت کی امید نہ رکھیں۔ (8-9)

(3) اس تحریک کا مقابلہ قومی اور بین الاقوامی حلقوں میں سرمایہ پرست اور ملوکیت پرست لوگوں سے پیش آئے گا (11)

(4) انقلابی جماعت شروع شروع میں تشدد اور جنگ سے پرہیز کرے گی۔ البتہ تیاری کے بعد وہ حسب ضرورت لڑ سکتی ہے۔ (نمبر 10، 11)

(5) انقلابی جماعت ان خوشحال لوگوں سے جواب طلب کرے گی جو مساکین وغیرہ کی خدمت میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اسی اصول پر ہر ایک فرد سے جواب طلبی ہوگی (نمبر 11 تا 14)

(6) انقلاب عمومی سے پہلے قومی انقلاب لانا ضروری ہے (نمبر 15)

(7) ابتدائی کارکنوں (Poineers) کو قرآن حکیم کا بالاستیعاب (Intensive) مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ گو بعد میں اس قاعدے میں نرمی کی جا سکتی ہے۔ (آیات نمبر 2 تا 4 مع آیت نمبر 20)

(9) اس انقلاب کی بنیاد تعلق باللہ اور تنظیم مساکین پر ہوگی (نمبر 20)

(10) یہ انقلابی تحریک اصولاً سرمایہ پرستی کی مخالف ہوگی۔ اس لئے سود کو جائز نہ رکھے گی۔ (نمبر 20)

(11) اس تحریک میں کام کرنے والے ہمیشہ اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں اور غلطیوں کی اصلاح کرتے رہیں اور اس طرح جماعت کا ڈسپلن (Discipline) قائم رکھیں (نمبر 21)

تفسیر سورۂ مدثر

بین الاقوامی انقلاب کے اصول

سورۂ مزمل کے ساتھ ربط : سورۂ مزمل میں شخصی ــــ داخلی ــــ انقلاب کا ذکر تھا۔ اور انفرادی فکر کی اصلاح کی گئی تھی۔ چنانچہ اس میں بالصراحت کہا گیا تھا کہ:

(1) قُمِ الَّیْلَ۔۔۔۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً

(2) وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً

(3) وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلاً

اس تعلیم کے مطابق حضرت نبی اکرم ﷺ لوگوں سے انفرادی طور پر ملتے رہے اور ان کو قرآنی انقلاب سے روشناس کراتے رہے۔ اس عرصے میں کچھ لوگ اس انقلاب کو قبول کرکے آپ کے ساتھ ہو گئے وہ بھی ضمنی طور پر اسی طرح کام کرتے رہے۔ اسکے بعد آپ کو حکم دیا گیا کہ اس انفرادی انقلاب کو اجتماع میں لائیں۔ چنانچہ سورۂ مدثر میں حکم دیا گیا ہے کہ:

(1) قُمْ فَاَنْذِرْ : (اٹھ اور لوگوں کو اس آنے والے انقلاب سے ڈرا)

(2) وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ : (خدا کی بزرگی کا اعلان کر) اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآنی انقلاب اجتماع انسانی میں آجائے گا۔

(3) اِنَّهَا لَاِحْدَی الْکُبَرِ ○ نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ : یہ انقلاب تاریخ انسانی کے بہت عظیم الشان واقعات میں سے ہے۔ اور یہ ساری نوع بشر کے لئے ڈراوا ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس ڈراوے کو عوام تک پہنچانا مقصود ہے۔ چنانچہ اب نبی اکرم ﷺ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی اور آپ عوام کو بیش از پیش تیزی کے ساتھ قرآنی انقلاب کی دعوت دینے لگے۔

سورۂ مدثر کا مضمون : قرآنی انقلاب جامع انسانی انقلاب ہے۔ یعنی انسانیت اعلیٰ کے

جملہ تقاضے پورے کرنے والا انقلاب ہے۔ اس لئے اس کی بنیاد جن اخلاق پر ہے ان کی طرف شروع کی آیات (نمبر2-10) میں اشارہ کرنے کے بعد اس انقلاب کے مخالفین کی ذہنیت کا تجزیہ (Psychological Analysis) نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے۔ (آیات نمبر 11-25) اور پھر دکھلایا گیا ہے کہ دنیا میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے تو دوسری زندگی میں اس کا ظہور کس طرح ہو گا (آیات نمبر26-30)

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ قرآن کا عالمگیر انقلاب قومی اور بین الاقوامی منازل میں سے گزرے گا۔ تو اس کی کامیابی کے اسباب کیا ہوں گے (آیات 36-49) اور جو لوگ اسے مان لیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی اور جو نہ مانیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی (آیات نمبر 50-56)

الغرض اس سورت میں قرآنی انقلاب کے اخلاق اور ابتدائی اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مخالفین کی ذہنیت کی تشریح کی گئی ہے اور اس انقلاب کی انتہائی کامیابی کی پیشگوئی کی گئی ہے۔

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (اے مدثرا)

مدثر کے معنی : لفظ مزمل کی تشریح کے دوران میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موطا امام مالکؒ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک نام الماحی بھی ہے جس کے معنی خود حضرت نبی اکرم ﷺ نے بتائے ہیں کہ يَمْحُوااللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ (یعنی میرے ذریعے سے اللہ کفر کو محو کرے گا) چنانچہ لغوی طور پر دَثَّرَ کے معنی اَهْلَكَ[1] (ہلاک کرنا) بیان کئے گئے ہیں جو بالکل الماحی کے معنوں کے مترادف ہیں۔ پس مدثر کے معنی ہیں دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم و جور مٹانے والا۔ نبی اکرم ﷺ یہ کام ملت حنیفیہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے اصول حیات کے دوبارہ زندہ کرنے سے کریں گے جو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اور جس کے نمائندے قریش تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ایک نکتہ : سیرت نبی (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ملت حنیفیہ ابراھیمیہ کے قیام کے لئے طبعاً

1۔ المنجد اور الاقرب الموارد

بے تاب تھے آپ کی تربیت بھی قریش کے اونچے گھرانوں میں ہوئی۔ جن میں اس ملت کی اچھی اچھی باتیں باقی تھیں[1]۔ پھر وہ انقلاب کا زمانہ تھا فارس اور روم آپس میں لڑ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ دنیا کی اقوام کو اپنے قبضے میں لائیں۔ ان سیاسی اور جنگی حالات کا اثر قریش پر بھی پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ان کے تجارتی تعلقات اور دونوں ممالک کے ساتھ تھے اور ان ملکوں میں ان کی کافی آمدورفت تھی۔ چنانچہ قریش کا سمجھدار طبقہ سیاسی میلانات کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم ہو گیا تھا:

(1) ایک طبقہ قیصر کی طرف مائل تھا۔

(2) دوسرا طبقہ کسریٰ ایران کی طرف مائل تھا۔

(3) تیسرا طبقہ دونوں سے الگ تھا اور حنیفیت پر قائم تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ طبعاً اس تیسرے گروہ کے سرگرم رکن تھے یہ گروہ اگرچہ اقلیت میں تھا لیکن عرب پر قریش کی سیادت قائم کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ میں اس قسم کی قیادت کی طبعی خداداد استعداد بھی موجود تھی۔ آپ کو اس انقلاب میں کامیابی کے لئے جس ہدایت کی ضرورت تھی اور جس کے لئے آپ سرگرداں تھے (وَوَجَدَكَ ضَالًّا)[2]۔ وہ خداوند تعالیٰ نے فراہم کردی (فَهَدٰى)[3]۔

آپ قرآن حکیم کے ذریعے سے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں سے ہر قسم کا ظلم خواہ وہ خدا اور بندوں کے تعلقات میں ہو یا بندوں کے باہمی تعلقات میں یعنی روحانی ہو یا اقتصادی سب مٹا دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ خدا کے ساتھ صحیح طریق پر تعلقات قائم کئے جائیں گے اور انسانیت میں معاشیات، معاشرت اور اقتصادیات میں ایک نظم جدید پیدا کیا جائے گا۔ اس انقلاب میں کسی خاص قوم یا ملک کی خصوصیت نہ ہوگی۔ بلکہ وسیع ترین معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر ہوگا۔

---

[1] یہ خیال غلط ہے کہ قریش اور اہل عرب افریقہ کے وحشیوں کی طرح بالکل وحشی لوگ تھے جن میں کوئی انسانی خوبی باقی نہ رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش اور اکثر اہل عرب میں ملت حنیفہ کا اچھا خاصہ حصہ باقی تھا۔ جیسے آج کل مسلمانوں کی تباہی کے باوجود ان میں اپنے بزرگوں کی بہت سی اچھی باتیں موجود ہیں تفصیل کے لئے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 124) [2]۔ خدا تعالیٰ نے تجھے سرگرداں پایا [3]۔ پھر ہدایت دی۔

اسلام کا جامع انقلاب : دنیا میں اب تک جو انقلابات ہوئے ہیں وہ سب کے سب جزوی انقلابات ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی عالمگیر اور جامع انقلاب نہیں ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری امام انقلاب ہیں۔ جنکی دعوت جامع عالمگیر انقلاب کے لئے ہے اور آپ نے اس جامعیت کا بہترین نمونہ سرزمین حجاز میں قائم کر کے دکھا دیا۔ جسے دنیا اب تک اس حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے آپ کے انقلاب میں اس وقت کی مہذب اقوام کا بیشتر حصہ آگیا۔ اور سب کو خدمت انسانیت کے ایک نقطے پر جمع کر کے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست کر دیئے۔ بلکہ ان کے آپس کے تعلقات بھی درست کر دیئے۔ اب جب کبھی کوئی جماعت جامع بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنا چاہے گی اسے آپ ہی کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ جو جماعت اس لائحہ عمل کے خلاف اور لائحہ عمل لے کر اٹھے گی وہ یا تو سرے سے ناکام رہے گی یا صرف جزوی طور پر کامیاب ہوگی۔ چنانچہ فرانس' جرمنی' ٹرکی اور روس کے انقلابات اس اصول کی بین مثالیں ہیں۔ ان انقلابوں میں وہ جامعیت نہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے پیدا کردہ حجازی انقلاب میں تھی۔ جس نے بعد میں قیصر و کسریٰ کو بھی ہضم کر لیا۔

الغرض ہمارے نزدیک المدثر کے معنی ہیں المنکف ا لکفر یعنی انسانیت میں سے ہر قسم کا کفر (انکار) نکالنے والا وہ انکار خواہ خدا کے حقوق کے متعلق ہو یا انسانوں کے حقوق کے متعلق یہ انقلاب اسے انسانیت میں سے نکال باہر کرے گا۔

اس لفظ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا طبعی اور فطرتی عزم و استقلال ظاہر کرتا ہے جو اس کفر کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے بارے میں ان کے دل میں پوشیدہ ہے۔

(2) قُمْ : (اٹھ)

انقلاب میں اشاعت کی ضرورت : یعنی اے وہ کہ تو دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم اور کفر مٹانے کا تہیہ اور پختہ عزم کئے ہوئے ہے۔ ہم سے ہدایت لے اور محنت سے کام کر۔ اور جن لوگوں تک تیری آواز پہنچ سکتی ہے ان کو انسانی انقلاب کا یہ پیام سنا دے۔ اور ایسے لوگ تیار کر جو یہ انقلابی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں۔ ایسے خاص لوگوں کی مرکزی قوت راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن حکیم کی تعلیم پر تدبر کرنے ہی سے پیدا ہو سکتی

ہے جس کا ذکر سورۂ مزمل میں آچکا ہے۔ چنانچہ تجربے نے ثابت کر دیا کہ اس شبانہ تعلیم نے وہ لوگ پیدا کر دیئے جنہوں نے اس انقلاب کو فارس اور روم تک پہنچا دیا۔ اور پھر آگے وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسے حبشیوں ترکوں اور ہندیوں تک پہنچا دیا۔ اب پھر یہ انقلاب پہلو بدل رہا ہے اور انشاء اللہ اس کی دعوت ہندوستان سے یورپ کی اقوام تک پہنچے گی۔

فَاَنْذِرْ (اور ڈرا)

قسم قسم کے ظلموں کی وجہ سے انسانیت جس تباہی کے غار کی طرف جا رہی ہے اس سے لوگوں کو خبردار کر دے۔ وہ غافل ہیں اور بے خبر۔ اگر وہ بیدار نہ ہوئے تو وہ اپنے ظلموں کے آپ ہی شکار ہو جائیں گے۔

(2) وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (اور اپنے پروردگار کی بڑائی بول)

انقلاب کا اصول اولین انسانی قانون سے بغاوت : کوئی شخص اپنے گھر میں یا خاندان میں بڑا ——— کبیر ——— ہوتا ہے۔ کوئی اپنے شہر میں بڑا ہے کوئی اپنی قوم یا شاید بہت سی اقوام میں بڑا مانا جاتا ہے۔ لیکن تو ان میں سے کسی کو بڑا نہ مان بلکہ صرف خداوند تعالیٰ کو بڑا مان ——— گھر میں، خاندان میں، قوم میں اور تمام اقوام میں اس کے سوا کسی کو بڑا نہ مان۔ ہر جگہ اسی کی پادشاہی تسلیم کر۔ کوئی ایسی حکومت تسلیم نہ کر جو ایسے قانون کے ماتحت نہ ہو جو تمام انسانیت کے لئے یکساں ہو۔ خدا کی بزرگی کا اعلان ان معنوں میں کر کہ اس کے سوا کوئی کائنات کا مالک اور خالق نہیں۔ اس کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اسی کا قانون نوع انسان میں جاری ہوگا۔ جب تو لوگوں کے سامنے خدا کی ہمہ گیر پادشاہی کا اعلان کرے تو کسی سے نہ ڈر۔ بلکہ جو لوگ خداوند قدوس کو چھوڑ کر اوروں کو اپنے اوپر حکمران مانتے ہیں ——— مثلاً بزرگ خاندان، سوسائٹی، پیر، استاد، حاکم، پادشاہ ——— ان کو خبردار کر دے کہ ان کا یہ فعل انسانیت عامہ کے لئے مضرت رساں ہے۔ صحیح پوزیشن یہ ہے کہ جو شخص خاندان، شہر، قوم یا مجمع اقوام میں بڑا ہے وہ اپنے آپ کو خدائے وحدہ لاشریک ہی کا نائب سمجھے اور صرف اسی حیثیت سے کام کرے۔ یہ وہ روح ہے جو حنیفیت انسانی سوسائٹی میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یعنی وہ چاہتی ہے کہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) میں سے ملوکیت (Imperialism) اور علمی سرمایہ داری

(Brahmanism) کا قطعی خاتمہ کر دیا جائے اور ہر شخص کا خدا کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کر کے اسے انسانیت کا خادم بنا دیا جائے۔

قرآنی سیاست کی تشریح : قرآن حکیم نے اپنا قانون چلانے کے لئے جو سوسائٹی پیدا کی اس کا نام اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رکھا ہے (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سابقین کی خوبی کے ساتھ پیروی کی) یہ جماعت اپنے امور کا انتظام کرنے کے لئے اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مان لیتی ہے۔ اور اسے اپنا امیر قرار دے لیتی ہے۔ یہ امیر ان میں قانون الٰہی کے ماتحت انتظام کرتا ہے۔ لیکن انتظام کی تمام طاقت حقیقت میں خود اس جماعت کے پاس رہتی ہے۔ یہ ہے وہ سیاست جو قرآن حکیم نے پیدا کی۔ چنانچہ حج کے موقع پر آج تک مسلمان یہ الفاظ کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ (سب تعریف تیرے ہی لئے ہے اور سب نعمت کا تو ہی مالک ہے۔ حکومت صرف تیری ہی ہے اور اس میں تیرا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے) قرآنی سیاست کے مطابق قوت رہنمائی ان لوگوں میں مرکوز ہوتی ہے جو قرآن سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سابقین اولین کی پیروی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے مشورہ واجب تھا : امیر ان کے مشورے ہی سے کام کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران) (اور ان سے تمام معاملات میں مشورہ کر لیا کر اور جب تو پختہ ارادہ کر لے تو پھر اللہ پر بھروسہ کر) علامہ جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ مشاورت نبی اکرم ﷺ کے لئے اختیاری نہ تھی بلکہ واجب تھی۔

حضرت علیؓ کا نظریہ : عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ اَهْلِ الرَّاْيِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُمْ (تفسیر ابن کثیر و در منثور عن ابن مردویہ)

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیت قرآنی فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ میں "عزم" سے کیا مراد ہے؟ حضورؐ نے ارشاد

فرمایا کہ امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورے کا پابند ہونا ہی عزم ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (سورہ شوریٰ) (یعنی مسلمان اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں)

حضرت عمرؓ کا نظریہ : حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنۡ مَشۡوَرَةٍ (کنز العمال) یعنی خلافت بغیر مشورے کے خلافت نہیں رہتی۔

الغرض رَبَّکَ فَکَبِّرۡ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے اوپر حاکم نہ مانے خواہ وہ کوئی ہو۔ یہ حق صرف حق سبحانہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ (لَا طَاعَةَ لِمَخۡلُوۡقٍ فِيۡ مَعۡصِيَةِ الۡخَالِقِ (جس بات میں حق سبحانہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی کی اطاعت انسان پر واجب نہیں ہے) اس لئے تمام حاکم اس کے نائب بن کر اس کا حکم چلا سکتے ہیں اور بس۔

جو جماعت اب حقیقی مالک کے سوا کسی دوسرے کی غلامی میں مبتلا ہو گئی ہو۔ اور اس کا قانون ماننے پر مجبور ہو گئی ہو اس کی حالت تبدیل کرنے کے لئے سب سے پہلا اصول کار یہ ہے کہ اس کے ذہن میں بٹھایا جائے کہ اس ایک کارساز حقیقی کو تمام کائنات اور تمام انسانیت کو قانون دینے والا مان لے۔ کیونکہ وہی ایسے قوانین دے سکتا ہے جن میں افراد و جماعات اور اقوام بلکہ ساری نوع انسان کے مفادات اور فطرت کا خیال رکھا گیا ہو وہ جماعت ہر ایسی طاقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے جو اس منبع قانون کے ماتحت رہ کر ضمنی قواعد (Bye-laws) نہیں بناتی۔

پس انقلاب کا پہلا مثبت نظریہ یہ ہے کہ غیر صالح نظام (Unhealthy Social Structure) کی جگہ صالح نظام (Healthy Social Structure) قائم کیا جائے جس کی خشت اولیں یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہی سب سے بزرگ و برتر ہے اور کائنات اور نوع انسان کے لئے قانون کا منبع ہے۔

خضوع یا اخبات الی اللہ : حکمت ولی اللّٰہی میں اسے خصلت خضوع یا اخبات کہتے ہیں اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد' مرشدین' معلمین اور صالح حکام کی تعظیم کرتا ہے اور جب ان کے سامنے جاتا ہے تو اپنے قلب میں ایک قسم کا عجز اور

ان کے لئے ایک خاص قسم کی محبت اور عزت کے جذبات پاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بزرگ مجھے کوئی حکم دے تو میں فوراً اس کی تعمیل کر کے اسے خوش کروں۔ اس احساس کا نام اخبات ہے۔

اس جذبے کا نفسیاتی تجزیہ : اگر انسان کائنات کی ساخت پر غور کرے اور اس کے عجائبات پر فکر و تدبر کرے تو وہ خدا تعالیٰ کے لئے اپنے دل میں خضوع کا جذبہ محسوس کرتا ہے جس میں وہ کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتا۔ اب وہ اپنے آباؤ اجداد، مرشدین و معلمین اور صالح حکام کی اطاعت کو بھی اسی خضوع کے ماتحت لے آتا ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ میرے بزرگوں کا حکم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے تو اس کی اطاعت کرتا ہے اور اگر اسے خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف پاتا ہے تو اطاعت نہیں کرتا۔ ایسے ہی وہ اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے حکموں کو جانچتا ہے ان کی اطاعت اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ وہ اپنے بزرگوں اور حاکموں کی اطاعت اور نافرمانی کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

یہ اخبات الی اللہ انسانیت کا ایک طبعی جذبہ ہے اور انسان کا ایک بنیادی خلق ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (اور اپنا لباس پاک رکھ)

لباس کی پاکیزگی : اس انقلاب کے لئے کوئی خاص نشان (Emblem) یا وردی (Uniform) کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بین الاقوامی انقلاب ہے جو ہر قوم میں ظاہر ہوگا۔ البتہ ایک شرط ہے وہ یہ کہ لباس پاک ہو اور اخلاق کی پاکیزگی میں مدد دینے والا ہو۔

اس کا نتیجہ : لباس کی پاکیزگی بدن اور بیرونی ماحول کی پاکیزگی کو چاہتی ہے۔ بدن انسانی بعض چیزوں کو طبعاً نجاست میں تبدیل کر دیتا ہے جیسے بول و براز ان غلاظتوں سے نفرت کرنا بھی انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ انسان ان نجاستوں سے پاک ہو کر ایک قسم کی فرحت اور انبساط اپنے نفس کے اندر پاتا ہے اس احساس کا نام طہارت ہے جو حکمت ولی اللہی میں انسانیت کا ایک بنیادی خلق ہے۔

نفسیاتی نجاستوں سے اجتناب : اسی طرح انسانی نفسیاتی غلاظتوں یعنی جوش غضب، بھوک، پیاس اور دیگر شہوات وغیرہ سے طبیعت کو پاک کر لے تو بھی ایک قسم کا

سکون اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جو ان حالتوں کی موجودگی میں نہیں ہوتا ایسے ہی برے کلام، برے فکر اور برے فعل سے صحت مند انسان کو طبعی انقباض محسوس ہوتا ہے جسے وہ صحت مزاجی کے لئے دور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ : انسان خلق طہارت میں کمال حاصل کرلے تو وہ عالم مثال کی قوتوں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس میں ایک قسم کی مستقل مسرت محسوس کرتا ہے اس سے اخبات الی اللہ کو تقویت ہوتی ہے۔

انقلاب صالح کی دوسری مد : لباس کی پاکیزگی جیسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے بدن اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ پس جو جماعت انقلاب قائم کرنے کی کوشش کرے وہ اس سہ گانہ پاکیزگی کو لازم جانے تمام ترقی والی جماعتیں طہارت کی عامل ہوتی ہیں اور جب وہ طہارت کے بلند مقام سے گر جاتی ہیں تو ارتجاع (Reaction) میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

قوی پیمانے پر پاکیزگی کا التزام قوی مزاج کی صحت کی علامت ہے۔

(5) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور گندگی سے دور رہ)

باطنی پاکیزگی : ظاہری پاکیزگی کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا بھی خیال رکھ۔ اس ناپاکی سے بھی نفرت کر۔

امام الائمہ کے نزدیک برائی ـــــ اثم ـــــ کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضا ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ امام ولی اللہ سعادۃ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ لِلْاِنْسَانِ كَمَالًا تَقْتَضِيْهِ الصُّوْرَةُ النَّوْعِيَّةُ وَكَمَالًا يَقْتَضِيْهِ مَوْضُوْعُ النَّوْعِ مِنَ الْجِنْسِ الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَسَعَادَتُهُ الَّتِيْ يَضُرُّهُ فَقْدُهَا وَيَقْصُدُهَا اَهْلُ الْعُقُوْلِ الْمُسْتَقِيْمَةِ قَصْدًا مُؤَكَّدًا هُوَ الْاَوَّلُ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 50)

(یعنی واضح رہے کہ انسان میں دو قسم کے کمالات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اس کی صورت نوعیہ کے تقاضے سے پیدا ہو۔ دوسرے وہ جو اس کی جنس قریب (یعنی حیوانیت) اور جنس بعید (یعنی جمادیت) تقاضا کرتی ہے لیکن سعادۃ جس کی

عدم موجودگی سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور جسے ہر صاحب عقل سلیم حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے وہ اول الذکر ہے (یعنی نوعی تقاضے کے مطابق)

پس شقاوت (بدبختی اور برائی) وہ ہوگی جو انسان کے نوعی تقاضے کے خلاف ہو اسے قرآن حکیم کی اصطلاح میں منکر قرار دیا گیا ہے انسانیت کے اندر یہ برائی خواہ شہنشاہیت (Imperialism) کے ذریعے سے آئی ہو یا نازیت Nazi-ism کے ذریعے سے یا کسی اور ازم (ism) کے ذریعے سے۔ اس قبول کرنے سے یکسر انکار کر دینا انقلاب برپا کرنے والی جماعت کے لئے لازم ہے۔

انقلاب صالح کی تیسری مد : پس انقلاب برپا کرنے والی پارٹی کے پروگرام کی تیسری مد (Item) یہ ہے کہ وہ غیر صالح نظام کی روح کو بھی قبول نہ کرے۔

حکمت ولی اللهی کی اصطلاح میں اسے سماحت کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام الائمہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> اصل ایں ہمہ خصلت (یعنی شعبہ ہائے سماحت کہ مذکورہ شدہ ناقل) یک چیز است و آں غالب بودن رائے کلی بروداعی خسیسہ، بہیمیہ واز مباشرت اشباح وشعب ایں خصال۔ الخ (معات: صہ 17)
>
> (یعنی سماحت کے تمام شعبوں کی اصل بنیاد ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ بہیمیت اور اس کی تمام شکلوں پر انسان کے نوعی تقاضے (رائے کلی) غالب رہیں)

(6) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (اور ایسا نہ کر کہ احسان کرنے اور بدلہ زیادہ چاہے)

استغلال کا امتناع : جب تو کسی پر احسان کرے تو اپنے حق سے زیادہ معاوضہ طلب نہ کر۔ یہ خلق عدالت کے منافی ہے۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ تو ان کو جو تعلیم دیتا ہے اس کا اجر طلب کرے اور اپنے لئے مال و دولت جمع کرے۔ اپنے کسی مزدور کو چار آنے دے کر اس سے دس آنے کا کام لینا انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ آج سرمایہ دار طبقہ اپنی آمدنی میں محتاجوں کا حق سمجھتا ہی نہیں بلکہ وہ مزدوروں کو اسی کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے مزدوروں کو کام پر لگا رکھا ہے اور انہیں بھوکوں مرنے سے بچاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مزدوروں کو صرف اتنی خوراک دیتا ہے جس سے وہ مریں نہیں اور سرمایہ پرست

کے سرمائے میں اضافہ کرنے کے لئے زندہ رہیں۔ کوئی انقلابی جماعت اس قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کر سکتی اس لئے دوسرے انسان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور قدر زائد (Surplus Value) پیدا کرنا تو ایک طرف رہا۔ ایسا احسان کرنے کی بھی ممانعت کر دی جس کا بدلہ زیادہ لینے کی خواہش ہو۔

انقلاب کا بنیادی اصول : انقلاب صالح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانیت کو ظلم و ستم سے محفوظ کر کے اس میں رفاہ عامہ کے ادارے قائم کئے جائیں نہ اپنے انتفاع (Exploitation) کا صیغہ کھول لیا جائے اگر باپ اپنے بیٹے سے یا استاد اپنے شاگرد سے حد سے زیادہ کام لینے لگ جائے گا تو بیٹا یا شاگرد نافرمان ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر حکومت رعایا سے حد سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا شروع کر دے گی تو سلطنت درہم برہم ہو جائے گی۔

سرمایہ پرستانہ نظام کی بربادی کے اسباب

شاہ ولی اللہ کے نظریات : کسی نظام حکومت کی بربادی کے عموماً دو ہی سبب ہوا کرتے ہیں یعنی حکام کی عیاشی اور کام سے گریز اور ٹیکسوں کی بھرمار۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَغَالِبُ سَبَبِ خَرَابِ الْبُلْدَ اِنْ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ شَیْئَانِ اَحَدُهُمَا تَضْیِیْقُهُمْ عَلٰی بَیْتِ الْمَالِ بِاَنْ یَّعْتَادُوا التَّکَسُّبَ بِالْاَخْذِ مِنْهُ عَلٰی اَنَّهُمْ مِنَ الْغُزَاةِ اَوْ مِنَ الْعُلَمَاءِ الَّذِیْنَ لَهُمْ حَقٌّ فِیْهِ اَوْ مِنَ الَّذِیْنَ جَرَتْ عَادَةُ الْمُلُوْکِ بِصِلَتِهِمْ کَالزُّهَادِ وَالشُّعَرَاءِ اَوْ بِوَجْهٍ مِّنْ وُّجُوْهِ التَّکَدِّیْ وَیَکُوْنُ الْعُمْدَةُ عِنْدَهُمْ هُوَ التَّکَسُّبُ دُوْنَ الْقِیَامِ بِالْمَصْلِحَةِ فَیَدْخُلُ قَوْمٌ عَلٰی قَوْمٍ فَیَنْغَصُوْنَ عَلَیْهِمْ وَیَصِیْرُوْنَ کَلًّا عَلَی الْمَدِیْنَةِ وَالثَّانِیْ ضَرْبُ الضَّرَائِبِ الثَّقِیْلَةِ عَلَی الزُّرَّاعِ وَالتُّجَّارِ وَالْمُتَحَرِّفَةِ وَالتَّشْدِیْدِ عَلَیْهِمْ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلٰی اِجْحَافِ الْمُطَاوِعِیْنَ وَاسْتِئْصَالِهِمْ وَاِلٰی تَمَنُّعِ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَبَغْیِهِمْ

وَاِنَّمَا تَصْلُحُ الْمَدِيْنَةُ بِالْجِبَايَةِ الْيَسِيْرَةِ وَاِقَامَةِ الْحَفَظَةِ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ فَلْيَتَنَبَّهْ اَهْلُ الزَّمَانِ لِهٰذِهِ النُّكْتَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

(حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 45)

یعنی آج کل جو شہر برباد ہو رہے ہیں تو اس کے دو بڑے سبب ہیں:

(1) **ناحق مال بٹورنا** : لوگ سرکاری بیت المال کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور مختلف بہانوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ہم سپاہی ہیں ہمیں پنشن ملنی چاہئے۔ یا ہم زمرہ علماء سے ہیں ہمیں کوئی جاگیر وغیرہ ملنی چاہئے یا وہ لوگ زاہد اور شاعر کی حیثیت سے آتے ہیں جن کو صلہ دینا بادشاہوں کی عادت میں داخل ہے یا اسی قسم کے اور بہانے بناتے ہیں۔ اور اس طرح وہ بیت المال میں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ بیت المال سے مشاہرے تو حاصل کرتے ہیں لیکن اس کے عوض میں کوئی کام نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے لئے تنگی کا باعث ہو جاتے ہیں اور شہر پر بار بن جاتے ہیں۔

(2) **گراں بار ٹیکس** : شہروں کے برباد ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کاشتکاروں' تاجروں اور پیشہ وروں پر بھاری بھاری ٹیکس لگاتے ہیں۔ اور ان کی وصولی کے لئے انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ بخوشی ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کا استیصال کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ سخت ہوتے ہیں وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بغاوت اختیار کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شہر آسان ٹیکسوں اور ضرورت کے مطابق محافظین کار مقرر کرنے ہی سے اچھا رہ سکتا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ اس نکتے سے تنبیہہ حاصل کریں۔

ایک اور جگہ رومی اور ایرانی ملوکیتوں کی حالت قلمبند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کسریٰ و قیصر کی تباہی کی مثال : اِعْلَمْ اَنَّ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ لَمَّا تَوَارَثُوا الْخِلَافَةَ قُرُوْنًا كَثِيْرَةً وَخَاضُوْا فِيْ لَذَّةِ الدُّنْيَا وَنَسُوا الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَاسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ تَعَمَّقُوْا فِيْ مَرَافِقِ الْمَعِيْشَةِ وَتَبَاهَوْا بِهَا وَوَرَدَ عَلَيْهِمْ حُكَمَاءُ الْاٰفَاقِ يَسْتَنْبِطُوْنَ لَهُمْ دَقَائِقَ

المعاش ومرافقه فماذالو يعملون بهاويزيد بعضهم على بعض ويحباهون بهاحتى قيل انهم كانوا يعيرون من كان يلبنس من صناديدهم منطقه اوتاجاقيمتها دون مائه الف درهم اولا يكون له قصر شامخ وآبزن و حمام وبساتين ولايكون له دواب فارهه وغلمان حسان ولايكون له توسع فى المطاعم وتجمل فى الملابس و ذكرذلك يطول و ماتراه من ملوك بلادك يغنيك عن حكاياتهم فدخل كل ذلك فى اصول معاشهم وصار لايخرج من قلوبهم الاان تمزع وتولد من ذلك داء عضال دخل فى جميع اعضاء المدينه وآفه عظيمه لم يبق منهم احد من اسواقهم ورسحاقهم وغنيهم وفقيرهم الاقدس اسحولت عليه واخذت بحلابيبه وعجزته فى نفسه واهاجت عليه غموما وهمو مالا ارجاء لها ذلك ان تلك الاشياء لم تكن لحصل الاببذل امول خطيره ولا تحصل تلك الاموال الابحضعيف الضرائب على الفلاحين ولحجارو اشباههم والحضييق عليهم فان امحنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا اجعلوهم منزله الحمير والبقر يسحعمل فى النضع والدياس والحصادولا تقتنى الايسحعان بها فى الحاجات تم لاتترك ساعه من العناء حتى صاروالا يرفعون رئوسهم الى السعاده الاخرويه اصلاو لايسحطيعون ذلك وربماكان اقليم واسع ليس فيهم احديهمه دينه ولم يكن ليحصل ايضا الا بقوم يحكسبون بحهيئه تلك المطاعم والملابس والابنيه وغيرها ويحركون اصول

الْمَكَاسِبِ الَّتِیْ عَلَیْهَا بِنَاءُ نِظَامِ الْعَالَمِ وَصَارَ عَامَّةُ مَنْ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ یَتَکَلَّفُوْنَ مُحَاکَاةَ الصَّنَادِیْدِ فِیْ هٰذِهِ الْاَشْیَاءِ وَاِلَّا لَمْ یَجِدُوْا عِنْدَهُمْ حُظْوَةً وَلَا کَانُوْا عِنْدَهُمْ عَلٰی بَالٍ وَصَارَ جُمْهُوْرُ النَّاسِ عِیَالًا عَلَی الْخَلِیْفَةِ یَتَکَفَّفُوْنَ مِنْهُ تَارَةً عَلٰی اَنَّهُمْ مِنَ الْغُزَاةِ وَالْمُدَبِّرِیْنَ لِلْمَدِیْنَةِ یَتَرَسَّمُوْنَ بِرُسُوْمِهِمْ وَلَا یَکُوْنُ الْمَقْصُوْدُ دَفْعُ الْحَاجَةِ وَلٰکِنَ الْقِیَامُ بِسِیْرَةِ سَلَفِهِمْ وَتَارَةً عَلٰی اَنَّهُمْ شُعَرَاءُ جَرَتْ عَادَةُ الْمُلُوْکِ بِصِلَتِهِمْ وَتَارَةً عَلٰی اَنَّهُمْ زُهَّادٌ وَفُقَرَاءُ یَقْبُحُ مِنَ الْخَلِیْفَةِ اَنْ لَا یَتَفَقَّدُ حَالَهُمْ فَیَضِیْقُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَتَوَقَّفَ مَکَاسِبُهُمْ عَلٰی صُحْبَةِ الْمُلُوْکِ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَحُسْنِ الْمُحَاوَرَةِ مَعَهُمْ وَالتَّمَلُّقِ مِنْهُمْ وَکَانَ ذٰلِکَ هُوَ الْفَنُّ الَّذِیْ تَتَعَمَّقُ اَفْکَارُهُمْ فِیْهِ وَتَضِیْعُ اَوْقَاتُهُمْ مَعَهُ (حجۃ اللہ البالغہ ص 105-106)

ایرانیوں اور رومیوں کی عیاشی : جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک بھلا بیٹھے اور ان پر شیطنت غالب آگئی تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی میں منہمک ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں ہر ایک شخص داو عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگ یہ دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے گوشے سے علماء اور حکماء ان کے ارد گرد جمع ہونے لگ گئے جو ان کے لئے سامان عیش مہیا کرنے کے عجیب عجیب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے۔ اور اس سلسلے میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی کوشش اور ان ایجادوں پر فخر کرنے لگے حتی کہ ان امراء اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہو گیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا۔ ایسے ہی انہوں نے عالی شان سر بفلک محل آبزن اور حمام بے نظیر پائیں باغ سواری کے نمائشی جانور' خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لئے لازم قرار دے لیں۔ اور زندگی کی ضرورت اصلی اسے سمجھ لیا کہ صبح و شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں

جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دستر خوانوں پر چنے ہوں اور خود لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہوں۔

اٹھارویں صدی کی دلی کی حالت : الغرض ان ملوک ایران روم کی یہ داستان پاستان کہاں تک بیان کی جائے تم اپنے زمانے کے پادشاہان دہلی کی جو حالت دیکھتے ہو وہی ان ملوک ایران و رومہ کی حالت کا قیاس کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔

ان ملوک و امراء کی زندگی کے یہ طور طریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظام معاش کے اصل اصول بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں سے ان خرابیوں کا استیصال ناممکن ہو گیا۔ اس کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ چیزیں کھرچ کھرچ کر لوگوں کے دلوں میں سے نکال ڈالی جائیں۔ پادشاہوں اور امیروں کی اس طرح عیاشانہ زندگی بسر کرنے سے بہت سے خطرناک امراض پیدا ہو گئے جو حیات معاشری (Social Life) کے ہر شعبے میں داخل ہو گئے اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہو گئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کر گئی اور اس سے نہ بازاری بچا نہ دہاتی۔ نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب یہاں تک کہ ہر شخص اس کی خرابیاں دیکھ کر مگر علاج نہ پا کر عاجز آگیا۔ اور بے حد و نہایت مالی مصائب میں مبتلا ہو گیا۔

ٹیکسوں کی بھرمار : اس ہمہ گیر مالی مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان عیش کثیر دولت صرف کئے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اور مال خطیر کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے کے لگے ہوئے ٹیکس بڑھانے کے سوا حاصل نہ ہو سکتا تھا پھر ان لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے ٹیکس وصول کئے جاتے تھے اور اگر ٹیکس دینے سے انکار کرتے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی اور انہیں گرفتار کر کے طرح طرح سے عذاب دیا جاتا تھا اور اگر وہ اطاعت شعاری کے ساتھ ٹیکس ادا کرتے رہتے تو ان سے ٹیکس وصول کرتے کرتے ان کو گدھوں اور بیلوں کے درجے پر پہنچا دیا جاتا۔ جن سے آبپاشی، فصل کاٹنے اور گاہنے کا کام لیا جاتا ہے اور جن کو صرف اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے حاجت براری کی جاتی ہے۔

عوام کی حالت : اس تنگ حالی اور بے سروسامانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ عوام ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کمانے کے سوا اور کوئی کام کر ہی

نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ سعادت اخروی کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔ اور رفتہ رفتہ ان میں سے اس طرح فکر کرنے اور سوچنے کا مادہ ہی فنا ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک کے ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں رہتا کہ وہ مادی اسباب کے حصول سے اوپر نظر اٹھا کر غیر مادی کائنات کے اصول حیات کے مطابق بھی کوئی حرکت کر سکے۔

انسانی معاشرہ پر خطرناک اثر : اس فاسد معاشی نظام میں سامان عیاشی جہاں مال خطیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے وہاں ان کے حصول کے لئے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو ان عیاشیوں کے لئے طرح طرح کے کھانے اور عیاشی میں مدد دینے والی دوائیں تیار کرنے اور لباس فاخرہ ایجاد کرنے اور عالیشان محلات بنانے کے پیشے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ جن کی وجہ سے پیشے رہ جاتے ہیں۔ جن پر انسانی معاشرے (Human Society) کی ہستی کا مدار ہے۔

یہ مصیبت صرف بادشاہوں اور امیروں کے طبقے ہی میں بند نہیں رہ جاتی بلکہ رفتہ رفتہ عوام جن کا واسطہ ان امیروں سے پڑتا ہے اپنے امیر آقاؤں کی ریس کرنے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ انہیں ان آقاؤں کی نگاہوں میں عزت و احترام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کے درباروں میں قدر ہوتی ہے۔

بیکاری کی مصیبت : اس طرح رفتہ رفتہ امیر و غریب سب لوگوں کا بار کفالت بادشاہ پر آپڑتا ہے اور وہ اس سے روزینہ طلب کرتے ہیں۔ مثلاً ایک طبقہ تو جہاد کئے بغیر مجاہد باپ دادا کے نام سے وظیفہ خوری کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کرتے صرف اپنے باپ دادا کے نام کو کھاتے ہیں۔ ایک گروہ بادشاہ اور امراء کی قصیدہ خوانی کر کے ان کے خوان کرم سے زلہ ربائی کرتا ہے۔ کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے بہانے مال استحصال کرتا ہے۔

پھر ان لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کے لئے معاشی تنگ حالی کا موجب بن جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین مفید ذرائع کے بجائے ان لوگوں کا ذریعہ امراء کی مصاحبت اور ندیمی چرب زبانی پر چاپلوسی رہ جاتا ہے۔ اور اب اہل فکر کے افکار انہی "فنون لطیفہ" میں وقیقہ سنجی کرنے میں وقف ہو جاتے ہیں اور وہ انہی میں اپنے اوقات عزیز ضائع کرنے لگ جاتے ہیں"۔

یہ وہ حالت ہے جب دنیا میں انقلاب آتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب قرآن نے انقلاب کی دعوت دی۔

(7) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (اور اپنے رب پر صبر کر)

انقلاب کے لئے استقامت کی ضرورت : صاحب اقتدار لوگ جن کے مستقل مفادات (Vested Interests) کو اس "انسانی" پروگرام سے زک پہنچنے کا اندیشہ ہو گا وہ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کریں گے کہ تمہیں اس پروگرام سے ہٹادیں لیکن تم قرآن کے اس بین الاقوامی پروگرام پر ڈٹے رہو۔ ہر مصیبت کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کر اور کسی لالچ یا دھمکی میں نہ آؤ۔ اگر مخالفین تمہیں انقلاب کی تعلیم سے باز رکھنے کے لئے مشروط طور پر حاکم بھی بنانے کے لئے تیار ہو جائیں تو بھی یہ "اعزاز" قبول نہ کرنا اور اگر تمہیں دھمکیاں دیں تو خدا پر بھروسہ رکھ کر کام جاری رکھنا اور اسی کوشش میں لگے رہنا کہ تمہارے رب کا قانون نافذ ہو۔

خلاصہ : حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ قُمْ فَأَنذِرْ (اٹھ کر ان لوگوں کو ڈراؤ) اس کی تفصیل ختم ہو گئی اور "ڈرانے" کا مقصد واضح کر دیا گیا یعنی:

(1) خداوند تعالیٰ ہی کو تمام طاقتوں سے بالاتر تسلیم کرو۔

(2) ہر قسم کی ظاہری طہارت (پاکیزگی) اختیار کرو۔

(3) اخلاق و اعمال اور خیالات کی پاکیزگی اختیار کرو۔

(4) انتفاع پسندی سے باز رہو۔

(5) اللہ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔

اس انداز کے معنی یہ ہیں کہ اخلاق اربعہ ——— اخبات' طہارت' ساحت اور عدالت ——— اختیار کرو۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ بچ نہیں سکتے۔

قرآن کے انذار کا نتیجہ : اس انذار (ڈراوے) کے اعلان کے بعد دو قسم کے لوگ ہو جائیں گے۔

① انکار کرنے والے۔

② ماننے والے۔

اب پہلے نہ ماننے والوں کا حال بیان کیا جائے گا اس کے بعد ماننے والوں کی کامیابی کی کیفیت بیان کی جائے گی۔

جو لوگ اس انذار کی مخالفت کرتے ہیں ان کے درجے مختلف ہوں گے۔

(1) ایک آدمی اسے سن تو لیتا ہے لیکن وہ اسے سمجھتا نہیں اگر اسے سمجھایا جائے تو مخالفت ترک کردے گا۔

(2) دوسرا شخص اسے سمجھتا ہے مگر دیکھتا ہے کہ اگر میں نے اس مسلک کی پیروی کی تو میرے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔ اس لئے وہ پوری کوشش کے ساتھ اس انقلاب کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن اسے کافر قرار دیتا ہے۔ اگلی آیتوں میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

(8) فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (جب بجایا جائے ناقور (کھوکھلی چیز)

(9) فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (تو وہ دن مشکل ہے)

(10) عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ (منکروں کے لئے آسان نہیں)

قیامت اور انقلاب : مفسرین کرام ان آیات کو قیامت پر محمول کر کے خاموش ہو گئے ہیں۔ مگر جیسے "المزمل" کی تفسیر میں دکھایا جا چکا ہے قیامت کبریٰ سے پہلے دنیا میں قیامت صغریٰ آئے گی اور وہ یوم انقلاب ہوگا۔ چنانچہ حجاز میں وہ دن آیا تو وہ اس انقلاب کے مخالفوں کے لئے آسان نہ تھا جب ان کے لئے موت کا صور پھونکا گیا تو ابو جہل اور اس کی جماعت کا جو حال ہوا اس کا اندازہ بدر کی جنگ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی خندق کی جنگ میں مخالفین کو جس طرح راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اور جس ذلت و خواری سے پسپائی کی اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس مصیبت میں مبتلا ہوئے (خدا اس مصیبت سے بچائے)

الغرض وہ یوم انقلاب آنے والا ہے جب تک وہ آئے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے استقامت اور استقلال کے ساتھ کام کئے جاؤ اور لڑنے بھڑنے کی طرح نہ ڈالو۔ کیونکہ تیاری کے ایام میں لڑنا اس تحریک کے لئے مضر ہوگا۔

ان آیات کے بین السطور میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب اس تحریک کے مخالفین برباد ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس روز یہ مخالفین مسلمانوں کے ہاتھوں برباد کرائے جائیں گے اسی لئے اس سورت میں بھی روز اول ہی سے دبی زبان اور

مبہم الفاظ میں آنے والی جنگوں کا ہلکا سا تصور دے دیا گیا ہے۔ اس فکر کی وضاحت اگلے سال نازل ہونے والی سورت ——— المزمل ——— میں کر دی گئی اور کہہ دیا گیا کہ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (علاوہ بریں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں مصروف قتال ہوں گے) اس فکر قتال کی توضیح کے لئے آگے چل کر سورۂ انفال اور سورۂ توبہ نازل ہوئیں جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کے مخالفین

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا تجزیہ : قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب بیان ہے کہ وہ رجعت پسند (Reactionary) مخالفین کی ذہنی کیفیت بیان کرنے کے لئے ایک نمونے کا شخص لے لیتا ہے اور پھر اس کی ذہنیت کا تجزیہ کرتا ہے اگلی آیتوں میں قرآنی تحریک انقلاب کے مخالف کا اسی طرح نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کر کے دکھلایا گیا ہے۔ تاکہ سمجھدار لوگ انقلاب کی حقیقت کو سمجھ جائیں۔ کیونکہ صحیح کیفیت اور غلط ذہنیت پاس پاس لانے سے انقلاب کی اصلی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

(11) ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (چھوڑ دے مجھے اور اسے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا)

تحریک قرآن کا ایک مخالف ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے ورثے میں اس کا کوئی شریک نہیں' لیاقت میں بھی وہ منفرد ہے' وہ اپنے گھرانے میں امیرانہ ٹھاٹھ سے پرورش پاتا ہے (وہ جس قسم کی ذہنیت پیدا کرلے گا وہ آگے بیان کی جائے گی) تم اس کی فی الحال پرواہ نہ کرو اسے میرے حوالے کر دو۔

(12) وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (اور میں نے اسے پھیلا کر مال دیا)

وہ جوان ہوتا ہے تو تجارت' زراعت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کا مالک ہوتا ہے وہ مادی ترقی میں لیاقت سے کام کرتا ہے تو اسے خوب مال و دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

(13) وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (اور بیٹے جو (آنکھوں کے سامنے) موجود رہتے ہیں)

اس کی اولاد کے اس سامنے رہتی ہے کیونکہ اس کے کچھ کمیرے کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور کچھ کارخانوں میں لہو پسینہ ایک کر رہے ہیں۔ یہ چوپال یا کلب روم (Club-room) میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ادھر ادھر کی گپوں میں وقت گزارتا ہے۔

(14) وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (اس کے لئے بڑی فراخی پیدا کر دی)

وہ اپنے سرمائے کی ترقی سے مطمئن ہے اگر کسی موقعے پر فصل میں غلہ کم ہوتا ہے تو

کارخانے سے خوب نفع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک مد کی کمی دوسری مد سے پوری ہو جاتی ہے اور اس کا نفع بڑھتا رہتا ہے۔

ایک شخص ہے جو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور ان کا تنہا وارث ہے مال و منال سے سرفراز ہے۔ صاحب اولاد کثیر ہے بہت سی مدات سے آمدنی کا مالک ہے ایسے شخص کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہو جانا تعجب انگیز نہیں اور ایسا ہی شخص اپنے قبیلے کا سردار یا برادری کا چودھری بھی بن جایا کرتا ہے۔

(15) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيْدَ (پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں)

باوجود اتنی دولت ثروت کے وہ ننانویں کے پھیر میں ہے۔ اس کی زردوستی کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر وقت متمنی رہتا ہے کہ اس کے سرمائے میں اضافہ ہوتا رہے اور اس کے مناصب میں ترقی ہوتی رہے۔ یہ اس کی سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا صحیح نقشہ ہے۔ وہ صرف اپنے سرمائے اور منصب میں ترقی کا خواہشمند رہتا ہے۔ مزدوروں اور کمیوں کی فلاح کا نام تک نہیں لیتا اور غریب طبقے کو ترقی دینے والی تعلیم کی مخالفت شروع کر دیتا ہے۔

(16) كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ((ہرگز نہیں' وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے)

لیکن ایسے مخالف سرمایہ پرست کو ہرگز بڑھنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ انقلابی پروگرام (Revolutionary Programme) کا مخالف ہے۔ بلکہ اپنی ارتجاعی جماعت (Reactioanry Party) کا رہنما بن کر اس بین الاقوامی انقلاب کی تحریک کی مخالفت میں زور لگائے گا لیکن کیا وہ اس انقلاب کے مقابلے میں آکر کامیاب ہوگا؟ ہرگز نہیں (کلاّ) کیونکہ یہ تو اپنے اور اپنی اولاد کے سوا کسی کو لیڈر دیکھ ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ انسانیت کا بھلا اس میں ہے کہ جو بہتر ہو وہ انقلاب کا لیڈر بنے۔ یہ دنیا میں انقلاب کس طرح لائے گا یہ تو اپنے ہی مال و متاع کے بڑھانے کی فکر میں ہے یہ انسانیت کی بہتری کے لئے کچھ صرف کرنا جانتا ہی نہیں۔ یہ تو بین الاقوامی انقلاب (World Revolution) سے منہ موڑے ہوئے ہے جس کے نشانات صاف نظر آ رہے ہیں۔ (إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا)

(17) سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا (اسے چڑھاؤں گا سخت چڑھائی)

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا انجام : ایسا شخص انقلاب صالح کے رہنما (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کے مقابلے میں کیسے بڑھ سکتا ہے؟ اس کی ہر ایک ترقی' ترقی معکوس ہوگی یہ اپنی ارتجاعی پارٹی (Reactionary Party) کے بل بوتے پر نوع انسانی کے سب سے بڑے بین الاقوامی لیڈر کو گرا کر ابھرنا چاہتا ہے۔ تو یہ ارتجاعی (Reactionary) اپنے خیال میں اونچا بھی جا رہا ہوگا تو حقیقت میں گر رہا ہوگا۔ جتنا زیادہ اونچا جائے گا اتنی وہ زیادہ شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور مرنے کے بعد جہنم میں اسے اس الٹی چڑھائی کی مشق کرنی ہوگی۔ وہ جہنم میں ایک پہاڑی پر چڑھے گا لیکن اس کے پاؤں ترقی کی طرف نہیں جائیں گے بلکہ اوپر چڑھ کر پھر گرتا جائے گا۔ مگر اپنے ذہن میں خیال کرے گا کہ میں چڑھ رہا ہوں۔ وہ جہنم میں اس خیالی غلطی میں مبتلا رہے گا اور چڑھنے اور گرنے کی مصیبت میں پھنسا رہے گا۔

(18) اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (اس نے سوچا اور دل میں اندازہ لگایا)

مخالفانہ جانچ پڑتال : یہ مخالف انقلاب حضرت نبی اکرم ﷺ کی تحریک کے متعلق سوچتا ہے اور دل میں اندازہ لگاتا ہے کہ یہ تحریک کن کن منازل میں سے گزرے گی اور کہاں تک ترقی کر سکے گی۔

(19) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (کمبخت نے کیا اندازہ لگایا)

اس ارتجاعی نے اس انقلابی تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا وہ سمجھتا ہے کہ یہ چند قبائل عرب میں ایک وقتی ہیجان پیدا کر کے ختم ہو جائے گی۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ یہ محض قبائلی یا قومی تحریک نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی تحریک ہے۔

(20) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (خدا غارت کرے! کیا سوچا اس نے)

اس نے اس تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا اور اپنی اس غلطی کی وجہ سے اس دنیاوی زندگی میں اور پھر اس کے جزو ثانی ——— اخروی زندگی میں ——— ناکام ہوگا (مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورۂ بنی اسرائیل 72) (جو دنیا میں کور باطن رہا۔ وہ دوسری زندگی میں بھی کور چشم ہی اٹھے گا) اور ناکامی اور نامرادی سے دوچار ہوگا۔ اس کی ارتجاعی تحریک (Reactionary Movement) ناکام رہے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(21) ثُمَّ نَظَرَ (اس نے پھر نگاہ ڈالی)

رسول اکرم ﷺ کی انقلابی تحریک کا اندازہ لگانے کے بعد وہ پھر غور سے دیکھتا ہے کہ آیا اس تحریک کا کوئی پہلو میری نظر سے مخفی تو نہیں رہ گیا؟

(22) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (پھر اس نے تیوری چڑھائی اور ترش رو ہوا)

وہ اس انقلابی تحریک کے سازوسامان (ظاہری ضعف اور کمی سرمایہ) کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے تیوری چڑھاتا ہے (عَبَسَ) اور جس طرح ابتدا میں ہر انقلابی تحریک پر لوگ ترشروئی کا اظہار کرتے ہیں یہ بھی اس تحریک پر ترشروئی کا اظہار کرتا ہے۔(بَسَرَ)

(23) ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا)

پھر اس تحریک کو کمزور سمجھ کر منہ موڑ لیتا ہے اور اپنے ارتجاعی پروگرام (Reactionary Programme) کی کامیابی کے خیال سے پھولا نہیں سماتا(استکبر)

(24) فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے)

مخالفانہ پراپیگنڈہ : اب وہ اس انقلابی تحریک کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیتا ہے اور جو لوگ اس تحریک کے پروگرام کو قبول کر کے اس نئی پارٹی میں شامل ہو رہے ہیں ان کے متعلق کہتا پھرتا ہے کہ یہ لوگ سحر زدہ ہیں یہ تحریک چونکہ عوام کو اٹھانا چاہتی ہے اس لئے عوام ہی اس میں زیادہ تر شامل ہوتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاکت زدہ لوگ ایک خوش آئند مستقبل کے تصور کے سحر میں مبتلا ہیں۔ جو کبھی شرمندہ تصدیق نہ ہوگا۔

(25) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (اور کچھ نہیں یہ ایک انسان کی بنائی ہوئی بات ہے)

وہ اس انقلابی پروگرام کے خلاف یہ بھی کہتا پھرتا ہے کہ یہ پروگرام الہامی تھوڑا ہی ہے جو انسانیت کے لئے مستقلاً مفید ہو۔ اس کے پیچھے خدائی لدلو بھی نہیں ہے کہ یہ ضرور کامیاب ہو۔ بلکہ یہ تو اس انسان (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کا خود ساختہ پروگرام ہے جو اس شخص اور اس کے خاندان ہی کے کام آئے گا۔ یعنی یہ شخص اپنے یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کے حق میں انقلاب پیدا کر کے بیٹھ جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ عوام کو اس

تحریک سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اسے انسانیت عامہ کی تحریک سمجھ کر اس کے ساتھ اپنے مفادات وابستہ نہ کر بیٹھیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اس انسان کا چلایا ہوا پروگرام ہے اس قسم کا ہم بھی بنا سکتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دعوت تمام اقوام میں پھیل جائے گی اور ان سب پر غالب آجائے گی اور یہی اس دعوت کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہے لیکن مخالفین اس تحریک کو ایک عام وقتی تحریک کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عام بات ہے ایسی تحریکیں اٹھا ہی کرتی ہیں ہم بھی اس قسم کا پروگرام بنا سکتے ہیں یہ مخالف جب اس دنیا سے کوچ کرے گا تو سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(26) سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ (عنقریب اسے آگ میں ڈالوں گا)

ارتجاع کا انجام : اس ارتجاعی (Reactionary) کے لئے اس ظلم اور بداخلاقی کی آگ سے بچنا محال ہے جو وہ اپنے لئے پیدا کر رہا ہے۔ وہ اس میں ڈالا جائے گا۔ ایسے ہی انقلاب لانے والی پارٹی اسے دنیا میں سزا دے گی۔ وہ زندہ رہا تو ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا۔

(27) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (اور تو کیا سمجھے کہ آگ کیسی ہے)

انسان ابھی اس جہنم کی حقیقت سے واقف نہیں۔

(28) لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ (وہ نہ باقی رکھے۔ نہ چھوڑے)

یہ آگ نہ تو میدان مقابلہ ہی میں رجعت پسندوں (Reactionaries) کو رہنے دے گی اور نہ آئندہ زندگی میں ان کا پیچھا چھوڑے گی۔

(29) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (جھلس دینے والی آدمی کو)

جہنم کی حقیقت : یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا عجیب مقام ہے اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے اس میں جس آگ سے واسطہ ہوگا وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے جس طرح بدن انسانی کے اندر صفراء، سودا، بلغم اور خون چار خلطیں ہیں اور انکی خرابی (سڑاند) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان کا جسم جھلسا جاتا ہے ایسے ہی انسان کے نسمی جسم (Nismic Body)

میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں وہ مختلف قسم کے "زہریلے مادے" جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں جب یہ انسان جہنم میں جائے گا وہاں وہ خاص خاص قسم کے "آگ" کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا تو جس قسم کا زہر جس قسم کی "آگ" سے متاثر ہو سکتا ہے اس قسم کی "آگ" سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا اور اس کی سوزش وروئی کا اثر نسمہ انسانی پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ سورۃ الھمزۃ میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں ارشاد کیا گیا ہے نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ ○ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَةٌ ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○

یہ خوفناک حالت ہوگی جس سے بچنے کے لئے انسان سب کچھ کرنے کو تیار ہوگا لیکن وہاں کچھ نہ بن سکے گا اور اسے اپنے کئے کی پوری پوری سزا بھگتنی پڑے گی اور جس طرح بدن انسانی کے اندر سے سارا زہر خارج ہوئے بغیر صحت حاصل نہیں ہو سکتی ایسے ہی نسمہ انسانی میں سے زہریلے اخلاق کا اثرات خارج ہوئے بغیر صحت روحانی حاصل نہ ہو سکے گی۔

پس انسانیت کے مصالح کلیہ (Human Weal) اور رفاہ عامہ (Public Weal) کے مخالفین کے لئے قوانین انسانیت کی خلاف ورزی کرنا معمولی بات نہیں۔ جو لوگ فطرت انسانی کی خلاف ورزی کریں گے ان کو یہ آگ جلاتی رہے گی۔

(30) عَلَیْھَا تِسْعَةَ عَشَرَ (اس پر انیس ہیں)

ایک نفسیاتی نکتہ : انسان کی روح میں انیس مرکز ہیں[ا] جن کے ذریعے سے وہ اپنی تکمیل کرتی ہے جو لوگ روحانی سلوک کے عامل ہیں وہ انہیں خوب جانتے ہیں ان انیس مراکز کے مطابق جہنم میں بھی اصلاح کے انیس مراکز ہیں اور ہر ایک مرکز کا ایک جداگانہ "محکمہ" سمجھنا چاہئے۔ ہر روحانی "مرکز" کی خرابی کی جداگانہ سزا ہوگی۔

ا۔ انیس مراکز یہ ہیں (1-5) حواس خمسہ ظاہری (6-10) حواس خمسہ باطنی یعنی حس مشترک، واہمہ، متخیلہ، حافظہ اور قوت متحرکہ (11) قلب (12) قوت مدرکہ (13) سر یعنی قلب اور عقل کے باطن (14) روح (15) خفی یعنی باطن السر (16) اخفی یعنی باطن الخفی (17) انانیہ کبریٰ (18) نورالقدس (19) البحر البحت یعنی انانیت کبریٰ اور نورالقدس کا باطن جو تجلی الٰہی کا نمونہ ہے ان کی تفصیل کے لئے حجۃ الاسلام امام ولی اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(3) (الف) وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (اور ہم نے دوزخ کے جو داروغے رکھے ہیں وہ فرشتے ہیں)

اس "آگ" کے جو انہیں مہتمم ہیں وہ انسان نہیں فرشتے ہیں جن کی قوت کا یہ مخالفین انقلاب اندازہ نہیں لگا رہے۔ چنانچہ پہلی ہی آگ جو بدر کے مقام پر بھڑکی اس میں انسانوں کے دوش بدوش فرشتوں کی مثالی قوتوں نے بھی مخالفین انقلاب کو فنا کر کے رکھ دیا۔

(ب) وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ان کی جو گنتی رکھی ہے تو وہ ان منکروں کے جانچنے کے لئے ہے)

اس تعداد کا ذکر منکرین کے فہم کے امتحان کے لئے ہے کہ آیا وہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور تحریک انقلاب کو قبول کرتے ہیں یا مذاق اڑا کر عذاب کے مستحق بنتے ہیں۔

(ج) لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (تاکہ وہ لوگ جن کو کتاب مل چکی ہے یقین حاصل کریں)

لیکن یہ تورات اور انجیل کو ماننے والی جماعت اور ایسے ہی ہر وہ جماعت جس میں الہامی علوم پائے جاتے ہیں جن میں مثالی قوتوں کا ذکر آتا ہے ایسے ہی جو لوگ اس انقلابی تحریک کو دل سے مان چکے ہیں ان کی عقل و دانش اس کی تائید کرتی ہے وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے چنانچہ ہندو فلاسفی اور ایرانی حکمت میں بھی ان قوتوں کی طرف اشارے موجود ہیں۔

(د) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا (اور جو لوگ اب (نئی شریعت پر) ایمان لا چکے ہیں وہ اپنے یقین میں بڑھیں)

اور یہ حکیمانہ اشارے قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام پر ایمان کی زیادتی کا باعث ہوں گے اور ان کو اپنے پروگرام کی کامیابی کا اور بھی پختہ یقین ہو جائے گا۔

(ہ) وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (اور وہ لوگ جن کو کتاب دی جا چکی ہے اور وہ لوگ جو اب (اس شریعت پر) ایمان لا چکے ہیں وہ کسی شک میں نہ پڑیں)

پہلی کتابی جماعت کے صحیح علوم رکھنے والوں اور نئی انقلابی جماعت کے ارکان کے دلوں میں اس انقلاب اور دنیوی اور اخروی نتائج کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اہل کتاب ایک انقلابی لیڈر ــــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام ــــــ کی رہنمائی ــــــ کے نتائج دیکھ چکے ہیں اور اہل عرب ــــــ ای گروہ ــــــ جو اس رسول انقلاب کے پیرو بن رہے ہیں۔ وہ بھی اس پروگرام کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے۔

(و) وَلِيَقُولَ (الایہ) (اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ منکر ہیں وہ کہیں گے کہ اس تمثیل کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا منشاء ہے؟)

اس کے برخلاف ایک تو وہ لوگ جن کو اس انقلابی پروگرام کی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہے اور ان کے دلوں میں اس کی رفتہ رفتہ بڑھتی ہوئی کامیابی کو دیکھ کر حسد کی بیماری پیدا ہو گئی ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس پروگرام کے کھلم کھلا مخالف ہیں کیونکہ یہ پروگرام ان کے خاص مفادات (Vested Interests) کا مخالف ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ اس انقلابی پروگرام میں کمزوری ثابت کرنے کے لئے اعتراض کرتے ہیں کہ اس انیس کے عدد کی تمثیلی بیان سے کیا غرض ہے؟ حالانکہ انہیں کم سے کم اتنی موٹی سی بات تو معلوم ہونی چاہئے کہ ہمارے اخلاق اور اعمال کی خرابیوں کے مطابق جہنم میں ان کے علاج کا انتظام ہونا چاہئے اور جب حکیم علی الاطلاق انہیں بتاتا ہے کہ انیس قسم کے محکمہ ہائے علاج جہنم میں موجود ہیں تو انہیں یقین آجانا چاہئے کہ یہ درست ہے لیکن یہ مخالفین چونکہ انقلابی ذہنیت نہیں رکھتے۔ اس لئے سوسائٹی کی اصلاح کا فکر ان کے ذہنوں میں آتا ہی نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سوسائٹی کی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتے اور جو لوگ اس میں انقلاب برپا کرنے کے لئے جان و مال کی قربانی کرنے کے لئے آمادہ ہیں ان کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں۔

(ح) كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ (یوں اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے)

یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یعنی انسانیت کی ترقی کی تدابیر سوچنے کے بجائے ادھر ادھر کی باتوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان کی کج فہمی کا ان کی اس شامت اعمال کے

باعث خداوند تعالیٰ اب ان کو کسی نئی حکمت سے سرفراز نہیں کرے گا۔

قرآن کی انقلابی تعلیم سب کے لئے کھلی ہے ہر شخص اسے قبول کر کے اصلاح حال کر سکتا ہے لیکن جو اس انقلاب میں حصہ نہ لینا چاہے اور انیس بیس کی کج بحثوں میں پڑ جائے تو خدا کی مشیت اسے مزید روشنی دینا نہیں چاہتی جو روشنی دی گئی ہے اسے استعمال کر کے جو شخص راہ راست پر چل نکلتا ہے مشیت ایزدی اس کے لئے مزید رہنمائی کا سامان بہم پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ وہ ایک گمراہی سے دوسری گمراہی کی طرف نکلتا چلا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ منزل مقصود سے بہت دور جا پڑتا ہے۔

(ط) وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (اور جسے چاہتا ہے راہ دیتا ہے)

جو لوگ اس انقلابی پروگرام کو قبول کرلیں گے مشیت الٰہی ان کی مزید دستگیری کرے گی۔ چنانچہ ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ

اَلَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ ہماری طرف آنے کے لئے سرگرم سعی ہو جائیں گے ہم ان کو اس راہ پر چلنے کے لئے کئی راستے کھول دیں گے)

یعنی جب کوئی انسان خدا کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے تو مشیت الٰہی اس کی دستگیری کرتی رہتی ہے اور جہاں اس کے راستے میں کوئی پتھر آجاتا ہے اس کے ہٹانے یا اس کے ادھر ادھر سے ہو کر گزر جانے کی راہ بتا دیتی ہے۔ وہ علم اور عمل کی روشنی میں برابر چلتا رہتا ہے اور ہر مشکل سے بچ نکلنے کے راستے نکالتا رہتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا باعث بنتی رہتی ہے۔

(ی) وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

یہ لوگ خواہ مخواہ انیس کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انیس تو مدبران اعلیٰ ہیں ان کے علاوہ پروردگار عالم کے لشکروں کی تعداد اس قدر ہے کہ اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ فرشتوں کی کل تعداد غیر متناہی ہے اور یہ سب طاقتیں اس پیغمبر انقلاب کی تائید میں ہیں۔

(ل) وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (اور یہ (جہنم) تو انسانوں کے لئے

یاددہانی ہے)

انسان اپنی زندگی کو زمانے سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ اگر وہ زندگی چاہتا ہے تو زمانے کا پابند ہو کر رہنا پڑے گا۔ زمانے کے ساتھ وابستگی اس پر کون سے فرائض عائد کرتی ہے؟ نبی کی تعلیم یاد دلاتی ہے کہ انسان پر زمانے کی روح کے مطابق انقلاب میں حصہ لینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کتب الہیہ اسے یاد دلاتی ہیں کہ دیکھو اپنی فطرت کو مت بھولو۔ فرد کا ذرا سا تغافل اسے موت میں مبتلا کر دیتا ہے

آج زمانہ ہم سے ایک نئی قسم کے اجتماع کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ کہ ہر فرد سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں حصہ لے۔ ہم پرانے زمانے کو لئے بیٹھے ہیں۔ جب ایک آدمی سینکڑوں افراد پر حکومت کرتا تھا اب زمانہ چاہتا ہے کہ افراد خود فیصلہ کر کے آگے بڑھیں اور مل کر کام کریں۔ جو لوگ زمانے کی اس دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے وہ برباد ہو جائیں گے قرآن حکیم کی دعوت پہلے ان ہی سے اس قسم کی یاددہانی کراتی ہے چنانچہ وہ ہر مسلمان کے لئے قرآن کا سمجھ کر پڑھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ الغرض قرآن ہر ایک مسلمان کی بے سمجھ زندگی کو غلط قرار دیتا ہے اور یہی تقاضا آج کے زمانے کا ہے۔

آگے بڑھنے کی دعوت

(32) كَلَّا (ہرگز نہیں)

ارتجاع غالب نہیں آسکتا : یہ سرمایہ پرست جو تحریک قرآنی کی مخالفت کرتا ہے (اَدْبَرَ) خیال کرتا ہے کہ اس کا مسلک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر غالب آجائے گا وہ اس پر اینٹھ رہا ہے۔ (اِسْتَكْبَرَ) یہ اس نے غلط سمجھا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہوگا۔ (كَلَّا)

وَالْقَمَرِ (قسم ہے چاند کی)

انقلاب کی پہلی منزل عرب پر قبضہ : قرآنی انقلاب کی تدریجی ترقی کو قمر کی روشنی کے بڑھنے پر قیاس کرنا چاہئے۔ یہ پروگرام مختلف منازل میں سے گزر کر پہلے تو سرزمین عرب میں ہلال سے بدر بن کر چمکے گا اور عرب قوم کو بین الاقوامی انقلاب کی سنٹرل کمیٹی (Central Committee) بنادے گا۔

(43) وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ (اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرلے)

پھر یہ چاند رات گزر جائے گی یعنی قومی انقلاب پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

(34) وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے)

بین الاقوامی منزل : اور اس کے بعد اس عرب پارٹی کی کوششوں سے بین الاقوامی انقلاب کی صبح نمودار ہوگی۔

(35) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (یہ واقعہ تاریخ انسانی کے عظیم الشان واقعات میں سے ہے)

رفتہ رفتہ آفتاب عالمتاب کی خواب رہا اور بیدار کن روشنی کی طرح یہ عالمگیر انقلاب بھی ساری انسانیت کو بیدار کردے گا اور ہر کہ ومہ اس سے فیضیاب ہوگا۔ یہ انسانیت گیر انقلاب (World Revolution) کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ انسانی کے عظیم الشان انقلابوں میں سے کامیاب ترین انقلاب ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انقلاب کا آغاز پہلے عرب میں ہوا قریش کی کامیابی سے عرب اس

انقلاب میں شامل ہو گئے اور عرب مل کر بین الاقوامی انقلاب کی ایک منزل کے قافلہ سالار بنے۔

(36) نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (یہ نوع انسان کو ڈرانے والا ہے)

مخالفین کو جنگ میں سزا ملے گی : یہ بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام کسی خاص خطہ زمین یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں ہے کہ وہ ملک یا خطہ اس کے ذریعے سے اپنا تفوق (Imperialism) قائم کر کے دوسرے ممالک یا اقوام سے انتفاع (Exploitation) شروع کر دے۔ بلکہ یہ انقلابی تعلیم ساری نوع انسان کے لئے ہے اور جو انقلاب اس کے مطابق پیدا کیا جائے اس میں تمام انسانوں کے مفادات جو اسے تسلیم کر لیں محفوظ رہنے چاہئیں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیا جائے لہٰذا ہر زمانے اور ہر ملک کے خود پرست جابر و ظالم حکمرانوں کو اس انقلابی تعلیم سے ڈرنا چاہئے۔ اور اپنے آپ کو اس کے ماتحت کر لینا چاہئے۔ تاکہ وہ انقلاب کے دنیاوی خطرناک نتائج اور اخروی عذاب سے بچ جائیں۔

اس آیت میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت لطیف اشارہ بشکل انذار موجود ہے جو اس تعلیم کے انقلابی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اعلان : چنانچہ جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان والوں کو اس آنے والے انقلاب کے نتائج سے ڈرائیں تو آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔

فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهُ فَقَالُوْا مَنْ هٰذَا؟ فَاجْتَمَعُوْا اِلَيْهِ فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ قَالُوْا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْبًا فَقَالَ اِنِّيْ نَذِيْرٌ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ

آپ نے بلند آواز سے فرمایا یاصباحاہ (فریاد! فریاد!) لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا یہ کون ہے؟ خیر پھر سب لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔ سنتے ہو۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر نکلے گا تو کیا تم میری بات سچ مان لو گے؟ سب نے کہا ہم نے آج تک تجھے جھوٹ بولتے نہ سنا نہ دیکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "تو میں تمہیں آنے والے خوفناک عذاب سے ڈراتا ہوں"۔

جن لوگوں نے "آنے والے خوفناک عذاب" سے بچنا چاہا وہ آپ کی جماعت میں شامل ہو گئے اور جو اس میں شامل نہ ہوئے وہ اس عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے اور دوسری زندگی میں اس عذاب کے زیادہ شدید تسلسل میں جا پھنسے۔

(37) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (اب یہ تم سے ہر ایک کے لئے ہے کہ وہ آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے)

انقلاب میں آگے بڑھو : اب یہ فیصلہ خود تمہیں کرنا ہے کہ تم اس انقلاب کی صف اول (Vanguard) میں جگہ لینا چاہتے ہو یا پیچھے رہنے والوں میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ یہ فیصلہ انسان کو خود اپنی رائے سے کرنا چاہئے جو شخص اپنی رائے سے انقلابی نہیں بنتا وہ انقلابی نہیں کہلا سکتا۔ انقلاب سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ اس انقلاب کی صف اول میں جگہ لیں گے ان کو تکالیف پیش آئیں گی لیکن آخرکار وہ کامیاب ہو جائیں گے لیکن جو اس تحریک میں حصہ لینے میں پیچھے رہ جائیں گے وہ شکست کھا کر خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ کے مصداق ٹھہریں گے۔ (یعنی دنیاوی زندگی میں سخت ذلت (غلامی) کا عذاب اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اس سے بھی زیادہ شدت کا احساس عذاب) چنانچہ جن لوگوں نے تقدم اختیار کیا ان میں سے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ اور حضرت حمزہؓ اور صہیب رومیؓ ہیں۔ ان کی کامیابی روز روشن کی طرح عیاں ہے اور جو پیچھے رہے ان میں سے ابوجہل اور ابولہب اور ابولہب کی بیوی وغیرہ ہیں جو دنیا سے ناکام گئے۔ اور مرنے کے بعد ان کی یہ ناکامی اور ان کے دیگر مظالم ان کے ساتھ گئے جنہوں نے ان کے لئے مکمل عذاب جہنم پیدا کر دیا ہے اب آگے بڑھنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کا تذکرہ نمبر 48 تک چلا گیا ہے سب سے پہلے نمبر 38 میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔

(38) كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (ہر ایک جاندار اپنے کئے میں پھنسا ہے)

پیچھے رہنے والے برباد کر دیئے جائیں گے : انسان کی ساخت ایسی ہے کہ جو کام کرتا ہے اس کی پوری جوابدہی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا پس جو شخص پیچھے رہے گا اسے اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اس کی یہ رجعت پسندی (Reaction) اور انقلاب دشمنی اس کے نفس پر ایسی چھا جائے گی کہ وہ اپنی اس ذہنیت کے نتائج سے کبھی چھٹکارا نہ پا سکے گا۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا فرمائی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ ان کو ان کی فطرت کے مطابق کام میں لا کر چلا دی جائے جو شخص ان قوتوں کو چلا نہیں دیتا بلکہ غلط کاریوں کے نیچے دبا کر صالح ترقی سے روکتا ہے اسے اس کا نقصان پورا کرنا ہوگا اور عذاب برداشت کرنا ہوگا اس کے یہ ارتجاعی اعمال بے نتیجہ نہ رہیں گے۔

انسان کے اعمال کس طرح محفوظ رہتے ہیں

امام ولی اللہ کا نظریہ : حجۃ اللہ علی الارض امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلوی (انار اللہ برھانہ) فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَعْمَالَ الَّتِیْ یَقْصُدُھَا الْاِنْسَانُ قَصْدًا مُّؤَکَّدًا وَالْاَخْلَاقَ الَّتِیْ ھِیَ رَاسِخَۃٌ فِیْہِ تَنْبَعِثُ مِنْ اَصْلِ النَّفْسِ النَّاطِقَۃِ ثُمَّ تَعُوْدُ اِلَیْھَا ثُمَّ تَتَشَبَّثُ بِذَیْلِھَا وَتُحْصِیْ عَلَیْھَا (حجۃ اللہ البالغہ ص 28)

(یعنی واضح رہے کہ جس قدر کام انسان اپنے پختہ ارادہ سے کرتا ہے اور جس قدر اخلاق انسان میں پختہ ہو جاتے ہیں ان کا بیج پہلے تو انسانی روح ہی میں سے نکلتا ہے اور پھر پھیلنے کے بعد انسانی روح ہی کی طرف واپس آجاتا ہے (چونکہ نکلنے کے وقت وہ بیج چھوٹا ہوتا ہے اور واپس ہونے تک وہ پھیل چکا ہوتا ہے اس لئے وہ واپسی میں) روح کے دامن سے ملحق ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے"۔

گویا ہر شخص کے اعمال اسکے نسمہ میں محفوظ رہتے ہیں اور مرنے کے بعد جب مادی بدن اتر جائے گا تو یہ اعمال نہایت واضح شکل میں اسے محسوس ہونے لگ جائیں گے پس

ہر شخص کو اس انقلاب کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے قویٰ کو فطری ترقی دے سکے اور ایسی سوسائٹی پیدا کر سکے جس میں رہ کر وہ اچھے اعمال اپنے نسمے کے اندر جمع کر سکے۔ اب ان لوگوں کا ذکر آتا ہے جنہوں نے آگے بڑھ کر کام کیا۔

اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنَ (سوائے ان کے جو دائیں طرف والے ہیں)

انقلاب کے پیشرو : جو لوگ دنیا میں قرآن حکیم کا انقلاب برپا کرنے میں سبقت کرتے ہیں وہ سابقین (Pioneers) تو کامیاب ہوتے ہی ہیں ان کے علاوہ ان کے دست راست بننے والے بھی پھنسے نہیں رہتے وہ بھی کامیاب و کامران ہوتے ہیں اور سند کامیابی اپنے دائیں ہاتھ میں پاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کا حق ادا کیا یعنی اللہ نے جو قوتیں عطا کی تھیں ان کو حق کی راہ میں پوری طرح استعمال کیا۔

ان کے مقابلے میں ایک جماعت اصحاب شمال کی ہے جو ناکام رہتی ہے۔ السابقین اور اصحاب الیمین کی کامیابی کا راز معلوم کرنا ہو تو ان ناکام رہنے والوں کی کامیابی کے اسباب خود ان کی زبانی سن لیں تاکہ کامیاب انقلابی پروگرام کی مدات۔۔۔۔ واضح ہو جائیں۔

جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کا تذکرہ آگے نمبر48 تک آتا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کی تفصیل

(40) فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ (وہ باغات میں ہیں پوچھتے ہیں)

(41) عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ (مجرموں سے)

ارتجاع کا نفسیاتی تجزیہ : اصحاب یمین، جنت میں پہنچ جاتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات پا لیتے ہیں اس کے بعد وہ غور کرتے ہیں کہ اب جو لوگ عذاب میں مبتلا ہیں وہ کیوں عذاب میں مبتلا ہیں چنانچہ وہ جہنمیوں سے ان کی ناکامی کے اسباب دریافت کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ:

(42) مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ؟ (تم کو اس دوزخ میں کس چیز نے لا ڈالا؟)

تم اس ناکامی کے عذاب میں کس وجہ سے مبتلا ہوئے؟ کچھ سمجھے بھی؟ اس عذاب کو دیکھ کر جس کی خبر تمہیں پہلے دی گئی تھی اب تو سمجھ آئی ہو گی؟

فائدہ : جس مجرم کو اس کی سزا ملنے کے وقت یہ علم نہ ہو کہ اسے کس جرم میں سزا مل رہی ہے اسے اس سزا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جہنم میں پہنچ کر مجرم خود ہی جان لیں گے کہ انہیں کس کس جرم کی سزا مل رہی ہے سزا اور جرم میں خاص مناسبت ہو گی۔ چنانچہ مجرم اپنے جرائم آپ بتاتے ہیں کہ :(43) قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (وہ کہنے لگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے)

(1) **تعلق باللہ کی ضرورت :** وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی سعادت انسانی کے اس پروگرام پر عمل نہ کرتے تھے جو اتحاد فکر، اجتماعیت اور مساوات وغیرہ بیسیوں بھلائیاں سکھاتا ہے اور جس کا انتہائی معراج تعلق باللہ ہے۔

یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خدا شناسی کی جو قوت مضمر ہے اسے نماز ترقی دیتی ہے تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینے میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے انسان کبیر —— امام نوع انسانی —— کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ انسان انسانیت کے تقاضوں کو خدا کا حکم سمجھنے لگ جاتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے پس وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لئے تیار رہتا ہے۔ اور اسے خدا کی عبادت کا جزو جانتا ہے۔

اس کی مزید کیفیت سورۂ ماعون میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں فرمایا : فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۝ (یعنی جو لوگ اپنے یتیموں اور بے کس مسکین ہمسایوں کو (جن کا ذکر ماعون کی ابتدائی آیتوں میں آیا ہے) برتنے کی چیز بھی نہیں دیتے ـــــ مفت نہیں کہ یہ تو بہت دور کی بات ہے بلکہ ادھار ـــــ وہ اپنی صلوٰۃ (تعلق باللہ) کے مقصد سے غافل ہیں اس لئے اب جو وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ محض دکھاوے کی نماز ہے)

(44) وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے[ا])

(2) مساکین کی تنظیم کی ضرورت : جب ہم اپنے نفس کی ضرورت ـــــ تعلق باللہ ـــــ کو بھلا بیٹھے تو پھر دوسروں کی ضرورت کا بھی احساس ہم میں مردہ ہو گیا نماز کے ذریعے سے اپنے خالق کے ساتھ تعلق نہ جوڑا۔ خدمت خلق کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ کیا۔ دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرنے کی کوشش نہ کی اور عام لوگوں کی مادی اور عقلی ضرورتیں پوری کرنے کا جتنا سامان ہم کر سکتے تھے وہ نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

مسکینوں کو کھانا کھلانا کے معنی یہ نہیں کہ بھک منگے پیدا کئے جائیں بلکہ یہ کہ بیکار لوگوں کو تعلیم اور کام کے ذرائع بہم پہنچا کر سوسائٹی کے مفید رکن بنایا جائے۔

(45) وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ (اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحثیں کیا کرتے تھے)

[ا] ان دونوں آیتوں کے مضمون ـــــ نماز اور اطعام مسکین ـــــ کو قرآن حکیم میں أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے جملے کے ذریعے سے سینکڑوں مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

بیکار مباحث : ہم انسانیت کی خدمت کرنے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور دورازکار بحثوں میں پڑ گئے اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ بیکاروں (unemployed The) کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے اور جو لوگ خدا سے تعلق جوڑنا بھول گئے ہیں ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور انہیں علم دیتے۔

(46) وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (اور ہم جزاء اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے)

(3) **اعمال کی ذمہ داری سے انکار** : یہ سب کچھ اس لئے کر گزرتے تھے کہ ہم اس کمزور محتاج اور مظلوم کی اپیل کے نتائج اور آخری فیصلے کے دن کا یقین نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہ سمجھتے تھے اگر کوئی ہم سے اس ذمہ داری اور جوابدہی کا ذکر کرتا اور یاد دلاتا تو ہم اسے جھٹلاتے تھے۔

(47) حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (یہاں تک کہ آگئی یقینی بات)

ہم سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے پنجے میں ہیں ان سے جس طرح چاہیں کام لیں اور ہماری اس حالت میں کبھی انقلاب نہ آئے گا لیکن انقلاب تو یقینی تھا مگر ہم اسے یقینی نہ جانتے تھے آخر موت و ہلاکت کے انقلاب نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔

(48) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ : (ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دیتی)

چونکہ فطرت مسخ ہو چکی ہے اور انسانیت کے اصلی جوہر خراب ہو چکے ہیں اس لئے جب تک وہ تمام زہر جو نسمہ میں گھس گیا ہے خارج نہ کیا جائے ترقی محال ہے اس سلسلے میں کسی کی سفارش بھی کام نہیں دیتی۔

دوبارہ انذار : اب پھر انقلاب کے مخالفوں کو غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سوچیں اور سمجھیں اور اس انقلاب کو قبول کریں۔

(49) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ؟ (پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس یاددہانی (قرآن حکیم) سے روگردانی کر رہے ہیں)

پہلی آیت میں جو آیا تھا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ اس کے مطابق یہ انذار (ڈرانا) ہے اور

انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن حکیم کا انقلاب ٹل جائے گا یہ ہو کر رہے گا اور مخالفین کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی ان کو چاہئے کہ اسے فوراً قبول کر لیں اور اس سے اعراض کر کے نقصان نہ اٹھائیں۔

(50) كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (گویا گدھے ہیں بدکنے والے)

انقلاب کی تمثیل : یہ ارتجاعی لوگ (Reactionaries) آگے بڑھنا شیر کے منہ میں جانے کے برابر سمجھتے ہیں۔

(51) فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (بھاگتے ہیں شیر سے)

یہ اس آنے والے انقلاب کے تصور سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے گدھا شیر سے دہشت کھاتا ہے انہیں سوچنا چاہئے کہ آخر اس انقلاب سے عوام کو فائدہ پہنچ رہا ہے تو کیا یہ رک سکتا ہے؟ پھر مساکین اور یتامیٰ کی حالت کی اصلاح کرنا انسانیت کا لازمی جزو ہے۔ یہ اس سے کیوں بھاگتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انقلابی تعلیم انسان میں شیری پیدا کر دیتی ہے وہ ہر چیز کھاتا ہے اور اپنے فیصلے سے آگے بڑھتا ہے۔

نہ خورد شیر نیم خوردہ سگ ؎ ور ز سختی بمیرد اندر غار

قرآن حکیم ان کو خود سوچنے کی دعوت دیتا ہے اس سے اعراض کرنا گدھا پن ہے مگر جو جھوٹا کھانے کی غلاظت میں مبتلا رہنا چاہیں۔ اور خود غور و فکر نہ کریں وہ بھلا قرآن حکیم کی کیا قدر کر سکتے ہیں؟

(52) بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً

(بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے الگ الگ صحیفہ دے دیا جائے)

نراج پیدا نہیں ہونے دیا جائے گا : صحیح عالمگیر انقلاب تو ساری انسانیت کو ایک نظام میں منسلک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم تمام انسانیت کے لئے یکساں مفید ہوتی ہے۔ لیکن یہ سرکش چاہتے ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ پروگرام یا چارٹر (Charter) دیا جاتا تاکہ اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہوتی رہتیں۔ یہ لوگ اجتماعی نظام کے اندر آکر انقلاب برپا کرنا چاہتے ہی نہیں کیونکہ اس انقلاب سے ان کی ذات خاص کو خصوصی فائدہ نہ ہوگا۔

یہ نراج (Anarchism) ہے اور یہ نراجی (Anarchists) اس اجتماعی پروگرام کو قبول

نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ صلوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے اور یہ اپنے لئے زراندوزی۔۔
----اور انتفاع کا چارٹر (Charter for Exploitation) چاہتے ہیں۔

كَلَّا (ہرگز نہیں)

انہیں کوئی انفرادی پروگرام نہیں دیا جا سکتا یہ غیر طبعی مطالبہ ہے۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ اس سے نراج (Anarchy) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی منظم انسانی معاشرہ (Organised Human Society) پیدا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ فرد کی ترقی کا راستہ اجتماع سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس لئے تعلیم ایسی ہونی چاہئے جس سے اجتماعیت (Society) پیدا ہو۔ اور اسے ترقی حاصل ہو ایک ایک انسان کو جداگانہ ہدایت نامہ دے دیا جائے تو یہ انفرادی اور اجتماعی ترقی کس طرح ممکن ہے؟

فائدہ : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم پارٹی بنانا چاہتا ہے وہ ایک ایک انسان کو الگ الگ سمجھانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (بلکہ وہ آخرت سے ڈرتے نہیں)

یہ لوگ جو انفرادی انتفاع (Individual Exploitation) کا چارٹر (Charter) چاہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نفسی ضروریات (Psychological Necessities) سے غافل ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کے ساتھ تعلق قائم نہ کرکے اور مساکین اور غربا سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کرکے اپنے نفس کے اندر ایسے خوفناک زہر جمع کر رہے ہیں جو مرنے کے بعد پھوٹ نکلیں گے اور انہیں اس طرح عذاب میں مبتلا کر دیں گے جس طرح آتشک یا سوزاک یا جذام کا زہر جسم میں جمع ہو تو حالات سازگار ہوتے ہی جسم میں سے پھوٹ نکلتا ہے اور مریض کی زندگی کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ ایسے ہی یہ اپنے جسموں کے اندر انسانیت کشی کے مختلف اعمال کے ذریعے سے جو زہر جمع کر رہے ہیں وہ جہنم کی موافق "آب و ہوا" میں ان کے جسموں سے پھٹ نکلے گا اور ان کی زندگی ایک دائمی عذاب بن جائے گی جس طرح مرنے کے بعد ان سے فطرت انسانی جواب طلبی کرے گی اور انہیں عذاب میں مبتلا کرے گی۔ اسی طرح اس دنیا میں انقلابی جماعت ان سے جواب طلبی کرے گی اور ان کو مبتلاء عذاب کرے گی۔

انقلاب سوسائٹی کے اندر سے پیدا ہوتا ہے : کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آنے

ولا انقلاب بیرونی اثرات کا نتیجہ ہوگا؟ یا آنے والا عذاب جہنم ان کے نفسوں کے باہر کی قوتیں پیدا کریں گی؟

(54) کَلَّآ (ہرگز نہیں)

بلکہ وہ انقلاب خود ان کے اپنے نفسی حالات پیدا کر رہے ہیں اگر ان کی ذہنیت درست ہوتی اور یہ سب کے ساتھ انصاف کرتے ہوتے تو یہ انقلاب نہ آتا۔

اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ (اب بھی قرآن حکیم جو آیا ہے تو ان کی یاددہانی کے لئے آیا ہے)

قرآنی انقلاب کے تجربے کی دعوت : اگر یہ لوگ اپنی خفیہ انسانیت کو بیدار کر لیں اور انقلاب کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں تو ان کے لئے اچھا ہے۔ قرآن حکیم ان کو ان کی بھولی ہوئی انسانیت یاد دلانے آیا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ انسانیت کے متعلق ان کے کیا فرائض ہیں۔

(55) فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ (جو کوئی چاہے اسے یاد کرے)

عیاں راچہ بیان۔ انسان آج بھی انسانیت کو بروئے کار لا کر دیکھ لے تو اسے معلوم ہو گا کہ قرآن کی تعلیم اس کے لئے کس قدر مفید ہے اور اس کی تہ روح کے کس قدر مناسب حال ہے۔ جب وہ دنیا میں اس تعلیم کے نتائج حاصل کر کے کامران ہو سکتا ہے تو یہی نتائج زیادہ واضح طور پر حیات مابعد الممات (The Life Hereafter) میں اسے حاصل ہو جائیں گے اس لئے جو شخص دنیوی صلاح اور اخروی فلاح حاصل کرنی چاہتا ہے وہ اس انقلابی پروگرام کو قبول کرلے جو کسی خاص انسان یا خاندان کی ترقی کا کفیل نہیں ہے بلکہ ساری نوع انسان کی سعادت کا ذمہ دار ہے۔

(56) وَمَا یَذْکُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (مگر اس سے وہ اسی صورت میں نصیحت پا سکتے ہیں کہ اللہ چاہے)

جو لوگ اس یاددہانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ مشیت الٰہی اور حکمت الٰہی پہلے سے معین کر چکی ہے وہی اس کام کو بجا لائیں گے جو لوگ قرآن کی ہدایت سے ہدایت یاب ہوتے ہیں وہ اتفاقاً نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یہ طے شدہ فیصلہ ہے کہ جن اشخاص میں فلاں فلاں باتیں ہوں گی وہی ہدایت پائیں گے پس انسان کو اپنے اندر وہ شرطیں پیدا کرنی چاہئیں

تب وہ ہدایت پا سکتا ہے۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (وہ تقویٰ کا اہل ہے اور وہ مغفرت کا اہل ہے)

انقلاب عدل قائم کرے گا : اس کی مشیت اور حکمت کے مطابق یہ دو قسم کے لوگ ہدایت پا سکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی ہیں یہ آیت:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔

(بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔ اور فحشا اور منکر سے اور بغاوت سے منع کرتا ہے)

اس آیت کی رو سے تقویٰ میں عدل شامل ہے۔

پس جو لوگ اپنی استعداد کے مطابق عدل کرتے ہیں وہ جب عدل کامل کی تعلیم پاتے ہیں تو اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن حکیم سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو بے سوچے سمجھے حق کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں مگر اپنے ظلموں پر اصرار نہیں کرتے جب انہیں متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ باز آجاتے ہیں یہ اہل مغفرت ہیں۔

قرآن حکیم ان دو قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو بیدار کرے گا۔

خداوند تعالیٰ سے ہرگز یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ انصاف کو چھوڑ کر کسی انسان کو بخش دے گا کیونکہ وہ خود اہل تقویٰ یعنی عادل ہے۔ البتہ اگر انسان ایک جگہ غلطی کرے مگر متنبہ ہو کر دوسرے موقع پر اعلیٰ درجے کی نیکی کرے تو وہ اسے بخش دیتا ہے یہ اس کی عدالت کے منافی نہیں ہے پس اللہ سے معافی مانگنے کے لئے انسان اپنی غلطی کا ازالہ کرے اور کوئی بہتر نیکی کرے تو وہ بخش دیا جا سکتا ہے۔

خلاصتہ الکلام

① صالح انقلاب پسند کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کو ترقی دینے والے قانون کے خلاف جو غیر صالح نظام موجود ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ (نمبر1-3)

② صالح انقلاب پسند ہر قسم کی پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے اور اس کا آغاز لباس کی پاکیزگی سے کرتا ہے۔ اور وہ اپنے بدن اور ماحول کو بھی پاک رکھتا ہے۔ (نمبر4)

③ صالح انقلاب پسند کسی قسم کی خیالی اور علمی ناپاکی کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ ہر غیر صالح نظام کا انکار کر دیتا ہے۔ (نمبر5)

④ صالح انقلاب پسند ہر قسم کے استحصال (Exploitation) کا مخالف ہوتا ہے۔ اور کسی انسان پر کسی قسم کا ظلم نہ خود کرتا ہے اور نہ اسے برداشت کرتا ہے۔ (نمبر6)

⑤ صالح انقلاب پسند تادم مرگ محض خدا پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے اور مشکلات سے گھبرا کر اپنے لائحہ عمل پر شک کرنے نہیں لگ جاتا۔ (نمبر7)

⑥ قرآن کا انقلاب سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ (نمبر8 تا نمبر25)

⑦ اس ذہنیت کا انجام دنیا میں ناکامی ہوگا۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں دردناک عذاب۔ (نمبر26 تا31)

⑧ قرآن کی تعلیم بین الاقوامی تعلیم ہے۔ (نمبر31 تا36)

⑨ یہ بین الاقوامی تعلیم قومی درجے سے ترقی کر کے بین الاقوامی درجے پر پہنچے گی اور مساکین کی تنظیم کرے گی اور ان کا تعلق اللہ سے قائم کرے گی۔ مخالفین ناکام رہیں گے۔ (نمبر37 تا56)

نظر بازگشت

مُزَمِّل اور مُدَثِّر کا تقابل

یہ دونوں سورتیں ـــــ المزمل اور المدثر ـــــ مکی دور کی ابتدائی سورتیں ہیں۔ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے منصب نبوت پر قائم ہونے کے پہلے ہی سال میں اتری ہیں۔ ان دونوں کے مضامین باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کا تتمہ معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو چیزیں مزمل میں مفصل ہیں ان کی طرف مدثر میں اجمالی اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور جو مزمل میں مجمل بیان ہوئی ہیں ان کو مدثر میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس انقلابی تعلیم کو روئے زمین پر متمکن کرنے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ اس لئے مزمل میں آپ کو رفقاء کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے لئے نماز تہجد ـــــ قیام شب ـــــ مقرر کی گئی تاکہ ان رفقاء کی تیاری تعلیم و مصاحبت سے کریں اس کے بعد دوسری سورت میں ترمیل ـــــ تیاری رفقاء ـــــ کی غرض بیان کر دی گئی۔ یعنی یہ کہ آپ دنیائے انسانیت سے ہر قسم کے ظلم کو محو کریں گے اور معاشرہ انسانی کو ہر قسم کی پاکیزگی سے معمور کریں گے۔ انسانی زندگی کو بین الاقوامی معیار پر بلند کرنے کے لئے چار اخلاق انسانوں کے اندر پیدا کئے جائیں گے۔ یعنی

(1) اللہ کی طرف اخبات (جھکنا) — وَرَبَّکَ فَکَبِّرۡ
(2) طہارت — وَثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ
(3) سماحت — وَالرُّجۡزَ فَاہۡجُرۡ
(4) عدالت — وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُ

ان اخلاق اربعہ کے علاوہ شعائر اللہ ـــــ وہ چیزیں جن میں تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے ـــــ سے تعلق قائم کرنے کے لئے حکم دیا گیا کہ وَلِرَبِّکَ فَاصۡبِرۡ جس سے مراد یہ ہے کہ تعلق باللہ اپنے وسیع ترین معنوں میں صرف قرآن حکیم میں مذکور ہے۔
اس طرح قرآن حکیم کے آنے والے انقلاب کا مجمل خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔

یہ انقلاب، جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ سورۂ مزمل میں اس کا اجمالی ذکر وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ میں کیا گیا تھا۔ لیکن مدثر میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر آیات نمبر11 تا نمبر25 میں کیا گیا ہے اور سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا نہایت باریک نفسیاتی تجزیہ کر کے دکھلایا گیا ہے کہ اس ذہنیت کا انسان فارغ البال ہونے کے باوجود زر اندوزی کرتا ہے اور ذرائع پیداوار کو اپنے قبضے میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے وہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے اور جہاں کسی تحریک سے جو عوام کے فائدے کے لئے جاری کی جائے اس کے ذاتی مفادات کو ذرا سی بھی ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے وہ اس تحریک کے خلاف عملی اقدامات شروع کر دیتا ہے جس کا آغاز غلط فہمی پیدا کرنے والے پراپیگنڈا سے ہوتا ہے اور انجام عملی عناد پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس تحریک عوام (Mass Movement) کو روکنے کے لئے متوازی تحریک (Parallel Movement) کے پروگرام بھی وضع کرنے کی ٹھان لیتا ہے لیکن انقلاب صالح کی تحریک صحیح خطوط پر چل رہی ہو تو مخالف تحریک کبھی کامیاب نہیں ہوتی اور مخالفین مرنے کے بعد اپنے ساتھ داغ ناکامی لے جاتے ہیں۔ جو ہمیشہ ان کے لئے سوہان روح بنے رہتے ہیں اور دوسری زندگی میں ان کے لئے المناک عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔

کوئی انقلابی تحریک خواہ کتنی بھی عالمگیر نوعیت کی کیوں نہ ہو اول دور میں بین الاقوامی عناصر کو جمع نہیں کر سکتی۔ اس کی طبعی رفتار یہ ہوتی ہے کہ ایک خطے کے افراد جو ایک زبان بولتے ہیں ایک صاحب فکر کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ مضبوط جماعت بن جاتی ہے۔ یہ بین الاقوامی کام کی مرکزی جماعت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مزمل میں ذرا تفصیل کے ساتھ اور مدثر میں اجمال کے ساتھ قرآنی تحریک کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ دونوں سورتوں میں اس تحریک کے اصلی رنگ —— بین الاقوامیت —— کی طرف صریح اشارے موجود ہیں۔

دونوں سورتوں سے بین الاقوامی تحریک کے جو اصول کار نکلتے ہیں وہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں۔

(1) تبلیغ و تنظیم۔

(2) تعلق باللہ کا قیام

(3) مساکین کی منظم خدمت
(4) ظاہری پاکیزگی کا التزام
(5) خیالات و افعال کی پاکیزگی کا استمرار
(6) سرمایہ پرستی کا ہر شکل و صورت میں استیصال خواہ وہ ذہنی ہو یا صوری
(7) انفرادیت کی اجتماع کے ساتھ وابستگی۔
(8) انسان میں اپنے افعال و اعمال کی ذمہ داری کے احساس کی بیداری۔
(9) ہر شخص اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں شامل ہو۔
(10) دنیا میں بین الاقوامی انصاف و عدل قائم کرنے کا تہیہ۔

کیا قرآنی انقلابی تحریک کے سوا اور بھی کوئی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔
قرآن ہر ایک انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے۔
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟ کوئی ہے جو خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس انقلاب میں تقدم کرے؟

قرآنی جنگ انقلاب

سورہ محمد ﷺ کی حکیمانہ
"انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دارالکتب

32، میکلیگن روڈ، ایچ کے بی بی سنٹر، چوک اے جی آفس لاہور
فون: 7239138

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

دنیا میں جب مادہ ترقی کرتے کرتے شعور کا تھوڑا سا اظہار کرنے لگتا ہے' تو اس میں زندگی کی کھینچا تانی یا کشمکش (Struggle for Existence) شروع ہو جاتی ہے' چنانچہ جانداروں کی سب سے نچلے درجے کی شکل امیبا (Amoeba) ہے' جو ایک خلیئے کا جاندار (Monocellular Organism) ہے اسے بھی اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حرکت اور کوشش کرنی ہی پڑتی ہے۔ جانداروں میں جوں جوں جسمانی بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے' خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کشمکش زیادہ شدید ہوتی جاتی ہے' یہاں تک کہ شیر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھانے کو اور وہیل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جانے کو لپکتی ہے۔

ان حیوانوں میں جہاں تک اپنی حیوانی ضرورتیں حاصل کرنے کے لیے لڑنے اور مارنے کا تعلق ہے' رحم یا انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا' کیونکہ فطرت نے انہیں ان باتوں کے سوچنے کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن جونہی حیات (زندگی) حیوانیت سے ذرا اوپر اٹھتی ہے اور اس میں عقل کا نور روشن ہوتا ہے' زندگی کی کھینچا تانی صرف حیوانی اصول پر کام کرنے کی جگہ عقل کے نیچے آ جاتی ہے اور انصاف اور رحم کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بے عقل حیوانی طبقے میں بقاء اصلح (Survival of the Fittest) کا قانون جاری تھا' تو حیوانوں کے عقلمند طبقے یعنی انسانوں میں بقاء اِتقیٰ یا انفع (Survival of Best) کا قانون اس کی جگہ لے لیتا

ہے

اسی بات کو ذرا کھول کر بیان کیا جائے' تو معلوم ہو گا' کہ حیوانوں میں زندگی کی جو کشمکش جاری ہے' اس میں فقط وہی حیوان زندہ بچتے ہیں' جو اپنے اردگرد کے حالات سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں' جسمانی طاقت اور دشمن سے بچنے کے ذریعوں کے مالک ہوں' روزمرہ کی زندگی میں چالاکی' پھرتی' اور ہوشیاری سے رہنے کے لائق ہوں اور بھوک سہنے کے لحاظ سے دوسرے جانوروں سے بہتر ہوں۔ لیکن انسانی سوسائٹی میں زندگی کی کھینچا تانی صرف اوپر بتائی ہوئی چیزوں میں گھری ہوئی نہ رہی بلکہ عام لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے' انصاف قائم کرنے' خوبصورتی سے محبت اور اپنے آپ کو بری عادتوں سے پاک کرنے کے خیال کو بھی اس کھینچا تانی میں دخل ہو گیا۔ اس لیے اب یہ کہنا زیادہ صحیح ہے' کہ حیوانی زندگی کی کھینچا تانی انسانی اصول کے نیچے آ گئی۔ اس لیے انسانی جماعتوں میں سے وہ جماعت انسانی حیثیت سے ــــــ حیوانی حیثیت سے بلکہ انسانی حیثیت سے ــــــ زیادہ دیر تک زندہ رہے گی' جس میں عام انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف کرنے کا جذبہ' خوبصورتی سے محبت' اور اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا خیال زیادہ ہو گا اور جس میں ان باتوں پر زیادہ زور سے اور زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کام ہوتا ہو گا۔ ایسی قوم زیادہ متقی ــــــ اتقیٰ ــــــ کہلائے گی۔ جب کوئی انسانی سوسائٹی کشمکش کے فقط حیوانی اصول پر اتر آتی ہے' وہ انسانیت کے اونچے درجے سے گر جاتی ہے اور بہتر انسانی اصول پر کام کرنے والی جماعت (جماعتِ اِتقیٰ) یا تو اسے بالکل فنا کر دیتی ہے یا اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں زندگی کی ضرورتیں تمام افراد کو انصاف کے ساتھ بہم پہنچائی جانے کی جگہ سمٹ کر ایک چھوٹے طبقے کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور وہ طبقہ بڑے طبقے کو ان سے محروم کر دیتا

ہے' اس سوسائٹی میں انقلاب (Revolution) آ جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ جماعت جس کے پاس زندگی کے سامانوں کی کثرت ہو باقی رہے' بلکہ یہ جماعت انقلابی قوتوں (Revolutionary Forces) کے مقابلے میں آکر فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے بس اور بے کس لوگ (Havenots) غالب آ جاتے ہیں جن کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب کو کم ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں آپس میں انصاف کے ساتھ بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ اچھی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں قیصرِ روم اور کسریٰ ایران کے ساتھ عربوں کی جو جنگیں ہوئیں وہ اس نکتے کی بہت اچھی مثال ہیں۔

ان جنگوں میں ایک طرف قیصرِ روم اور کسریٰ ایران تھے۔ ہر قسم کے دنیاوی سامان کے مالک تھے۔ لیکن عدل و انصاف نہیں کرتے تھے' بلکہ غریبوں کا خون چوس کر عیش کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تھے۔ ان کے پاس جنگی سامان تو ایک طرف' کھانے پینے کی عام چیزوں کی بھی کمی تھی۔ لیکن یہ لوگ قرآن حکیم کی وہ تعلیم لے کر اٹھے تھے' جس میں عوام کی بھلائی خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین' انصاف' حبِ جمال' اور تہذیبِ نفس کے بہت اچھے قاعدے تھے۔ عرب کے لوگ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نتیجے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کشمکش میں اونچے درجے کے اصول محض مادی سامان کی زیادتی پر غالب آئے۔ کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم اجتماعی انقلابی تعلیم ہے۔ اس کا فائدہ انسانیت کے کسی خاص طبقے کو نہیں پہنچتا بلکہ اس کا فائدہ ساری انسانیت کو ایک جیسا پہنچتا ہے' اس لیے اس کے اصول پر ہر ایک قوم میں انقلاب کا آنا ضروری ہے۔ وہ خدا پرستی کو انسانیت یا

ایک لازم جز ٹھہراتی ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی پروہت طبقے(Ptiesthood) کی ضرورت نہیں سمجھتی ۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کی مدعی ہے' جس کا عام لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ انسان کی طبعی ضرورتیں۔۔۔کھانا' پینا' کپڑا لتّہ' مکان' تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لیے ایک جیسے ہوں۔ جس سوسائٹی پر قرآنِ حکیم حکمران ہو گا' اس میں کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا' کوئی شخص ننگا اور بے گھر بے در نہ ہو گا' اور نہ جاہل اور بے علم رہے گا ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے موقعے ہر ایک انسان کو بہم پہنچاتی ہے' وہاں وہ ہر ایک انسان کی طبعی حیوانی ضرورتیں فراہم کرنا سب انسانوں کا فرض قرار دیتی ہے اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتی ہے جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی' کاہلی' غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں خدا تعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔

یہ ہیں وہ باتیں جنہیں دنیا میں چلانے کے لیے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

انسانی تاریخ کا یہ سب سے المناک حادثہ (Tragedy) ہے' کہ یہ اونچے درجے کے اصول' جنہیں قائم کرنے کے لیے حجاز کا پہلا بڑا انقلاب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی رہنمائی میں ہوا' ہوتے ہوتے بادشاہوں کا کھلونا بن کر رہ گئے۔

چنانچہ ان بادشاہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت افرءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ سورۃ جاثیہ ۴۵/۲۳) (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنا لیا؟) میں ذہنیت کی اسی خرابی کی طرف اشارہ ہے۔ ان بادشاہوں اور امیروں کے نزدیک دین کیا تھا؟ یہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے مسئلے۔ باقی رہی حکومت اور اس کے متعلق چیزیں' جیسے ٹیکس وصول کرنا جزیہ جمع کرنا' فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا مخالفوں کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا اور معاہدے کرنا' یہ سب سیاست کی باتیں ہیں' ان میں بادشاہ اور امراء اپنی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور صرف اسی مصلحت کا خیال رکھتے تھے' جس کا تعلق ان کی ذات یا خاندان کی حکومت کے ساتھ ہوتا تھا۔اس لیے یہی لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے "کہ انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنا لیا"

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر جہاد اور عدل قائم کرنے میں لگے رہے۔ رہے نماز' روزہ وغیرہ فرض ادا کرنے کے بعد آپ کی زندگی کا زیادہ تر وقت انہی " دنیاوی " باتوں میں گزرتا تھا۔ قرآن کی اشاعت ہے' باہر سے آنے والے وفدوں سے ملاقاتیں ہیں ' بادشاہوں کو قرآن کی طرف دعوت ہے ' مقدموں کے فیصلے ہیں ' لشکروں کی تیاری ہے ' جو حکمران آپ کی دعوت نہیں مانتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں ان پر لشکر کشی ہے ' مالیانے کی جمع ہے ' تعلیم کا انتظام ہے ' غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری ہے ' ان کے قرضوں کے ادا کرنے کا انتظام ہے ' یتیموں کی جائیدادوں کا اہتمام ہے بیواؤں کی نگرانی ہے۔ غرض ہر وہ کام ہے جسے بعد میں " سیاسی " قرار دے کر اور دین سے الگ کر کے بادشاہوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور جس سے علماء نے ہاتھ اٹھا لیا۔ پس اگر سیاست " مذہب " یا " دین " سے الگ کوئی

چیز ہے اور سیاست کا تعلق " دنیاواری " کے ساتھ ہے تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور برکت والی زندگی " مذہبی " کی بہ نسبت " دنیاوی " زیادہ تھی۔

اس حجازی انقلاب کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ تعمیری زمانے میں انقلاب کی روح کو بہت مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے ' ورنہ تعمیر ادھوری رہ جاتی ہے۔

حکمتِ ولی اللّٰہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے ' کہ حکومت اجتماعی (Social) ہو گی اور مشورے سے کام کرے گی اور غیر راسمالی (Anti-capitalistic) ہو گی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ راسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کر لیں۔ دوسرے درجے کا قانون (Laws) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا' کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے راسمالیت (Capitalism) یا سرمایہ داری پیدا کرنی شروع کر دی ہے ' تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti-Capitalist) قانون بنا دے ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قانون دان مجتہدین کی ایک جماعت مرکز میں جمع رکھی جائے۔ یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جس زمانے سے مسلم علماء نے دین اور سیاست کی علیحدگی کو برداشت کیا اسی زمانے سے بادشاہوں نے مسلمانوں کے بیت المال جس کو اپنے ماں باپ کی میراث (ترکہ) سمجھ کر عیاشیوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا اور عام لوگوں کا دخل حکومت اور بیت المال کے انتظام میں ختم ہو گیا۔ اب سب مالی معاملات بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت میں عالموں کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ شیخ الاسلام کا عہدہ بھی قائم ہے جو گویا " دینی " باتوں میں بادشاہ کو " مشورہ "

دیتا ہے لیکن کوئی عالم اجتہادی قوت کا مالک نہیں اٹھتا جو زمانے کی ضرورت کے مطابق قانون بنا سکے۔ بادشاہ اقتصادیات اور سیاسیات کے مالک بن بیٹھے اور انہوں نے عالموں کو ان دونوں میں دخل دینے سے روک دیا (اِلّاماشاءاللہ) اور عالم لوگ صرف نکاح اور میراث کے مسئلے بیان کرنے کو رہ گئے چونکہ انہوں نے سوسائٹی کی عملی زندگی کی باتوں یعنی روزمرہ کے اقتصادی اور سیاسی مسئلوں سے بحث کرنی بند کر دی اور دین اور اس کے مسئلے حکومت کے عہدوں' روزمرہ کے انتظام اور عملی فرائض سے علیحدہ کر کے سکھانے لگے' اس لیے ان کی علمی قوت کمزور ہو گئی' اب انھیں بین الاقوامی سیاسیات کی خبر ہی نہ ملکی اقتصادیات کی اگر عالم لوگ روز مرہ کی عملی سیاسیات اور پیداواری اور تقسیمی اقتصادیات میں دخل دیتے رہتے تو آزادی خواہ لوگ حکومت کے معاملوں میں دخل نہ دینے لگتے اور وہ عوام کے حقوق کا مطالبہ کرتے اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بیت المال سے کوئی خاص حقوق حاصل نہ کرنے دیتے۔ یہ ان بادشاہوں اور امیروں پر بہت بھاری گزرتا جو اپنی "خواہشوں کو اپنا معبود" بنائے بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے علماء سے وہ طاقت ہی چھین لی جو ان میں بلند فکر اور گہری تدبیر کرنے کی طاقت پیدا کر سکتی تھی۔ بلکہ عالموں کے اثر کو فنا کرنے کے لیے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ اب دین میں کوئی مجتہد پیدا ہی نہیں ہو سکتا جن عالموں نے اس پراپیگنڈے میں بادشاہوں کی طرفداری کی وہ بادشاہوں پر اعتراض کرنے میں سب سے زیادہ چپ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوتے ہوتے مسلمانوں سے انقلابی فکر ہی نکل گیا۔ یہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے' یہ ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ باطن کے لحاظ سے یہ صورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندرونی حصے کا

کائنات کے اس مثالی حصے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے جو عالم مثال کے اس حصے میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اسلام میں جو لفظ احسان استعمال ہوتا ہے' وہ عالم مثال کے ساتھ دلوں کے اسی تعلق کو ظاہر کرتا ہے جیسے ہم نے مرکز کے لیے ایسی جماعت کی ضرورت جتائی ہے جو قانون بنا سکتی ہو' ویسے ہی اہل احسان کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے۔ جس کا کائنات کے روحانی مرکز کے ساتھ تعلق ہو

تعمیر کے دور میں انقلاب کی روح کے ساتھ ربط قائم رکھنے سے یہی دو باتیں مراد ہیں۔

اوپر جو بات ہم نے تھوڑے سے لفظوں میں جتائی ہے اسے کھول کر بیان کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کے اس حصے میں جو فضائی کرنوں (Cosmic Rays) کے پیدا کرنے والے خطے سے بھی زیادہ لطیف ہے اور جو عالم مثال کے سب سے اونچے حصے میں ہے' وہ عقلی قوتیں جمع ہوتی ہیں جو اس مادی کائنات کو کنٹرول کرتی ہیں حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں اس جگہ کو حَظِیرۃُ القُدس (Sanctus Permagnum) کہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ایک عکس (پرتو) آتا ہے جسے حضرت امام تجلی اعظم فرماتے ہیں۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ مادی کائنات کے تمام بڑے بڑے حادثے (Events) پہلے حظیرۃ القدس ہی میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک نئی شان (Phase) ظاہر ہوتی ہے وہ احسانی جماعت جس کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ ہوتا ہے' شان الہی کے ہر نئے ظہور کو محسوس کر لیتی ہے اور بتا سکتی ہے کہ واقعات کا آئندہ رخ کیا ہو گا۔ ان اہل احسانات کے انکشافات کی مدد سے علمی اجتہاد کے مالک عالم اللہ تعالیٰ کی ہر نئی شان

کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کرتے رہیں گے اس طرح انقلابی تعمیر رجعت پسندی (Reaction) سے محفوظ رہ کر ترقی کرتی رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ رجعت پسندی یا ارتجاع پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب لوگ مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ایک عرصے تک غافل رہیں۔

اسلامی زمانے میں یہ کام اہل اصلاح و احسان سے متعلق تھا۔ اب ہم یہ سمجھ نہیں سکتے کہ مسلمان قرآن حکیم سے منہ موڑ کر اپنے مرکز کو مجتہدین اور اہل احسان سے خالی رکھ کر اور خدا کی طرف توجہ کیے بغیر کس طرح نجات پا سکتے ہیں۔

ہمارے زمانے میں مغربی ملکوں میں یہ فرض اجتماعی سائنسدانوں کے سپرد ہے۔ وہ مختلف قوموں اور ملکوں کے عام رجحانات کے متعلق اعداد و شمار جمع کرتے ہیں اور پھر ان کا بہت ہی گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کر کے نتیجے نکالتے ہیں جو بہت حد تک صحیح ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ نہیں ہے اس لیے ان کے نتیجے کمزور' ناقص اور نامکمل رہتے ہیں اس کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کافی مضبوط اجتماعیت پیدا کر لی ہے۔

حق یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر نہیں کرتی وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (۱۸/۵۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور چاہیے کہ ہر ایک نفس دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے لیے کیا فراہم کیا ہے

پس جو شخص اللہ کی نشانیوں کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے اس کے سامنے اسلام کا مستقبل بالکل روشن ہے۔ ہر ایک قوم قرآنی انقلاب کو اپنے اندر کامیاب بنا

سکتی ہے ۔ کیونکہ اس انقلاب کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم موجود ہے ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں نے جس طرح اسے پہلی مرتبہ حجاز میں کامیاب بنا کر دکھا دیا ۔ وہ نمونہ قیامت تک کے لیے کافی ہے برعظیم پاک و ہند میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہی شخص پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کے نشانوں کو سمجھنے والا اور حجازی انقلاب کے سب واقعات کا عالم ہے' اس کا نام ہے امام ولی اللہ دہلوی (اللہ کی رحمتیں ہوں اس پر) حضرت امامؒ نے قرآن حکیم کی انقلابیت کو حضرت عثمانؓ کے دور تک منحصر کر دیا ہے ۔ اور برعظیم پاک و ہند کے متعلق امید ظاہر کی ہے کہ یہی انقلاب یہاں دہرایا جائے گا۔[۵]

اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں ' بعد میں آنے والی سورت ۔ سورۃ "قتال" "یا محمدؐ" ۔ کی تفسیر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ شارح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اسی انقلابی رنگ میں کی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآنی انقلاب کس طرح قومی پیمانے سے ترقی کر کے کل قومی انقلاب بن جاتا ہے اور کل قومی میدان میں اس انقلاب کا نصب العین (Ideal) کیا ہے ۔ ضرورت ہے کہ یہاں بھی حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مطالعہ کر کے اس کی بنیاد پر ایسی سرمایہ شکن (Anti-Capitalist) جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم کی غیر راسمالی تعلیم کو اپنائے اور اس ملک میں اس انقلاب کو کامیاب بنائے ۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین الذین ان مکنھم اللہ فی الارض یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ وھم یوقنون

والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد صاحب دعوۃ الانقلاب العمومی وعلی اصحابہ الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ کما اتبعوہ فی ساعۃ الفتح والذین اتبعوہ باحسان اللھم اجعلنا منھم ۔ آمین

(ہماری آخری بات یہی ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام قوموں کو پالنے اور ترقی دینے والا ہے۔ اچھا انجام انہی لوگوں کا ہو سکتا ہے جو اللہ سے ڈر کر عدل قائم کرتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں کسی ملک میں حکومت دے دے تو وہ نماز کی شکل میں اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں اور خدا کی غریب مخلوق کی خدمت کے لیے اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ نکال کر اسے پاک کر کے کھاتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے تمام کاموں کی جوابدہی کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو اس نبی اعظمؐ پر جو کل قومی انقلاب کی دعوت دینے کے لیے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جنہوں نے تنگی کے دنوں میں بھی اس کی پیروی کی اور فتح کے دنوں میں بھی اس کے قدموں کے نقوش پر چلے اور ان لوگوں پر بھی جو ان انقلابی مجاہدین کی پوری طرح پیروی کریں خدایا ہمیں ان انقلابیوں کا ساتھی بنا۔ آمین۔ المرتب۔

بشیر احمد۔ بی اے، لودیانوی

اِنقلاب

اِنقلاب! اے اِنقلاب!
خواجہ از خونِ رگِ مزدور ساز و لعلِ ناب
از جفائے دِہ خدایاں کِشتِ دہقاناں خراب
اِنقلاب!
انقلاب ' انقلاب!
شیخِ شہر از رِشتہ تسبیح صد مومن بدام
کافرانِ سادہ دِل را برہمن زنّار تاب
اِنقلاب!
اِنقلاب! اے اِنقلاب!
میر و سُلطان نرد بازو کعبتینِ شاں و غل
جانِ محکوماں زتن بُردندو محکوماں بخواب
اِنقلاب!
اِنقلاب! اے اِنقلاب!

(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ قتال یا سورۃ محمد

قرآنی انقلاب اور جنگ

نام سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام سورۃِ قتال بھی ہے یہ مدنی سورت ہے ۔ یعنی مدینہ منورہ میں جنگِ بدر کے بعد ۲ھ ہجری میں اتری۔

پچھلی سورت سے ربط۔ اس سورت سے پہلے حٰمٓ والی سورتیں ہیں جو سب کی سب مکی ہیں ۔ ان میں عالمگیر کل قومی انقلاب کی تیاری کے متعلق قومی پیمانے پر کام کرنے کے لیے تعلیم دی گئی ہے ۔ جو روح کے اعتبار سے حنیفی ہے ۔ یعنی اس کے بنیادی اصول وہ ہیں جو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے پیدا ہوئے ۔ ان کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور سرمایہ شکنی (Anti-Capitalism) ہے ۔ یہی انسانیت کی بنیاد ہے ۔ اس انقلاب کی تیاری تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ہوتی رہی ۔ ہجرت کے بعد یہ انقلاب ایسے پیمانہ پر آگیا کہ اسے جماعتی حلقے سے نکال کر قومی پیمانے پر چلایا جائے ' چنانچہ سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا قتال میں ہمیں اس اِنقلاب کے لیے قومی جنگ کے متعلق چند قاعدے بتائے گئے ہیں ۔

اگلی سورت کے ساتھ ربط

اس سورت کے بعد سورۃ فتح آتی ہے جس میں قومی انقلاب کے پورے ہو جانے کے بعد جس کا اظہار صلح حدیبیہ میں ہوا اس کا کل قومی نظریہ پیش کیا گیا ہے ۔

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے ' اس سورت میں جنگ کے متعلق چند احکام دیئے گئے ہیں ۔ قرآن کا جنگ کے ساتھ کیا تعلق ہے ؟ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلام کوئی انفرادی اور رہبانی تحریک نہیں ہے جس کا تعلق

فقط چند اونچے درجے کے انسانوں کے ساتھ ہو' بلکہ یہ اجتماعی تحریک ہے' جس کا تعلق ساری انسانیت کے ساتھ ہے۔

اجتماعی تحریک کی دو قسمیں

اجتماعی تحریکات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(ا)۔ ارتقائی تحریکات (Evolutionary Movements)

(ب)۔ انقلابی تحریکات (Revolutionary Movements)

ارتقائی تحریکیں

ارتقائی تحریکات میں تحریک کے پھیلنے کا ذریعہ فقط پراپیگنڈہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحریکوں میں جنگ بطور ایک آلے کے بالکل شامل نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں جماعت بندی ہوتی ہے۔

انقلابی تحریکیں

انقلابی تحریک میں ایک نصب العین (Ideal) ہوتا ہے۔ اس پر جماعت بندی ہوتی ہے۔ وہ جماعت اپنے پروگرام (Programme) کو ملک میں چلانے کے لیے حکومت کی کَل پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس لیے جنگ بھی اس کے پروگرام میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ انقلابی لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو رجعت پسندوں (Reactionaries) سے بھی پاک کریں وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ رجعت پسند ان پر حملہ کریں تبھی ان کے حملہ آور ہونے کا جواب دیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر رجعت پسندوں پر حملہ کر کے ان کی حملہ آور ہونے کی طاقت چھین لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً سورہ فتح میں جس میں کل قومی جنگوں کی طرف اشارہ ہے صلح حدیبیہ

کے بعد ہی خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے ۔ کیا وہ جنگ مدافعانہ (Defensive) تھی ؟ تاریخ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تحریک ارتقائی نہیں انقلابی تحریک ہے ۔

جن لوگوں نے اسلامی جنگوں کو مدافعانہ قسم ہی میں بند کر دیا ہے ۔ انہوں نے اجتماعی تحریکوں کے اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھا ۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر کل قومی انقلابی تحریک ہے جس میں مدافعانہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور جارحانہ جنگیں بھی ۔

انتفاعی جنگ

البتہ جنگ کی ایک اور قسم بھی ہے جو گری ہوئی انسانی سوسائٹیاں کرتی رہی ہیں اور آج کل بھی اس قسم کی جنگیں ہوتی ہیں ۔ ان میں ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنا کر اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے ۔ اس قسم کی جنگ کو ہم انتفاعی جنگ کہتے ہیں Exploitation یہ منڈیاں حاصل کرنے یا امپیریل فائدے حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے ۔ اس میں کسی خاص صالح فکر کے پھیلانے اور انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا کوئی خیال نہیں ہوتا ۔ قرآن حکیم اس قسم کی جنگ کا ہرگز حامی نہیں ہے ۔ وہ فقط ایک صالح فکر کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے ۔ اس میں وہ مدافعانہ اور جارحانہ حملوں میں تقسیم نہیں کرتا ۔ ہمیں اس قسم کی جنگوں کے لیے چاہے وہ مدافعانہ ہوں یا جارحانہ کسی عذر خواہی (Apology) کی ضرورت نہیں ۔

قرآن کا فکر

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی کے لیے ایک صالح فکر پیش کرتا ہے ۔ جس میں

انسانیت کے سب پہلو آ جاتے ہیں ۔ اس کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معادی تیاری بھی ۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دنیا میں سر بلند ہو کر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے اور انہیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ اس انصاف اور خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا رستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اتنی بڑی ذمہ داری صرف اس لئے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ انسانیت کی خدمت خدا پرستی کا جزو ہے اور خدا دوستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتیں۔

کافر کون ہے ؟

اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پا کر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لیے اٹھے ' تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں اسے کافر کہا جاتا ہے اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے ۔ قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے ' بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت پیدا کر کے لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں ' جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کر سکیں۔

اسلامی انقلاب کے اس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران

تھا اس کے نیچے وہ لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے اس فکر کو قبول نہیں کیا تھا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس انسانیت کی خدمت کرنے والے فکر سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ قرآنی جماعت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا۔

"کافروں" سے لڑنا کیوں ضروری ہے؟

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام اپنے سب مخالفوں سے لڑتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے، کہ اسلام کو انقلابی تحریک نہیں سمجھا گیا۔ واقعی اگر اسلامی تحریک ارتقائی تحریک ہوتی، تو اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن جیسے اوپر دکھایا جا چکا ہے، وہ ایک انقلابی تحریک ہے اس لئے وہ رجعت پسندوں Reactionaries کو، اگر وہ عملاً مخالفت کریں، اپنے حلقہ اثر میں نہ کبھی زندہ رہنے دے سکتی ہے اور نہ اپنے اصول چھوڑ کر ان سے مصالحت (Compromise) کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر رجعت پسندوں کو طاقتور رہنے دیا جائے، تو ملک میں نراج Anarchy پیدا ہو جائے گا۔ البتہ مخالفین میں سے جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس کے نظام کے اندر رہنا چاہیں، انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ اس حالت میں قرآنی حکومت ان کی حفاظت بھی کرے گی اور ان کے جائز قانونی حقوق کی حمایت بھی کرے گی اور ان کے ساتھ انصاف کا پورا پورا معاملہ کرے گی۔

اسلام اور جنگ

تاریخ اسلام کے کسی بھی زمانے میں جب اسلامی حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود

۔ ۔ں قانون کے کسی ماہر یا قرآن حکیم کے کسی تفسیر کرنے والے نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا 'کہ جہاد اور قتال اسلامی تعلیمات کا جز نہیں تعجب کی بات ہے کہ جب سے ' مصر وغیرہ پر یورپی طاقت کا غلبہ ہوا ۔ یہ نیا فلسفہ گھڑ لیا گیا ہے 'کہ اسلام میں جنگ نہیں ہے قتال نہیں ہے جہاد سے مراد قلمی اور زبانی تبلیغ ہی ہے اور بس ۔

یورپ کا فریب

حقیقت یہ ہے کہ ' یورپ نے مشرق کی عام کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو اسلامی ملکوں میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے 'یعنی اس میں خود عقلی اور روحانی قوت نہیں ہے ۔ اس کی جواب دہی کے لئے چند عقلمند تیار ہو گئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے۔ مگر یورپ کے فکری حملے سے وہ بھی پورے طور پر نہ بچ سکے اور ان سے بھی یہ کہلوا لیا گیا 'کہ اسلام میں فقط مدافعانہ جنگ (Defensive War) کی اجازت ہے ' حالانکہ خود یورپ اس وقت جارحانہ جنگ (Aggressive War) تو ایک طرف وہ انتقامی جنگ (Exploitative War) میں مصروف تھا ۔ یورپ نے مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ کی عذر خواہانہ دستاویز تیار کرا کے اسے خوب شہرت دی۔

رجعت پسندوں کا ایک فریب

اس دور میں مسلمانوں میں جو رجعت پسند (Reactionaries) جنگ کو اسلام میں سے نکال نہ سکے ' انہوں نے اسلام کی انقلابی روح کو فنا کرنے کے لئے ایک اور چال اختیار کی ۔ انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ قتال امیر کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اس کی وہ شرطیں بیان کر کے خاموش ہو گئے جن کے پورا ہوئے بغیر قتال نہیں ہو سکتا اس میں شک نہیں کہ جہاد اور قتال کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے'

جو بد قسمتی سے ہم اس وقت قائم نہیں کر سکے تھے لیکن انہوں نے اس سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ قتال کی یہ شرطیں پوری نہ ہو سکیں تو کیا کیا جائے؟ اگر ان کی آرام طلبی اس سوال کا جواب ڈھونڈھنے کی تکلیف اٹھاتی تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس کا جہاں یہ مطلب ہے کہ بہت سے جہاد کرنے والے موجود ہوں تو بعض لوگ، جو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکیں، ان کا عذر مان لیا جا سکتا ہے، وہاں اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر کوئی بھی اس میں حصہ نہ لے تو سب کے سب مسلمان مجرم ہیں اگر وہ اس طرح سوچتے تو وہ ضرور اس بات کی کوشش کرتے کہ ایسا نظام پیدا کیا جائے، جس میں جہاد ہو سکے۔

دوسرا فریب

ایک اور جماعت نے جہاد کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے اسے مہدیؑ کی آمد کے ساتھ لگا رکھا ہے۔ ان روایتوں کو صحیح مان لینے کے بعد بھی، جن میں مہدی کے آنے کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کا کل قومی غلبہ کسی مہدی یا پیغمبر کی آمد سے بندھا ہوا نہیں ہے۔ یہ تعلیم اپنے آپ کو غالب کرنے کی آپ ذمہ دار ہے۔

نمونے کی جماعت

غرض جب انقلابی جماعت انسانیت کے خلاف نظام کو برباد کر کے اس کی جگہ صحیح انسانی نظام قائم کرنے کے لئے تیار ہو جائے، تو یہ جماعت سب کارکن جماعتوں کے لئے نمونہ بن جاتی ہے۔ یہ جماعت قتال کا حکم دیتی ہے اور اس کے ذریعے غلبہ پاتی ہے۔ اس حالت میں حق کی پیروی یہی ہوتی ہے، کہ قتال کیا جائے۔ یعنی جو شخص

قتال میں شریک ہو یا کوئی ایسا کام کرے ' جو قتال کے حق میں ہو ' اس کے موافق ہو اور اس میں مدد دینے والا ہو ' تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اس کے حق میں ہوتی ہیں اور خدا کی رحمت اس پر اترتی ہے اور جو شخص قتال کی مخالفت کرتا ہے یا عذر معذرت کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے ' ملاءاعلیٰ سے اس پر ناراضگی اترتی ہے اور وہ منافق گنا جاتا ہے۔

منافقین کا اخراج

انقلابی جماعت کو سب سے زیادہ خطرہ ان منافقوں ہی سے ہوتا ہے کیونکہ یہ اس جماعت کے اندر رہ کر اس میں پریشان خیالی پھیلاتے ہیں۔ اس لئے لڑنے والی اسلامی جماعت میں سے منافقوں کا نکالا جانا ضروری ہوتا ہے ' لیکن یہ کام ہوشمندی کے ساتھ کرنے کا ہے۔

اسلامی حجازی انقلاب نے کامیابی کی سب منزلیں بڑی جلدی طے کرلیں اور اس کی جماعت نے تیاری کرنے اور لڑنے کی طاقت پیدا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ پھر بھی اس میں منافق گھس ہی آئے۔ شروع شروع میں مصلحت یہی تھی ' کہ منافقوں پر تشدد نہ کیا جائے۔ کیونکہ عام مسلمان انقلابی اپنے علم سے منافق اور غیر منافق میں تمیز نہ کرسکتے تھے۔ اس لئے کسی شخص کے منافق ہونے نہ ہونے کا فیصلہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کر سکتی تھی ایسی حالت میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں پر تشدد کرنے کا اشارہ کردیتے ' تو یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی ' کہ آپ جس شخص کو پسند نہیں کرتے ' اسے منافق قرار دے کر مروا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بات کسی قانون کے نیچے نہ آتی ؟ بلکہ ایک شخص کے فیصلے پر رہ جاتی۔ حالانکہ جماعت کی ترقی کے لئے شخصی فیصلے کی جگہ باقاعدہ قانون کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے ' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے عام طور پر

بچتے رہے ' کہ جماعت کی کسی بات کو اپنی ذاتی رائے سے چلائیں ۔ آپ کی غرض یہ تھی ' کہ جماعت کے عوام میں اللہ کے قانون کی پیروی کا جذبہ مساوات کے ساتھ پیدا ہو اور وہ سمجھ لیں ' کہ قانون کے سامنے چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی سب برابر ہیں ۔ فقط قرآن کے سمجھنے کے لئے آپ کی ذات پر بھروسہ کرنا ضروری ہے ۔ یہ سب باتیں آپ نے اپنے ان ساتھیوں کو ' جو ہر وقت اور ہر حالت میں آپ کے ساتھ شریک رہے ' سکھا دیں اور انہیں علم میں پکا (رَاسِخُونَ فِی الْعِلْم) بنا دیا ۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے ' تو آپ کی جماعت میں قانون الٰہی کی پیروی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔

غرض حٰمٓ والی سورتوں میں کل قومی انقلاب کے لئے عربی مزاج کو ڈھالنے کی جو کوشش کی گئی تھی ' اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا ' کہ جو لوگ اپنے اندر یہ ذہنی تبدیلی پیدا کر لیں اور اس تعلیم پر پورا پورا ایمان لے آئیں ۔ وہ ان لوگوں سے الگ ہو جائیں ' جو اس تعلیم کو نہ مان کر جمود اور شرک میں پھنسے رہنا چاہتے تھے ۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ترقی پسند انقلابی طبیعت رکھنے والے لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں جمع ہو گئے ۔ یمن اور نجد کے باشندے اور عراق اور شام کے قریب بسنے والے لوگ پہلے پہل اس جھگڑے سے الگ رہے اور دیکھتے رہے کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے ' اس کے ساتھ معاملہ کر لیں گے ۔ لیکن حجاز میں رجعت پسندوں اور انقلابیوں کے جو دو گروہ بن گئے تھے ان میں جنگ ہونی لازم تھی ۔

حجازی انقلاب کی منزلیں

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ' جو حجاز کی انقلابی جماعت کے رہنما تھے ' اور جنہوں نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر کل قومی انقلاب کا پکا ارادہ کر رکھا تھا :

(۱) سب سے پہلے تو لوگوں کو اپنے پروگرام کی طرف بلایا

(۲) پھر انقلاب کے لئے ایک مضبوط جماعت تیار کی

(۳) کوشش کی کہ مخالفین آپؐ کی تعلیم قبول کرلیں

(۴) جنگ کی تیاری کی

(۵) مدینہ منورہ میں مرکز قائم کیا

(۶) مدینے والوں اور اردگرد کے رہنے والوں کی قوت جمع کی

(۷) جنگ کی

(۸) مخالفوں کو ان کے مرکز سے نکال دیا

(۹) ان پر غلبہ پایا اور

(۱۰) اپنا قانون ماننے اور نہ ماننے والوں پر چلایا۔

یہ فتح درجہ بدرجہ کلُ قومی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور یہ کامیابی قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق انقلاب کرنے والوں کے لئے رہتی دنیا تک نمونہ رہے گی اس سورت میں اسی پہلی انقلابی جنگ ——— بدر ——— کا ذکر ہے۔

(۱) اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ

ترجمہ = جن لوگوں نے صرف دشمنی نکالنے کی خاطر اس تعلیم کو ماننے سے انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا) اللہ نے ان سب کے اعمال اکارت کر دیے۔

آیت نمبر(۱) اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے دشمنی کی راہ سے انکار کیا) سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآنی انقلاب کی تعلیم کو ماننے سے انکار کر دیا اور سوچ سمجھ کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا) انہوں نے قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے والے انقلابیوں کے لئے ایسے حالات پیدا کر دینے کی کوشش کی

'کہ وہ اس تعلیم پر آزادی کے ساتھ عمل نہ کر سکیں۔ مثلاً" ان کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اور غلط فہمیاں پھیلائیں انہیں تکلیفیں دیں' ان کا بائیکاٹ کیا' انہیں قید کیا' بعض کو قتل بھی کر دیا۔ جب یہ انقلابی ان مصیبتوں سے بچنے کے لئے اپنے گھربار اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہاں سے بھی گرفتار کر کے لانے کی کوشش کی۔

کافروں کی ناکامی

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (اللہ تعالیٰ نے رجعت پسندوں کے اعمال اکارت کر دیئے) یہ لوگ اپنی ان کارروائیوں سے' جو ان مسلم انقلابیوں کے خلاف کر رہے تھے' کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اور قرآن حکیم پر لوگوں کے اجتماع کو روک نہ سکے۔ اب جو انہوں نے جنگ کے ذریعے سے انقلاب کو روکنے کی کوشش کی ہے' تو یہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے اگر رجعت پسندی کے مقابلے میں یہ انقلابی طاقت نہ ہو تو رجعت پسندی تمام دنیا پر چھا جائے اور انسانیت کو تباہ کر دے۔

کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت

قرآنی جماعت' جو ان لوگوں سے جنگ کرے گی' تو اس لئے نہیں' کہ وہ اس کی بات نہیں مانتے' بلکہ اس لئے کہ وہ اس کی بات کو آگے بڑھنے دینے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآنی تحریک کا مقابلہ نہ کریں اور اس کے نیچے امن چین سے رہیں' تو ان سے کوئی جنگ نہیں ہے اسلامی فتوحات کے زمانے میں جس قوم نے اپنی حکومت چھوڑ دی اور اسلامی حکومت کے نیچے رہنا مان لیا اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی گئی اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا۔ قرآن حکیم صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانیت میں سے رجعت پسند قوتوں کے غلبے کو توڑ دے اور اپنا

نقلاب قائم کر دے۔

آیت نمبر(۲) وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَقُّ ○

ترجمہ = اور جو لوگ ایمان لائے ۔ اور اس (ایمان کے مطابق) نیک عمل کیے۔ اور ایمان لائے اس چیز پر جو محمد پر اتاری گئی ۔ اور وہی ہے سچی بات ان کے رب کی طرف سے (اللہ نے) ان کی برائیاں ان سے دور کیں اور ان کا حال سنوارا۔

ایمان دار کون ہیں ؟

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (جو لوگ ایمان لائے) : یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے حنیفیت کے عام قاعدے مان لئے اور پورے یقین کے ساتھ ان کی کامیابی کے لئے اپنا جان و مال اور سب کچھ قربان کر دینے کا پکا ارادہ کرلیا۔ یہ ایمان کا عام درجہ ہے ' اور اس میں تمام تعلیمات شامل ہیں ' جو انبیاء کرام لے کر آئے ۔ ان کی ترقی یافتہ اور صاف شکل حنیفیت ہے ۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (انہوں نے نیک کام کیے) : کاموں کی اچھائی اور بھلائی کی جانچ یہ ہے کہ وہ کہاں تک ان کے ایمان کے مطابق ہیں ۔ اگر وہ ان کے ایمان کے مطابق ہیں تو صالح' ہیں ورنہ نہیں ۔

وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (انہوں نے اس تعلیم کو مان لیا جو محمد پر اتری):

نبی اکرمؐ کی دو حیثیتیں

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں حنیفیت کی تحریک کے داعی ہیں ' وہاں اس کے آخری درجے کے مستقل امام (Leader) بھی ہیں ۔ اور وہ اس کا کل

قومی درجہ ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امت تیار کی ' وہ قرآن حکیم کو عالمگیر درجے پر کامیاب بنائے گی ۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ (یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے) : یہ تعلیم تمام پہلے انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ ہے ۔ اور انسانیت کی بنیاد ہے ۔ اس لئے یہ اصل چیز ہے ' اور پائیدار دائمی تعلیم ہے ۔ اس کے خلاف چل کر کوئی انسانی جماعت کسی زمانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے ضروری ہے 'کہ اب اسے کل قومی درجے پر انسانیت میں حکمران بنایا جائے ۔

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (ان کی لغزشیں چھپا دی جائیں گی ۔ اور ان کے حال کی درستی کر دی جائے گی)

لغزشوں کی معافی

جب کوئی جماعت وسیع پیمانے پر انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھتی ہے تو اس سے لغزشوں کا ہو جانا طبعی بات ہوتی ہے ۔ لیکن چونکہ وہ جان کی بازی لگا دیتی ہے اور حق کو حق سمجھ کر قبول کرتی ہے ' اور جہاں اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے فلاں غلطی ہو گئی ہے ' وہ فوراً" اس سے باز آ جاتی ہے اور اس کا بدلہ اتارنے اور درستی کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ اور پھر حق پر قائم ہو جاتی ہے ۔ اس لئے اس کی پہلی لغزش توجہ کے قابل نہیں رہتی ۔ مثلاً" ایک دیہاتی ہے وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے ۔ اسے انسانیت کے صحیح اصول سمجھا دیئے ۔ جاتے ہیں ۔ اور رجعت پسند طاقتوں کا جو طریق ہے ۔ وہ بھی اسے بتا دیا جاتا ہے اتنی سی تعلیم ایک آدمی کو چند منٹ میں دی جا سکتی ہے ۔ اس کے بعد اسے آمادہ کیا جاتا ہے 'کہ وہ حق کی تائید میں اپنی جان دے دے ۔ وہ اس پر آمادہ ہو جاتا ہے ' اور آخر دم تک اس پر قائم رہتا ہے ۔ ایسے شخص

میں بہت سی ظاہری کمزوریاں ہیں وہ شاید غلطیاں بھی کرتا ہے ۔ مہذب افراد اور متمدن قومیں اس میں ہزار عیب نکال سکتی ہیں ۔ لیکن انقلابی قانون میں یہ تمام غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں ۔ اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی حالت درست کر دی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ وہ تہذیب اور شائستگی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں ۔ جس کے بعد تہذیب اور شائستگی کا اور کوئی معیار دنیا قبول نہیں کرتی۔ اس طرح وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے "مہذب" لوگوں کی نظروں میں عیب تھیں' اب مہذب کہلانے کے لئے اچھی قرار پاتی ہیں ۔

غرض جو لوگ اس انقلابی قانون کے پابند ہوں ' اس کے غلبے کی کوشش کریں ' خدا تعالیٰ کو اپنا مددگار اور مالک قبول کریں ۔ ان کی حالت درست ہو جاتی ہے ۔ اور انہیں دنیا میں امن ' عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے ' وہ دنیا میں حاکم بن کر رہتے ہیں۔

آیت نمبر(۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ○ ترجمہ = یہ اس لئے کہ جو منکر اور دشمن ہیں وہ جھوٹی بات پر چلے ۔ اور جو ایماندار ہیں انہوں نے اپنے رب کی طرف سے سچی بات مان لی ۔ یوں اللہ لوگوں کو ان کے حال بتاتا ہے ۔

کامیابی کی گارنٹی

رجعت پسند کافروں نے اس انقلاب کو مٹانے کے لئے لاؤ لشکر تیار کیا اور بہت بڑی فوجی جمعیت اور سامان فراہم کر لیا ۔ ان کے مقابلے میں انقلابی مومنوں کی حالت بہت کمزور تھی ۔ ان کے پاس نہ پورا سامان جنگ تھا ' نہ ان کی تعداد زیادہ تھی ۔ البتہ انہیں یقین تھا کہ ہم سچائی پر ہیں ' اس لئے وہ مضبوطی سے اڑے رہے ' اور فتح نے

ان کے قدم چومے۔ پس یہ فتح اس بات کا نتیجہ تھی کہ انہیں اپنے مقصد کے سچے ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ یہ چیز رہتی دنیا تک تمام قوموں کے لئے ایک مثال ہے۔ پس جو لوگ عالمگیر انقلاب کے لئے اٹھیں، وہ اسی مقصد کو لے کر اٹھیں، جو صحیح انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہو، جیسے ان حجازی انقلابیوں نے کیا۔ وہ اس مقصد پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔ اس وقت ان کی فتح یقینی ہے۔

کفار جس پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں، وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ ایک چھوٹے سے طبقے کو پہنچتا ہے۔ اور اس میں خدا ترسی بھی صحیح شکل میں نہیں آتی، جو انسانیت کی طبعی پیاس بجھا سکے۔ لیکن قرآن حکیم کا پروگرام عوام کے فائدے کے لئے ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے اور اس کی دعوت بنیادی انسانیت کے لئے ہے، جو نہایت پائدار ——— حق ہے ——— ہے جب تک انسانیت موجود ہے۔ اس تعلیم کا قائم رہنا اٹل ہے۔ اس کے مقابلے میں جو غلط تعلیم آئے گی، وہ پاش پاش ہو جائے گی۔

اگلی آیت میں بتایا جاتا ہے، کہ اس قسم کی جنگ کے وقت کون سے قاعدے سامنے رکھنے چاہیں۔

آیت نمبر(۴) فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْ
هُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ
وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ترجمہ = سو جب تم دشمنوں کے مقابلے میں آؤ تو (ان کی) گردنیں مارو
کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو بندھن مضبوط کر لو۔ پھر یا احسان کرو یا معاوضہ لے لو، یہاں
تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہ سن چکے اور اگر اللہ چاہے تو ان سے بدلہ لے، لیکن

وہ تم کو ایک دوسرے سے جانچنا چاہتا ہے؟ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ان کے

عمل ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

(ا) ۔ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (جب اس تحریک کے نہ ماننے والوں سے تمہاری جنگ اور مقابلہ ہو' تو ان کی گردنیں مارو)

رجعت پسندوں کا خاتمہ کردو

انقلاب کا یہ لازم جز ہے کہ رجعت پسندوں کے غلبے کو پوری طرح توڑ دیا جائے ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جنگ میں ذرا بھی نرمی اختیار نہ کی جائے ۔

(ب) حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا دقف (یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو تو ان پر بندھن مضبوط کر لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے

رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو

مخالفین کی اتنی سرکوبی کرو کہ ان کے دلوں میں سے انقلابی جماعت کے خلاف کھڑے ہونے کا ارادہ نکل جائے ۔ جب وہ لڑنے سے رک جائیں تو انہیں گرفتار کر لو اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو کہ وہ اپنی تحریک کو زندہ نہ کر سکیں ۔ ان کی اشاعت اجتماع اور تنظیم کو روکنے کے لیے بندشیں لگا دی جائیں ' یہ بندشیں اور سختیاں اس وقت تک جاری رہنی چاہئیں جب تک ان کے حوصلے پست نہ ہو جائیں اور انقلاب کے مقابلے میں کوئی رجعت پسندانہ حرکت نہ کر سکیں اور لڑنے کا خیال قطعاً" ان کے ذہنوں سے نکل جائے گا۔

(ج) ۔ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (پھر بعد میں احسان کرو یا معاوضہ لو)

قیدیوں کے متعلق احکام

انقلاب میں جو قیدی گرفتار ہوں ' ان کے متعلق دو صورتیں ہو سکتی ہیں -

(۱) - انھیں معاوضے کے بغیر بطور احسان چھوڑ دیا جائے -

یہ ان لوگوں کے متعلق ہو سکتا ہے ' جو رجعت پسندی سے باز آ جائیں اور جن کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ واقعی آئندہ ہمارے مقابلہ میں نہیں آئیں گے -

(۲) - معاوضے لے کر چھوڑ دیا جائے -

اس کی چار شکلیں ہو سکتی ہیں -

(۱) - دشمن کے آدمی یرغمال کے طور پر لے لیے جائیں -

(۲) - مسلمان قیدیوں کے معاوضے میں رہا کر دیا جائے

(۳) - روپیہ لے کر رہا کر دیا جائے

(۴) - مکاتبت طے کر لی جائے -

یہ سب قواعد حالت جنگ کے لیے ہیں -

کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ اسلام میں "غلامی" نہیں ہے - ان کا یہ بیان ہے کہ " قرآن حکیم صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم دیتا ہے پھر یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے - وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انھیں ہمیشہ غلام بنا کر رکھا جائے - ان کی اولاد کو بھی غلام بنانا تو ایک طرف رہا - یہ جاہلیت کی رسم تھی کہ غلام بنانے کے بعد انھیں رہا نہ کرتے تھے - قرآن حکیم نے غلام بنانے کی جاہلی رسم کو قطعاً" موقوف کر دیا -

اور حکم دے دیا کہ مذکورہ بالا دو صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں انھیں رہا کر دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یورپ نے غلامی کی آزادی میں جو کچھ کیا وہ اسلام کی پیروی میں کیا۔

ہمارے نزدیک ان لوگوں کے نکالے ہوئے نتیجے پر ایک تاریخی اعتراض آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے پہلے دور میں اس پر عمل نظر نہیں آتا حالانکہ خلفاء راشدین ؓ کے عہد میں اس آیت پر ان معنوں میں سب سے پہلے عمل ہونا چاہیے تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غلامی کی تنسیخ کے متعلق جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے بہت ہی مبالغے سے کام لیا ہے خاص کر اس آیت سے دلیل لینا کہ غلامی منسوخ کر دی گئی ہے، تکلف سے خالی نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی شکلیں

اس آیت میں جو فِدَاءً (معاوضہ لے کر) آیا ہے اس سے فقط یہی مراد نہیں ہے کہ ان قیدیوں کی رہائی کے معاوضے کا روپیہ لے لیا جائے یا قیدیوں کا آپس میں ادلا بدلا کر لیا جائے، بلکہ ہمارے نزدیک اس میں مکاتبت بھی داخل ہے۔ ایک آدمی گرفتار ہو کر قید ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے کہ اس کے فدیے کا روپیہ دے کر رہا کرالے اور نہ دشمن کے پاس مسلم قیدی ہیں کہ ان میں سے کسی کے بدلے میں اسے رہائی ملے اور نہ اس کی ایسی حالت ہے کہ اسے بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔ ایسا جنگی قیدی یقیناً غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ ایسے غلاموں کے متعلق سورہ نور میں جداگانہ حکم موجود ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

تمہارے لونڈی غلام میں سے جو مکاتبت چاہیں ان کو مکاتبت دے دو، بشرطیکہ تم ان میں بھلائی دیکھو اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے انہیں کچھ دے دو۔

کن قیدیوں کو رہا کیا جائے؟

یہاں "بھلائی" سے مراد یہی ہے کہ وہ رہا ہونے کے بعد مسلمانوں سے جنگ نہ کریں یا اگر وہ مسلم سوسائٹی ہی میں رہنا پسند کریں تو اس پر کسی طرح سے بار نہ ہوں جب تک کسی شخص کے متعلق یہ ثابت نہ ہو کہ وہ جنگ سے باز آ جائے گا یا مسلم سوسائٹی کے لیے مضر یا بار ثابت نہ ہو گا اسے عمر بھر قید رکھنا جائز ہے لیکن جب اس کی "بھلائی" کا یقین ہو جائے تو اس سے مکاتبت کر لی جائے اور اس سے اس کا زر فدیہ قسطوں میں وصول کر لیا جائے۔ اگر وہ روپیہ ادا نہ کر سکے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس قیدی کی مالی مدد کریں اگر مسلمان اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے اس کی مدد نہ کر سکیں تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوۃ کے جمع کیے ہوئے مال سے اس مکاتب کو دے۔

بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگی قیدیوں کے معاملے میں قرآن حکیم نے جو قوانین دیئے ہیں ان میں خود ان قیدیوں کی بھلائی کا بھی بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی طرف ان لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی جنہوں نے غلامی کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق سیدنا عثمان کی شہادت تک کے زمانے میں ایک

واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کسی جنگی قیدی نے مکاتبت چاہی ہو اور اس حق سے محروم کیا گیا ہو ۔ اس دور میں اس قانون پر برابر عمل ہوتا رہا ۔ مگر بنی امیہ کے زمانے میں اس قانون سے غفلت شروع ہوئی البتہ اس زمانے میں مسلمان عالم اس غفلت پر تنبیہہ کرتے رہے گو بعد کی صدیوں میں امیر طبقے نے غلامی کو باقاعدہ جاری کر لیا جو بے حد افسوسناک ہے ۔

قید کے طریق

اصل بات یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے دو حصے ہوتے ہیں ۔ (ا) مرد اور (۲) عورتیں ۔ انہیں رکھنے کے بھی دو طریق ہو سکتے ہیں ۔

(ا) ۔ جداگانہ قید خانے بنا کر جیسے آج کل دستور ہے ۔

(ب) ۔ اپنی آبادی کے ساتھ مخلوط کر کے نگرانی میں لے لیا جائے ۔

جداگانہ قید خانے

قیدیوں کو جداگانہ قید خانوں Concent ation Camps میں رکھنے سے بہت سی خرابیاں اور فساد پیدا ہوتے ہیں ۔

(ا) ۔ قیدیوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں ۔ اور نہایت گندے گناہ مثلاً صدومت (Sodomy) جاری ہو جاتے ہیں ۔ اور رفتہ رفتہ ان کی انسانیت فنا ہو جاتی ہے اور وہ کسی اچھی سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں رہتے ۔

(۲) ۔ ان قیدیوں سے قید خانوں میں نہایت سخت مشقت لی جاتی ہے ۔

(۳) ۔ جو لوگ ان قیدیوں کی نگرانی کرتے ہیں وہ ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں ۔

(۴) - یہ قیدی انقلاب کو کبھی قبول نہیں کر سکتے اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات کو پرورش کرتے ہیں -

یہ خرابیاں انگلستان ' جرمنی اور دوسرے یورپی اور امریکی ملکوں کے قید خانوں میں بھی پائی جاتی ہیں - دوسری بڑی جنگ ۱۹۳۹-۴۵ء میں یورپی ملکوں نے اپنے دشمنوں کے قیدیوں سے جو وحشیانہ سلوک کیے ہیں ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں -

خاندانوں کے اندر قید

اسلامی قانون حکومت کو اجازت دیتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو جنگی قید خانوں میں رکھنے کے بجائے ذمہ دار خاندانوں میں تقسیم کر دے - اس نظام میں انھیں باقاعدہ طور پر گھروں میں جگہ دی جاتی ہے اور وہاں وہی کھانا اور لباس پاتے ہیں جو گھر والوں کو ملتا ہے - ان کے ساتھ سختی کا سلوک نہیں کیا جا سکتا - اور نہ ان سے سخت مشقت لی جا سکتی ہے - اس خانگی نگرانی میں وہ نکاح ' تجارت اور صنعت و حرفت بھی کر سکتے ہیں - اس طرح یہ قیدی اسلامی سوسائٹی میں ضم ہو جاتے ہیں - وہ گھر والوں سے اچھے اخلاق اخذ کرتے ہیں اور اسلام کی انقلابی تعلیم کو عملی شکل میں نہایت قریب سے دیکھتے ہیں - اس لیے امکان ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت اس تعلیم کو قبول کر لیں اور اسلامی سوسائٹی کے باقاعدہ رکن بن جائیں جیسے اوپر لکھا جا چکا ہے اسلام کے پہلے دور میں ان قانونوں پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا - بعد کی خلاف ورزیاں انھیں منسوخ نہیں کر سکتیں -

کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت ہے

غرض اسلام میں غلامی انقلابی روح کا نتیجہ ہے ایک شخص انقلاب کی طاقت کو فنا کرنے کے لیے میدان جنگ میں آتا ہے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ قانون کی نظر میں واجب القتل ہے۔ لیکن قرآن حکیم اس کی زندگی اس خیال سے بخش دیتا ہے کہ شاید وہ انقلابیوں کی نگرانی میں رہ کر اور قریب سے ان کا مطالعہ کر کے انقلاب کی حقیقت سمجھ لے۔ اور اس کی مخالفت ترک کر دے لیکن جو شخص اس انقلابی تحریک پر ایک غیر انقلابی کے نقطہ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے' اس کے نزدیک تو انسانیت کو ظلم سے بچانے کے لیے انقلاب کرنا ہی ناجائز ہے۔ وہ اس انقلاب کے دشمنوں کو دشمن کی حیثیت سے کس طرح دیکھ سکتا ہے اور ان دشمنوں کو واجب القتل کس طرح قرار دے سکتا ہے؟ اور جب وہ انہیں واجب القتل ہی نہیں سمجھتا تو ان کی جان بخشی کر کے اصلاح کی نیت سے انقلابیوں کی نگرانی میں دینا جسے عرف عام میں "غلامی" کہا جاتا ہے کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے؟ لیکن اس میں سارا قصور اس کی غیر انقلابی ذہنیت کا ہے۔ جب وہ اس معاملے پر انقلاب اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے نظر ڈالے گا۔ تو وہ دنیا کا بہترین حکیم ہونے کے باوجود اسلام کے نظام نگرانی سے بہتر نظام تجویز نہ کر سکے گا۔ اسلام محض "بلند" نظریات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ عملی زندگی کے لیے بہترین نظام عمل بھی ہے۔

غلامی کے منکروں کی غلطی

جو لوگ اسلام میں سے نام نہاد غلامی کا جز نکال کر اسے مغربی ملکوں کے نزدیک پیاری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ا

ملکوں میں بھی انقلابی موجود ہیں۔ جو اسلام کے ان " بہی خواہوں" کی وجہ سے اس عملی مذہب سے اس لیے نفرت کر سکتے ہیں کہ یہ انقلابی نقطہ نگاہ سے عمل کے قابل مذہب نہیں ہے۔ ایسے مذہب سے صرف انتہا پسند (Reactionaries) ہی خوش ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ پرست رجعت پسند مغربی اقوام نے غلاموں کو جو فرضی آزادی بخشی ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ گوری قوموں کو قانونا" غلامی سے مستثنٰی کر کے رنگ دار قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ اور اب تو گورے افراد کے متعلق بھی علانیہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں ان "آزاد" مزدوروں کی حالت غلاموں سے بد تر ہے مدان حالات پر کوئی مہذب قوم فخر نہیں کر سکتی۔

(د) ذٰلِكَ (یہ ہے قانون)

(ہ) وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا) یعنی خدا ہی اسباب پیدا کر کے انہیں سزا دیتا۔ مثلاً" زلزلہ' طوفان' وبائی بیماریاں وغیرہ کے ذریعے سے ظالم طبقات کو فنا کر دیتا۔

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے بعض کو بعض کے ذریعے سے)

تمہیں جنگ کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ تمہیں امتحان میں سے گزارا جائے۔ اور حقیقی انقلابیوں کو جو اس کی تعلیم کو سب سے اونچے درجے پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان و مال سب کچھ اس پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ ڈینگیں مارنے والوں سے جدا کر دیا جائے۔

(و) وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (اور جو لوگ قتل ہوئے اللہ کے رستے میں وہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں جانے دے گا)

شہید کی محنت ضائع نہیں جا سکتی :- اس طریقے میں یہ بات بھی پیش آئے گی کہ بعض حق پسند انقلابی شہید ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اگر وہ خود اپنی محنتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے تو دنیا میں ان کی نسلیں ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور ان کی ہم خیال جماعت حکومت و عزت پائے گی۔ اور مرنے کے بعد شہیدوں کو جنت میں بے حساب ترقی کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی۔

(۵) سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (انہیں راہ دے گا اور ان کا حال سنوارے گا)

چونکہ یہ لوگ حق کی حفاظت میں اپنی جان دے رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو ترقی کی راہ پر لگا دے گا۔ اور ان کی حالت اس زندگی میں ہی درست کر کے انہیں اونچے مرتبے پر پہنچا دے گا۔ اور مرنے کے بعد ان کی ترقی کا یہ سیدھا راستہ قائم رہے گا۔ اور وہ اس زندگی میں بھی اونچے درجے حاصل کرتے رہیں گے۔

آیت نمبر(۶) وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ○ اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جو انہیں معلوم کرا دی ہے۔

جنت کا تصور مادی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اوپر سے ایک ہی شکل میں آتی ہے لیکن مختلف مواطن (طبقات)(Stages) میں سے ہر موطن (Stage) میں اس درجے کے مطابق شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے بارش کہ وہ کرہ ہوا کے ٹھنڈے طبقے میں اولوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے نچلے طبقے میں پانی کے قطروں کی صورت میں اور جب زمین پر آتی ہیں تو زمین کے ہر ایک قطعے کے موافق مختلف تاثیریں پیدا کر لیتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ بنیادی قانون ہے۔

ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے وہ اپنی جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے کیا وہ مصر کے بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہو سکتا ہے ؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے۔ محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جنتیوں میں سے بعض چھوٹے درجے کے جنتی ایسے ہوں گے جنہیں وہ نعمتیں نصیب ہوں گی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی ان کا دسواں حصہ نصیب نہ ہوا ہو گا اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی ' ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی ہی میں فنا ہو گئی۔ اور اپنے معاشی ' معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کر کے اپنے اندر ان قانونوں کے مطابق کیے ہوئے عملوں کے جوہر نہ لے گی وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی ؟ غرض آزادی ' حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کر کے اس کے نیچے آزادی ' حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہو گی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی لذت اور راحت معلوم کرا دی گئی ہو گی جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس و عرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اس لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں

گے ۔ ہمارے نزدیک عَرَّفَهَا لَهُمْ کے یہ معنی ہیں (باقی صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

آیت نمبر (۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جما دے گا۔

کامیابی کی شرط

جب مسلمان تمام قوموں میں سے ظلم اور جہالت دور کرنے کا پکا ارادہ کرلیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیں تو وہ ضرور غالب آئیں گے یہی انقلاب ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان کی انقلابی جماعت چاہے وہ چھوٹی ہی ہو' بہت بڑی ارتجاعی طاقت پر غالب آ جائے گی کیونکہ اس انقلاب کی بنیاد علم' عقل اور عدل پر ہے۔ یہ انقلاب سب لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے گا۔

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (تمہارے پاؤں مضبوطی سے گاڑ دے گا)

پائیداری کی شکل

جب تک کوئی چیز سوسائٹی کے صرف عقلمند طبقے میں رہتی ہے اور عوام میں نہیں آتی ۔ وہ پائیدار نہیں ہوتی ۔ لیکن جب وہ عوام میں گھر کر لیتی ہے وہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے ۔ قرآن حکیم کا انقلاب کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے ۔ اسے عوام میں جاگزیں کرنا چاہیے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب جس جس علاقے میں سرایت کر گیا وہاں اب تک اس کا اثر باقی ہے ۔

آیت نمبر (۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ اس کے منکر ہوئے وہ منہ کے بل گرے اور ان کے کام کھو دیئے ۔

مخالفین کی ناکامی

جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ ناکام رہیں گے اور ان کے عمل اکارت جائیں گے وہ اپنی کوششوں سے جو نتیجہ پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ پیدا نہ ہو گا چونکہ وہ دنیا میں غلط پروگرام چلا رہے تھے۔ اس لیے مرنے کے بعد بھی وہ اپنے صحیح مقام پر نہ پہنچ سکیں گے۔

آیت نمبر(۹) ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ

ترجمہ یہ اس لیے کہ اللہ نے جو اتارا وہ انہیں پسند نہ آیا پھر اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسا پروگرام دیا ہے جو تمام انسانیت کے لیے مفید ہے اور قرآن کو ماننے والی جماعت اس تعلیم کو کامیاب بنانے اور انقلاب کرنے کے لیے اٹھی ہے اس کے مقابلے میں جو ارتجاعی ہیں وہ محدود طبقوں کے فائدے کے لیے لڑ رہے ہیں اس لیے یہ انقلابیوں کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مستقبل انقلابیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ وہی کامیاب ہوں گے۔

ناکامی کی تاریخی شہادتیں

اگلی آیتوں میں قرآنی انقلاب کی کامیابی پر تاریخی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت نمبر(۱۰) أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا

ترجمہ کیا وہ ملک میں پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ جو ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا اللہ

نے انہیں برباد کر دیا اور منکروں کے لیے ایسی ہی سزائیں ہیں۔

قرآنی انقلاب کے مخالفین گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس تحریک کی بنیاد عوام کی بھلائی اور اللہ کے ساتھ تعلق پر ہو وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے اور اس کے مخالفین ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ عرب میں حضرت صالح علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی مخالفت کرنے والی قوموں کے آثار موجود ہیں جب ان قوموں نے صالح انقلابی جماعت کا مقابلہ کیا اور ناکام رہے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں اس کے مقابلے میں یہ ارتجاعی کس طرح ٹھہر سکتے ہیں؟ یہ یقیناً ناکام رہیں گے اور برباد کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں قرآنی انقلاب پوری طرح کامیاب ہوا اور پھر بہت ہی بڑے کل قومی پیمانے پر تمام دنیا پر غالب آیا۔

○

جنگ کا انجام

آیت نمبر(۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

ترجمہ:۔ یہ اس لیے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کا رفیق تو خدا تعالی ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کا کوئی رفیق نہیں ہے۔

انقلابیوں کی کامیابی اس لیے یقینی ہے کہ ان کے ساتھ اللہ تعالی کی مدد ہے۔ وہ اس تحریک کو عوام تک پہنچانے کے لیے مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ ارتجاعی (Reactionaries) ناکام رہیں گے۔ کیونکہ ان کی تحریک عوام کے لیے مفید نہیں۔ اس لیے اللہ اسے پھیلنے سے روک دے گا۔

آیت نمبر(۲) اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ

ترجمہ:۔ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے (اس ایمان کے مطابق) اچھے کام کیے یقینا باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو منکر اور دشمن ہیں وہ ایسے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا گھر آگ ہے۔

کافر و مومن کا تقابل

قرآن حکیم کے بات کہنے کا یہ عام طریقہ ہے کہ وہ مومن اور کافر کا مقابلہ کر کے ایک کی برتری اور دوسرے کی ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی مومن اور کافر کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور کافروں کو بہت گری ہوئی حالت میں دکھایا گیا

ہے جو لوگ قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کو مان کر اسے عمل میں لانے اور اسے پھیلانے اور غالب کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہیں وہ مومن ہیں ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو اس تحریک کو اپنے ذاتی فائدوں کے خلاف سمجھتے ہیں ان لوگوں کا مطمع نظریا نصب العین حیوانیت سے اونچا نہیں اٹھتا وہ دنیا کو فقط اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہم اس سے کہاں تک لطف اٹھا سکتے ہیں مثلاً" لباس ' مکان ' کھانا اور دوسرا سامان عیش کتنا جمع کر سکتے ہیں اور اس سے کتنا مزہ پا سکتے ہیں۔ لیکن ایک حکیم جانتا ہے کہ حیوانی نَصْبُ الْعَیْن کو ترقی دینا انسانیت کے اصلی فائدوں کے بالکل خلاف ہے۔ جو قوم حیوانی نصب العین میں ترقی کرتی ہے وہ اپنے نفوس کے اندر ایسی گندی اور گرے ہوئے درجے کی عادتیں جمع کر لیتی ہے جو مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے جہنم پیدا کر دیں گی جو قوم دنیا میں قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرتی ہے وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کی خدمت کرنے والی اونچے درجے کی حکومت پیدا کر کے عزت حاصل کر لیتی ہے وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے نفوس کے اندر اس تعلیم و تربیت سے ایسی عادتوں کے نتیجے لے جاتی ہے جو اس کے لیے بہشت کی زندگی پیدا کر دیں گے۔

ان باتوں کو نہ سمجھنا اور دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آخرت کی زندگی تباہ کر لینا نری حیوانیت ہے۔

آیت نمبر (۱۳) وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ

ترجمہ۔ اور کتنی سوسائٹیاں تھیں جو اس تیری سوسائٹی سے جس نے تجھے نکالا ' زیادہ زور آور تھیں ' ہم نے انہیں غارت کر دیا۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔

مخالفین انقلاب کو تنبیہہ

مکے والوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو جو انہیں اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تعلیم دیتے تھے اتنا تنگ کیا کہ انہیں اپنے فکر کی حفاظت کرنے اور پھیلانے کے لیے مکہ معظمہ سے نکل جانا پڑا اور ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑا ۔ کیا دنیا کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے ؟ نہیں مکے والوں سے بھی زیادہ مالدار طاقتور اور مضبوط سوسائٹیاں اور حکومتیں دنیا میں ہو چکی ہیں جو انسانیت سے گر کر اور حیوانیت میں ترقی کر کے بے احتیاط زندگی بسر کرتی تھیں جب انہیں ان کی انسانیت یاد دلانے والے لوگ ان میں پیدا ہوئے تو انہوں نے ان نیک انسانوں کی مخالفت کی ' نتیجہ دنیا کی تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہے ۔ نمرود ' فرعون وغیرہ طاقتور تھے ۔ لیکن ان کے مقابلے میں ابراہیم علیہ السلام ' موسیٰ علیہ السلام وغیرہ باوجود کمزور ہونے کے کامیاب ہوئے ۔ ان "طاقتوروں" کی تباہی کا وقت آیا کسی طاقت نے ان کی مدد نہ کی اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی طاقت ظالم کو ہمیشہ اونچے مقام پر رکھ نہیں سکتی ۔ ظلم کو آخر گرنا ہے ۔ تو یہ بے چارے مکہ والے کب اس انجام سے بچ سکتے ہیں ؟ یہ ایسی جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں ۔ جو نہیں معلوم کتنے عظیم الشان کل قومی انقلابوں کی پیشرو (Pioneer) ثابت ہو گی ۔

آیت نمبر (۱۴) أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ○

ترجمہ:۔ بھلا جو لوگ اپنے رب کے واضح راستے میں ہیں ' ان کے برابر ہو سکتے ہیں جنہیں ان کا برا کام بھلا دکھایا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں ؟

ایک جماعت انقلاب کی بنیاد کو اپنی عقل سے صحیح جانتی ہے اور اپنے دل کی شہادت سے مانتی ہے اس کے برخلاف دوسری جماعت ہے جو اجتماعیات کے اس انقلابی اصول کو محض بناوٹ سے مانتی ہے ورنہ اصل میں اس کے افراد عوام سے انتفاع کے اصول پر جمع ہو گئے ہیں ان کا اجتماع ظاہری ہے ان کے عملوں کی جو اصل حقیقت ہے ' یعنی انتفاع (Exploitation) وہ نہایت گھناؤنی ہے - لیکن پراپیگنڈہ کے زور سے اسے قوم پروری ' خدمت وطن وغیرہ کے نہایت شاندار الفاظ سے ظاہر کر رہی ہے جیسے موجودہ زمانے میں یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں کا حال ہے - کہ ان کے آئین اور قانون کی بنیاد اصل میں تو انتفاع (Exploitation) پر ہے ' لیکن جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے اور عام لوگوں کو وہ نظام اچھا کر کے دکھایا جاتا ہے لیکن جب اس قسم کا نظام ایسے انقلابی سے ٹکراتا ہے جس کی بنیاد صحیح انسانیت پر ہو تو اس "خوشنما نظام" کا ٹوٹ جانا لازم ہے - فرعون ' نمرود ' قیصر و کسریٰ کے نظام اسی قسم کے تھے وہ ٹوٹ چکے آئندہ بھی ایسے نظاموں کا یہی حشر ہو گا - یہ کلیہ قاعدہ ہے -

وَاتَّبَعُوٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭ (چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر)

یہ لوگ فقط اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں جن کی بنیاد حیوانیت پر ہے ' ان کی کوئی عقلی یا اجتماعی بنیاد نہیں ہے - اگر ان کا پروگرام کامیاب ہو گیا تو یہ سرمایہ پرست جماعت اپنے فائدے کے لیے حکومت قائم کر کے بیٹھ جائے گی - اور عوام سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہے گا۔

آیت نمبر (۱۵) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ

ترجمہ۔ اس بہشت کا حال جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے اس میں دریا بہتے ہیں جن کے پانی میں بو نہیں ہے اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں بگڑا اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے لیے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا (صاف کیا) ہوا اور ان کے لیے وہاں سب طرح کے میوے ہیں اور معافی ہے ان کے رب سے، کیا یہ برابر ہیں ان کے جو آگ میں سدا رہے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے تو کاٹ نکالے ان کی آنتیں؟

بہشت کا تصور قومی نقطہ نگاہ سے

مرنے کے بعد کی زندگی، امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیقات کے مطابق 'مثالی زندگی' ہے۔ اس میں مادیات کا جوہر موجود ہے لیکن وہ مادی خواص سے بالکل پاک ہے۔ اس زندگی میں انسان کے عمل ہی مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر کے مختلف لذتیں اور عذاب کی صورتیں پیدا کر لیں گے۔ چنانچہ حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ حجتہ اللہ البالغہ (طبع مصر جلد اول صفحہ ۳۷) میں فرماتے ہیں کہ

"حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گی، وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے۔ اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی۔ لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلد سمجھ جائیں گے)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جنہیں تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً" حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہو گی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فیض حاصل کیا اور

اسے آگے بڑھانے میں جدوجہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہو گی جس میں پانی ہو گا یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادے کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں ' خوبصورت عورتوں ' عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے"۔

ایسے ہی تفہیمات الٰہیہ (مطبوعہ ڈابھیل) جلد اول صفحہ ۲۵۵ - ۲۵۳ میں فرماتے ہیں

" اس منزل (یعنی مادی دنیا :۔ مرتب) سے گزر جائے ۔ تو وہ ایک اور عالم میں داخل ہوتا ہے ' جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں ' جاتی رہتی ہیں ۔ اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضہ کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی ۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے ' وہ لنجا ' لنگڑا یا کانہ یا بوچہ ہوتا ہے ۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا"۔

ایسے ہی غیرمادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے ۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت مثالیہ صحیح ہو ۔ تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے ۔

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آ جاتے ہیں اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (بے شک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لیے آج تیری نگاہ تیز ہے۔ ۵۰/۲۲

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں مثلاً " میزان ' حساب ' تجلی الٰہی ' حوض کوثر ' اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں بائیں ہاتھ میں آ جانا ، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا۔ پل صراط سے گزرنا۔ چہروں کا سفید یا سیاہ ہو جانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہو گی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہو گی۔ مثلاً" ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہو گا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی اور وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہو گی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہو گی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہو گی اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہو گا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔"

ظاہر ہے کہ یہ تشبیہات ۱۷ ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی ۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسری چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لیے اس نے ان تشبیہات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے ۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے جس میں صاف بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالٰی کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے اور انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا ہے یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے ۔

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں ۔ اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے

تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے ۔ بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں ۱۸ اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں ۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دھل جاتی ہیں ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے روک نہیں لیا جاتا اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے اسی طرح

جو مسلمان انقلاب کی راہ میں اپنا جان و مال دے کر کامیاب ہو گئے ان کی معمولی (شخصی) غلطیاں ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں ۔ اس جماعت کی لغزشیں انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے دنیا بھول جاتی ہے ۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں وہ کسی شمار میں نہیں لائی جاتیں اور وہ معاف ہو جاتی ہیں ۔ اس آیت میں ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے ایک تو انقلابیوں کی حوصلہ افزاء کی گئی ہے کہ لغزشوں کے خوف سے انقلاب سے پیچھے نہ رہیں اور نہ ان منافقوں کی بات سنیں جو ان غلطیوں کا خوف دلا کر انقلاب کو ناجائز کہہ رہے ہیں ۔ دوسرے ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے مسلمانوں کے دلوں کا اطمینان پورا کر دیا گیا ہے تاکہ بے خوف ہو کر انقلاب کو کامیاب بنائیں ۔

انسان جب مادیات سے الگ ہو کر بہشت میں جائے گا تو اس کی فطرت بدل نہیں جائے گی بلکہ اس کے حیوانی جذبات ' نفس کی خواہشیں اور عقلی مطالبات اس کے ساتھ جائیں گے لیکن ان میں ترقی کا سلسلہ قائم رہے گا یہاں تک کہ انسان آخر کار اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے گا ۔ بہشت کی زندگی کا یہ سب سے اونچا مقام ہے ۔

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد ماجد (شیخ عبدالرحیم) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کے والد شیخ وجیہہ الدین دہلویؒ نے خواب میں جنت دیکھی ' جس میں ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں ۔ وہ رونے لگ گئے ۔ جنت میں جو لوگ متعین تھے وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس جگہ رونے کا کیا کام ؟ یہ تو آرام اور خوشی کا مقام ہے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھئی ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی حاجت نہیں ۔ ہمیں تو اور ہی چیز چاہیے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلیوں کا دیکھنا ان موکلوں کو الہام ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الواقعہ ۵۶م ۵۶)

یہ آخرت میں ان کے اترنے کا مقام ہے ۔ یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان پہلی مرتبہ آکر ٹھہرتے ہیں ۔ یہاں ذرا ستا کر ہمارے مشاہدے کے لیے ترقی کرو ۔ حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے ۔

غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے لیکن اس کی جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے 'انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی ۔ یہی حال جہنم کا ہے ۔ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے ۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے ۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے ۔ انہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے ۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا ۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ اس کی طرح جو آگ میں ہمیشہ رہے گا

اس کا عطف اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ پر ہے ۔ بَيِّنَة پر ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا ۔ جس شخص کے عمل اسے بھلے کر کے دکھائے گئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا ۔

کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں ؟

مخالفین انقلاب کی حالت

یہاں تک اس انقلاب کے غلبے کا ذکر تھا ۔ یہ بادشاہوں کے غلبے کی مانند نہیں ہے ۔ بلکہ وہ جنت کے پہنچوانے کا ذریعہ ہے ۔ اور راستے کی منزل ہے ۔ آیت نمبر۱۶ سے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے ۔ جو اس انقلاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے ۔

آیت نمبر (۱۰) وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ

ترجمہ :۔اور ان میں سے بعضے ہیں ' کہ تیری طرف کان رکھتے ہیں ۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلیں تو انہیں جنہیں علم ملا کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ابھی کیا کہا تھا ؟ یہ وہی ہیں ' جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں ۔

منافقین

وہ لوگ جو انقلاب کے مخالف ہیں ' یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تحریک کیا چاہتی ہے ؟ لیکن ان کا یہ رجحان وقتی ہوتا ہے ۔ وہ جھٹ اور طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ۔ وہ بعض مسلمانوں سے باتیں ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نہایت بد ذوقی کے ساتھ ۔ ان کا اصل منشاء یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس انقلاب کی حقیقت معلوم کریں ۔ بلکہ محض اپنے فائدوں کی حفاظت چاہتے ہیں وہ ان نازک جذبات سے بالکل کورے ہیں ۔ جو انسان کو گرے ہوئے طبقات کی مدد کے لیے اکسائیں ۔ اب ان میں سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رہا وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ چھوٹی چھوٹی جنگوں سے یہ انقلاب عرب پر کیسے قابض ہو جائے گا ۔ اور پھر ایک بین الاقوامی تحریک بن کر نمودار ہو گا ۔ اس بے سمجھی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا رہبر بنا رکھا ہے ۔ وہ قانون کی پابندی کرنا نہیں چاہتے اس لیے وہ اس عظیم الشان انسانیت گیر انقلاب کے نتیجے سمجھ نہیں سکتے ۔ یہ لوگ ایک قسم کے نفاق میں مبتلا ہیں ۔

اپنی خواہشوں کی پیروی یا تو جاہل لوگ کرتے ہیں ۔ یا وہ مالدار جو خدا کو یاد نہیں کرتے ۔

آیت نمبر (۱۷) وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ

اور جو لوگ راہ پر آئے انہیں اور دی سوجھ اور پرہیزگاری

مومنین کی حالت

ان منافقوں کے برخلاف وہ مومن ہیں جو اس انقلاب کو خوب سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک انسانیت کی خدمت کرنے اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے انہیں جب اس سلسلے میں کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو وہ جھٹ اسے سمجھ لیتے ہیں اور کام پر لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا اور جب ملک میں ظلم غالب آ جائے تو اسے دور کرنے والے لوگ کھڑے ہو جائیں وہ اس حقیقت کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کو جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے، تو یہ انسانیت میں سے ظلم دور کر کے حق قائم کرنے کے لیے ہے اور حق قائم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف

تقویٰ سے مراد انسان کا وہ صحیح وجدان ہے جو ظلم کو پہچان لیتا ہے اور اس میں پھنسنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور تصنیف "غنیۃ الطالبین" میں تقویٰ کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے، اجتماع انسانی میں احسانی حالت پیدا کرنے اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش اور منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔

اس آیت میں عدل سے مراد اجتماع انسانی میں مساوات قائم کرنا ہے۔ تاکہ ہر ایک فرد کی زندگی کی ضرورتیں آسانی کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔ احسان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اس طرح بجا لائے گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ یا کم سے کم اس یقین کے ساتھ بجا لائے کہ وہ ہر لحہ انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور ایک دن اس سے جواب طلبی کرے گا۔ ایتاء ذی القربیٰ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی انسان کو جس سے قریبی تعلق ہے بھوکا نہ سونے دے۔ ننگا نہ رہنے دے۔ فحشاء منکر اور بغیٰ نافرمانی کے تین درجے ہیں۔ پہلے تین اجزاء ' عدل ' احسان اور ایتاء ذی القربیٰ مثبت ہیں اور آخری تین اجزاء۔ فحشاء ' منکر اور بغیٰ۔ منفی ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد عدل اور ذمہ داری کا احساس ہے۔ پس اٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ (انہیں تقویٰ دیا) سے مراد یہی عدل اور احساس ذمہ داری کا پیدا کرنا ہے جس جماعت کے افراد میں یہ چیز پیدا ہو جائے وہ ظلم کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی کی طرف سے اور چاہے اس کے اپنے اندر ہو یا کسی اور اجتماع کے اندر۔

قرآن کا انقلاب اجتماع انسانی میں یہی تقویٰ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اجتماع میں سے ہر ایک قسم کا ظلم دور کرنے کے لیے اپنا جان و مال سب کچھ قربان کرنے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے عملوں کی جوابدہی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

آیت نمبر (۱۸) فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ' فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا

ترجمہ۔ اب یہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر اچانک آ کھڑی ہو اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔

الساعۃ سے کیا مراد ہے؟

الساعۃ سے مراد پہلے درجے میں اس دنیا میں انقلاب کی گھڑی ہے اور کامل درجے میں انسانیت عامہ کے اس انقلاب کا وقت ہے جب ساری نوع انسان کو خدا کی تجلی کے سامنے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہو گی۔

اس سے پہلی آیت میں جس تقویٰ کا ذکر ہے اسے اگر اس السَّاعۃ سے ملایا جائے تو مراد یہ ہو گی کہ اجتماع انسانی میں کل قومی پیمانے پر تقویٰ قائم کرنے کی جس انقلابی گھڑی کا انسانیت کو انتظار تھا۔ اس کی نشانیاں آ گئی ہیں۔ اب اپنے آپ کو اس انقلاب کے قبول کرنے کے لیے تیار کر لو۔ یعنی اس انقلاب کے حصہ دار بن جاؤ تو بچ جاؤ گے نہیں تو پس جاؤ گے۔

ہمارے نزدیک قرآن حکیم کے بین الاقوامی انقلاب کی آمد کی خبر دینے والی پہلی سورت "النحل" ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا امر آ گیا ہے۔ جلدی مت کرو) (۱۶ر۱)۔ اس میں بھی اَمْرُ اللہ سے عالمگیر انقلاب (World Revolution) مراد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

سورۃ فتح (۴۸ر ۲۸ سورۃ صف (۶۱ر ۹)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اسے تمام نظامہائے ثقافت یعنی ادیان پر غالب کرے۔ (مرتب)

اب جب مومنین اسی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور انہوں نے وہ شرطیں پوری کر لی ہیں جو اس انقلاب کے لیے ضروری ہیں، ان کی کامیابی کی گھڑی جو انقلاب کی ساعت ہے، اچانک ہی آ جائے گی۔ چنانچہ جب

مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی اور انقلابی فوجیں یکایک مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر اس پر قابض ہو گئیں۔

(ب) فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ○

ترجمہ۔ پھر کہاں نصیب ہو گا انہیں جب آ جائے گی ان کی یاد دہانی؟

جب انقلاب کی گھڑی آ پہنچی اور مومنوں کا غلبہ اور کافروں کی شکست اٹل ہو گئی تو اس وقت یاد دہانی کا وقت نہیں ہوتا۔ اس لیے ان لوگوں کو ابھی سے سمجھ جانا چاہیے اور انقلاب کی قوتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ نہیں تو وہ پیس ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۹ (الف) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔

اس انقلاب کی غرض

یہ انقلاب اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی۔ چاہے وہ شخص نبی اکرمؐ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ خاندان بنی ہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ انہیں معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ

اپنے پاس سے دے گا۔ وہ دنیاوی اجر کی خاطر کام نہیں کر رہے۔

نبی قانون کی آخری اپیل کا مقام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف قانونی غلطی تو منسوب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے نبی اکرم قانون کے لحاظ سے تو غلطیوں سے پاک ہیں لیکن اپنی جماعت کے لیڈر ہونے کی وجہ سے ان غلطیوں کے ذمہ دار ہیں جو انقلاب کے دوران میں آپؐ کے ساتھیوں سے ہوئیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں کی بھی تلافی کریں جو ان کی معافی کا سبب بن جائے (اس مسئلے پر مزید روشنی سورہ فتح میں ڈالی گئی ہے)

(ب) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ترجمہ۔ اللہ تمہارے لوٹنے کی جگہ اور گھر جانتا ہے۔

تم اس انقلاب میں کس نتیجے پر جا کر ٹھہرو گے اور راستے میں تمہیں کیا کیا دقتیں اور تکلیفیں پیش آئیں گی؟ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم اپنا کام کیئے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری منزل کی تیاری تم سے کراتا رہے گا۔

○

منافقوں کی حالت

آیت نمبر ۲۰ (الف) وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ

ترجمہ :۔ اور ایمان والے کہتے ہیں کہ ایک سورت کیوں نہ اتری ؟

مومنین اور قتال

مومنوں کی ایک جماعت انقلاب کی پہلی صف میں آنے کے لیئے بے تاب ہے ۔ وہ چاہتی ہے کہ جنگ کا حکم ملے اور وہ ارتجاعیوں (Reactionaries) کا سر کچل ڈالیں ۔

(ب) فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ

ترجمہ۔ جب ایسی سورت اتری جس میں جنگ کا ذکر آگیا اور وہ ذکر بھی ایسا صاف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے ۔

ترقی کن انقلابی مومنوں کی جماعت جنگ کے لیے آمادہ ہے اس کی خاطر جنگ کی سورت ۔ سورہ قتال ۔ نازل ہو گئی ہے ۔ اس سورت میں جنگ کا حکم ایسے الفاظ میں آگیا ہے کہ ان سے مراد فقط میدان جنگ میں جا کر لڑنا ہے ۔ پھر یا مارنا ہے یا مرنا ہے ۔ اس کے سوا اس کی اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی ۔ اس سورت کی چوتھی آیت جس میں جنگ کا ذکر ہے ایسی ہی آیت ہے ۔

(ج) رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ترجمہ۔ تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں گویا ان پر موت کی سی غشی طاری ہو گئی ہے ۔

منافقین اور جنگ

یہ جنگ کا حکم سن کر منافقوں پر جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے ' موت کی سی غشی چھا جاتی ہے کیونکہ ان کی خواہش تو یہ ہے کہ انقلاب برپا ہو جائے اور وہ حکومت قائم کرلیں لیکن لڑنا نہ پڑے کیونکہ اس میں جان اور مال جانے کا خطرہ ہے۔

انسانیت کے تمام طبقے یکساں نہیں ہیں ۔ بلکہ اس میں کئی قسم کے لوگ ہیں ہرگروہ اپنے عقیدے پر قائم ہے ۔ ان کے درمیان بے شمار قسم کے جھگڑے ہیں ۔ اگر انقلابی جماعت اپنے مخالف ارتجاعیوں (Reactionaries) کو مہلت دے ' انہیں غلط پروگرام پر رہنے دے اور قتل نہ کرے تو وہ ارتجاعی (Reactionaries) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انقلابی جماعت کمزور ہے اور وہ ارتجاعی جرأت پا کر انہیں تباہ کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں کیا اس صورت میں جنگ کے بغیر انقلاب آ سکتا ہے ؟ اگر انقلابی جماعت لڑائی نہ کرے تو بھی ارتجاعی (Reactionaries) ضرور جنگ کی طرح ڈالتے ہیں ۔ اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو جماعت اس حالت پر راضی رہتی ہے اور جنگ و قتال کا نظام اپنے اندر قائم نہیں کرتی وہ کبھی اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی ۔ اب یہ انقلابی چاہتے ہیں کہ انہیں جنگ کی اجازت مل جائے لیکن ان میں جو منافق ہیں وہ جنگ سے گھبراتے ہیں ۔ جنگ کی اجازت آتے ہی ان پر موت کی سی غشی چھا گئی ۔

(د)۔ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ترجمہ تو خرابی ہے ان کے لیے

اگر یہ لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں ۔ اور اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار نہ کرلیں ۔ تو ان کا انجام اچھا نہ ہو گا اور یہ لوگ ہوتے ہوتے ارتجاعی (Reactionary) بن جائیں گے جو کفر ہے ۔

آیت نمبر ۲۱ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

ترجمہ:۔ حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی ' پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کا بھلا ہے

(الف) طاعۃ وقول معروف ترجمہ:۔ حکم ماننا اور بھلی بات کہنا)

جو شخص اطاعت اور قول معروف پر بیعت کر کے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جائے ' اس سے پہلے ہی دن جواب طلبی کی جا سکتی ہے۔

قولِ معروف کیا ہے؟

جماعت کے منظور کیے ہوئے قاعدوں کے اندر جو حکم دیا جائے وہ قول معروف ہوتا ہے۔

اگرچہ ظاہر میں ان لفظوں سے کوئی خاص بات سمجھی نہیں جا سکتی۔ لیکن فرمانبرداری کا پکا وعدہ اور جماعت کے فیصلے کو ہر حالت میں مان لینے کا پکا ارادہ ایک سچے انسان کو جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کر سکتا ہے ' یہی انقلاب ہے۔

(ب):۔ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

ترجمہ:۔ جب تاکید ہو کام کی ' تو اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے

مومنوں کی انقلابی جماعت اس بات پر جمع ہو جائے کہ جنگ کا وقت آ گیا ہے تو اس وقت قول معروف یہی ہے کہ ان کی اجماعی بات کی اطاعت کی جائے کیونکہ بیعت کی شرط یہی ہے۔ اب اگر اپنی بیعت کے قول کو صدق اور صفائی کے ساتھ پورا کر دیا جائے تو یہ اچھا ہے کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ میں جان بچے گی یا نہیں اور اگر جنگ میں کامیاب ہو گئے تو انقلابی حکومت کا قیام یقینی ہے۔ حکومت تک پہنچانے کے لیے بیعت کے قول کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جنگ سے جی چرانا سخت جرم اور گناہ ہے۔

آیت نمبر ۲۲ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○

ترجمہ:۔ پھر تم سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو تم ملک میں خرابی ڈالو گے اور قرابتیں کاٹو گے۔

منافقین کو کوئی ذمہ دار پوزیشن نہیں دی جا سکتی

جو لوگ آج جنگ میں جانے سے جی چراتے ہیں اور جنگ کے قانون کی پیروی نہیں کرنا چاہتے وہ امن کے زمانے میں قانون کی پابندی کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا یہ لوگ اس وقت عام ملکی قانون کی خلاف ورزی نہ کریں گے؟ ہمسایوں اور ہم وطنوں کے حقوق پامال نہ کریں گے؟ فطری رشتے کاٹ نہ ڈالیں گے؟

ایک آدمی جو قانون کے اندر رہ کر میدان جنگ میں جاتا ہے اور اپنے افسر کی ماتحتی میں نیک نامی سے فارغ ہوتا ہے۔ وہ اخلاق کی سند لے کر آتا ہے اگر اسے امن کے زمانے میں حاکم بنا دیا جائے تو وہ قانون کو خوب چلائے گا اور اعلیٰ پیمانے پر ضبط قائم رکھے گا اور اپنے افسران اعلیٰ کی پوری پوری اطاعت کرے گا۔ لیکن جو لوگ قانون کے اندر رہ کر لڑائی میں حصہ لینا نہیں چاہتے' وہ حاکم بنتے ہیں تو عام طور پر شہوت رانی اور جذبات انتقام پورا کرنے کے لیے حکومت کرتے ہیں جو لوگ جنگ کے وقت گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور لڑائی سے جی چراتے ہیں۔ وہ امید رکھتے ہیں کہ لڑائی کے بعد جب موقع آئے گا تو انہیں حکمران بنا دیا جائے گا یہ لوگ بہت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ لوگ حکومت کریں گے تو ہر قسم کے سماجی فسادات پیدا کریں گے پس جو لوگ قرآن کی اطاعت کا عہد توڑیں گے اگر انہیں

حکومت دی گئی تو وہاں بھی کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔

یہ منافقوں اور کمزور دل لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ (Analysis) ہے۔ اسے تاریخ اسلام کے کسی خاص عہد سے کوئی تعلق نہیں۔

آیت نمبر ۲۳ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ

ترجمہ:۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں موند دیں۔

منافقین کی غلط ذہنیت

مسلمانوں کی جماعت میں جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے۔ شامل ہونا اور اللہ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے خدا تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں۔ وہ اس نعمت سے محروم ہیں وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آگئی ہے وہ اس جماعت سے الگ ہو جائیں گے یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے اس سے ارتجاعی (Reactionary) قوتیں چھٹ جاتی ہیں اور ترقی کن طاقتیں برسراقتدار آ جاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن حکیم کی حکمت یہ نا سمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں۔ نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتویٰ اور حکم دینا ہے۔ لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم

سب سے زیادہ یاد تھا جب وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس سے کسی نے کہا کہ آپ جنگ پر نہ جائیں اور یہیں رہ کر تعلیم دیں اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جاننے والوں میں سب سے برا میں ہوں کیونکہ ایسے موقعے پر پیچھے رہنے کی خواہش صرف بزدل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اپنے لیے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا کہ جنگ کو فرض جان کر بھی جنگ میں شریک نہ ہو یا جنگ کی تیاری نہ کرے اور وعظ کہتا پھرے

انقلاب اور جہاد

اب آیت نمبر ۲۴ سے ۲۸ تک ان مرتدین کا ذکر آتا ہے جو جنگ سے بھاگتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۴ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۞ ؟

ترجمہ:۔ کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں ؟

جو لوگ قرآن حکیم کے صریح احکام کے باوجود جنگ یا اس کی تیاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دلوں سے رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی سمجھ نکل جاتی ہے (خدا اس سے بچائے) کیا یہ دیکھتے نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر آپ جنگ میں شہید ہو جاتے تو تحریک اسلام کو کتنا خطرناک نقصان پہنچتا ؟ پھر بھی آپ ہمیشہ جنگ میں شرکت فرماتے رہے اور کبھی اس سے جی نہ چرایا یہاں تک کہ سورہ توبہ کے الفاظ میں آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۹،۱۲۹ (اگر یہ جنگ میں نہ جائیں تو اکیلے جنگ پر جاؤ اور لڑو۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے) تو کیا ہمارے عالمان قرآن اسے نہیں سمجھتے ؟ یہ کیوں اس سے جی چراتے ہیں ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس

بات کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے ان پر خدا کا غضب ہے جس فرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بری نہیں ہیں اس سے کون بری ہو سکتا ہے پس ہر ایک عالم و عامی کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم کو غالب کرنے کے لیے لادینیت کی ہر شکل کے خلاف انقلاب لانے کی پوری پوری کوشش کرے ۔ اور اگر اس میں اسے مال و جان کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو برداشت کرے ۔

آیت نمبر ۲۵ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ

ترجمہ:۔ جو لوگ سیدھی راہ دیکھ لینے کے بعد پیٹھ دکھا گئے ۔ ان کے دلوں میں شیطان نے کوئی بات بنائی ہے اور ان سے دیر کے وعدے کیے ہیں ۔

نماز ' روزہ ' اور قتال

جو لوگ مسئلہ قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویلیں کرتے پھریں اور اس فرض سے بچنے کے لیے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں مثلاً کہیں ' کہ ہماری سرحد پر جنگ نہیں ہے یا ملک میں مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے ۔ مسلمان بے حد کمزور اور پراگندہ ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ انہیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز ' روزہ وغیرہ فرائض تو مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں ۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے اور رہنے کے لیے یہ شعار (خاص نشان) کی طرح ہیں ۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے یا پابندی کے ساتھ بجا نہیں لاتا ۔ اس کی وفاداری اس جماعت کے ساتھ پکی نہیں سمجھی جا سکتی ۔ اس جماعت کی تنظیم میں داخل ہونے کا جو اصل مقصد ہے اور جس کے لیے نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تسلیم کرنا اور پابندی کے ساتھ بجا لانا پہلی شرط ہے وہ یہ ہے کہ دنیا

سے ظلم دور کیا جائے ۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے مثلاً" ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدم توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں ۔ انہیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکر معاش سے نجات پا کر اللہ کی یاد میں لگ سکیں ۔ ہر ایک اس شخص کا فرض ہے ۔ جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا جب وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز ' روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے ۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں گویا وہ اپنے نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں ان کے یہ عمل بھی کام نہ دیں گے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے جیسے کوئی کاشتکار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے ۔ کیونکہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے؟ اسی طرح جب خوشے نکل آئیں تو ان کی حفاظت ضروری ہے ۔ اگر اب یہ کام نہ کیا تو پانی دینے تک سب عمل بے کار

جائیں گے اس پر اگلے باقی کاموں کو سوچ لینا چاہیے۔

اسی طرح اسلام میں ایک عمل کر کے اس کے بعد دوسرا عمل نہ کیا تو پہلے سارے عمل بیکار ہو جاتے ہیں مثلاً" نمازیں پڑھیں لیکن جہاد نہ کیا یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی تو سب عمل اکارت گئے دنیا کا نظام اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل کے بعد دوسرا زور دار عمل نہ کیا جائے تو پہلے عمل کا نتیجہ بھی اکارت چلا جاتا ہے بس جہاں انسان ٹھہر جاتا ہے وہیں سب عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ زندگی چلنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے اس میں جمود کا نام موت ہے

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی صلح کی (جس کا ذکر اگلی سورت میں آتا ہے) تو عرب میں آپ کی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی اس قومی انقلاب کی منزل سے اگلی منزل۔ کل قومی انقلاب۔ کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کی طرف خط لکھ کر انہیں دھمکایا کہ اگر وہ اس انقلاب میں شریک نہ ہوں گے تو وہ برباد کر دیئے جائیں گے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (الم نشرح۔ ۹۴ر۷) (جب تو ایک کام سے فارغ ہو جائے تو پھر محنت کے لئے اٹھ کھڑا ہو) یعنی ایک کام سے فارغ ہوتے ہی دوسرا زور دار کام شروع کر دو۔

آیت نمبر ۲۶ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ○

ترجمہ :۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے بیزار ہیں کہا کہ ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے کاموں میں اور اللہ ان کا خفیہ مشورہ کرنا جانتا ہے۔

منافقین اور کفار کا سمجھوتہ

یہ منافقین اور کمزور دل لوگ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر جنگ سے گریز کرتے ہیں تو اس کا بھید یہ ہے کہ ان منافقوں نے قرآن حکیم کے مخالفوں سے سازش کر رکھی ہے انہوں نے ان کافروں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ان کی تھوڑی بہت مخالفت کرتے رہیں گے لیکن میدان جنگ میں جا کر ان کے خلاف لڑیں گے نہیں۔

آیت نمبر ۲۷ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ

ترجمہ۔ پھر کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے' ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے۔

یہ لوگ جو حق کا راستہ چھوڑ کر جھوٹ کا راستہ اختیار کر رہے ہیں یعنی باطل کے خلاف میدان میں نہیں آتے' یہ مریں گے تو انہیں سخت عذاب دیا جائے گا اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے۔

آیت نمبر ۲۸ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ

ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ وہ چلے وہ راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے اس کی خوشنودی ناپسند کی۔ چنانچہ اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔

انہیں موت کے وقت یہ دردناک عذاب اس لیے ملے گا کہ یہ لوگ اس بات سے بھٹک گئے جو خدا کو پسند تھی۔ اب ان کے تمام نام نہاد نیک اعمال بے نتیجہ ہیں۔ اب ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن مغرب کی طرف رخ کر کے چل دے وہ چلے گا بھی فاصلہ بھی طے کرے گا اپنے بدن کو

تھکائے گا بھی لیکن اصل منزل پر نہ پہنچ سکے گا اس لیے اصل منزل کے لحاظ سے یہی کہا جائے گا کہ اس کے سفر کا عمل اکارت گیا حالانکہ مغرب کو چلنا بجائے خود ایک عمل ہے اگر وہ صحیح سمت کو کیا جاتا تو نتیجہ پیدا کرتا لیکن سمت بدل جانے سے نتیجہ خیز نہ رہا ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے اچھے عمل نتیجہ خیز نہ ہوں گے کیونکہ یہ انسانیت میں سے ظلم دور کرنے کے لیے جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

صوفیاء کا فریضہ

ہم نے ہند کے مسلمانوں کی طرف سے پہلی عمومی جنگ ۱۸-۱۹۱۴ء میں حصہ لے کر بعض باتیں اپنے تجربے سے دیکھیں جن کا ہمیں اپنی پڑھنے پڑھانے کی زندگی میں کبھی سان گمان بھی نہ ہوتا[۱۹] اس تجربے سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے دینی علوم اور ارشاد و احسان[۲۰] بہترین عملوں میں سے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان عملوں سے کسی حالت یا کسی شکل میں کافروں کی مدد نہ ہوتی ہو نہیں تو اللہ تعالیٰ ان نیک عملوں کو بھی بے کار اور بے اثر کر دیتا ہے۔ مثلاً" اگر کوئی صوفی اپنے مریدوں کو اللہ اللہ کرنے میں لگا رکھتا ہے۔ کہ وہ انہیں قرآن حکیم کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تیار نہیں کر سکتا اور اس طرح کافروں کو فائدہ پہنچتا ہے' تو ان نیک عملوں کے فائدے مند ہونے میں شبہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد اور امر بالمعروف کے مسئلے میں فقیہ رازی[۲۱] نے "احکام القرآن" میں نہایت اچھی طرح کھول کر بات کی ہے۔ ہمارے لئے وہ کافی اور شافی ہے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے طریق پر انقلابی روح قائم رکھی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ حنیفہ کے لئے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک سے

پیچھے رہنے کا کوئی عذر باقی رہ گیا ہے[۲۲]

آیت نمبر ۲۹۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ؟

ترجمہ :۔ کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے خیال کرتے ہیں۔ کہ اللہ ان کے کینے ظاہر نہ کرے گا؟

کیا ان منافقوں کا یہ خیال ہے ۔ کہ ان کی خیانت ' ان کی بے ایمانی اور بد دیانتی ظاہر نہ کی جائے گی ۔ ایک نہ ایک دن ان کی دوستی دشمنی کا فیصلہ کرنا ہو گا ' ان کی خفیہ سازشیں ہرگز قائم رہنے نہیں دی جا سکتیں۔

آیت نمبر ۳۰ .وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ○

ترجمہ:۔ اگر ہم چاہیں ' تو تجھے وہ لوگ دکھا دیں اور تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے (اور اب بھی) تو ان کی بات کے ڈھب سے انہیں پہچان لے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔

اگر خدا چاہے ' تو آپ کو ان لوگوں کی شناخت ان کے چہروں سے ہو جائے لیکن وہ چاہتا ہے کہ آپ کو ان منافقین کی کوئی ایسی عام نشانی بتا دے ' کہ وہ قاعدے میں آ سکے ۔ مثلاً " ان کی بول چال اور لب و لہجہ سے آپ جان سکتے ہیں کہ کس طرح جنگ کی بات ٹال جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۱ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ

ترجمہ :۔ اور البتہ ہم تمہیں جانچیں گے ۔ تا کہ معلوم کر لیں کہ تم میں لڑائی کرنے والے اور قائم رہنے والے کون ہیں اور تمہاری خبریں تحقیق کر لیں۔

منافقوں کا اخراج

اور اگر کمزور لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ ہو جائیں ' تو منافق بن جاتے ہیں۔ انقلاب کی حالت میں جنگ کے وقت مجاہدین اور منافقین کی تمیز لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبردار کر دیا۔ اور وہ اپنے اجتہاد سے انہیں پہچان لیتا ہے۔ اور انہیں مسلمانوں کی پہلی لائن سے نکال دیتا ہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانے میں فرمایا تھا کہ اب جب مسلمان مضبوط ہو گئے ہیں۔ ہم منافقین کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کر سکتے جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔

منافقین کو پہلی لائن سے نکال دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے ' جب حکومت منظم ہو جائے۔ شروع شروع میں حکومت منظم نہ تھی ' کہ انہیں باہر نکال دیتی یا انہیں سزا دیتی۔ حکومت منظم ہو جانے کے بعد منافقین کو صرف نکالا ہی نہیں جائے گا ' بلکہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہو گا ' جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو ان کے حق میں بولنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

ہم انقلابی جماعت کے لئے یہ شرط مقرر کرتے کہ وہ منافقین کو ہرگز جماعت میں قبول نہ کرے۔ اور جب وہ شامل ہو جائیں ' تو انہیں اس وقت تک نہ نکالے جب تک تنظیم مکمل نہ ہو جائے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صبر سے کام لے۔

آیت نمبر ۳۲ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدٰی لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَھُمْ

ترجمہ :۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہو گئے رسولؐ کے ' سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد ' وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام۔

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر ۳۳ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ○

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ! اللہ کے حکم پر چلو ' اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے معنیٰ

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہی کے قدموں کے نشانوں پر چلو ۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کر لو تم جو نماز' روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو ' وہ اس مقصد کی تمہید تھی ۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے بھول گئے' یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے ۔ تو پہلے کیے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

آیت نمبر (۳۴) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ

ترجمہ :۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا ۔ پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے ' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

کفار کا انجام

جو لوگ قرآن کی حکومت اور اس کے نظام کے قیام کی مخالفت پر اڑے رہے اور لوگوں کو اس نظام پر چلنے سے روکتے رہے ' لڑکر پراپیگنڈہ کر کے یا کسی اور طرح مجبور کر کے ' تو اگر وہ اسی حالت میں مر گئے اور انہوں نے اس انقلاب میں حصہ نہ لیا' تو مرنے کے بعد کی زندگی میں ان کی ترقی رک جائے گی ۔ اور وہ جہنم کے جس گڑھے میں پڑیں گے ' اسی میں پڑے رہیں گے۔

آیت نمبر (۳۵) فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

ترجمہ :۔ تم بودے نہ ہوئے جاؤ۔ کہ پکارنے لگو صلح اور تم غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمہیں تمہارے کاموں میں۔

پائیداری کی ضرورت

تمہیں چاہیے' کہ بودے پن کا اظہار کر کے " صلح !" مت پکارنے لگو۔ بلکہ پائیداری اور بہادری کے ساتھ جنگ کرو۔ اللہ کی تمام قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم یقیناً کامیاب ہو گے ۔ دوسری جگہ ہے ۔ کہ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا الانفال ۸ر ۶۱ (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں ' تو تم بھی جھک جاؤ) یعنی اگر مخالفین صلح کی درخواست کریں ' تو اس وقت صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہئے ۔ لیکن خود کمزوری دکھا کر صلح کرنے سے موت بہتر ہے ۔ اگر تم قرآن حکیم کو بلند کرنے یا اسے بلند رکھنے کے لئے لڑو گے ۔ تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد ' عورت ' بچہ ' بوڑھا میدان جنگ میں جائے مگر یہ

ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی شکل میں جنگ میں حصہ لے (تفصیل سورۃ فتح میں آئی ہے)۔

آیت نمبر(۳۶) إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ أُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۔

ترجمہ :۔ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے (یعنی عدل کرو گے) تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال نہ مانگے گا۔

مال خرچ کرنے کی ضرورت

ادنیٰ درجے کی زندگی یعنی حیوانی زندگی جو عقل کے ماتحت نہ ہو اور جس کی غرض انسانیت کو ترقی دینا نہ ہو لغو اور بے ہودہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا لیکن تمہاری جان اور تمہارا مال خود تمہارے اپنے صحیح نظام کے قیام پر خرچ ہونا ضروری ہے ۔ اگر تم اس نظام کو مان کر انصاف اور عدل قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے تو اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا ۔ خدا تو غنی ہے ۔ اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق جنگ میں حصہ لے ۔

غرض اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے ہی سے انقلابی تحریک کو ترقی ہوتی ہے ۔

آیت نمبر ۳۷ إِنْ يَسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ

ترجمہ:۔ اور اگر وہ تم سے مال مانگے اور پھر تم کو تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ ظاہر کر دے تمہارے دل کی تنگیاں ۔

انقلابی پارٹی اپنے ممبروں کا سارا مال طلب نہ کرے ورنہ یا تو وہ چھپا لیا کریں گے یا ان کے دلوں میں میل آ جائے گا اور وہ تحریک میں پوری خوشدلی کے ساتھ حصہ نہیں لے سکیں گے ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بقدر ضرورت رکھ لے اور باقی مال تحریک کے لے دے دے۔

آیت نمبر ۳۸ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم

ترجمہ:۔ سنتے ہو تم! لوگ تمہیں بلاتے ہیں۔ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو پھر تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ خرچ کرنا نہیں چاہتا جو شخص بخل کرے گا وہ اپنے آپ سے بخل کرے گا۔ اللہ تو بے نیاز ہے تم ہی محتاج ہو۔ اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہاری جگہ پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔

تحریک کا تقاضا ہے کہ تم اپنا مال اس میں خرچ کرو۔ اگر تم بخل کرو گے تو یہ تحریک برباد ہو جائے گی اور دشمن تمہیں ذلیل کر ڈالیں گے اور تمہارا سارا مال لے جائیں گے۔ خرچ کرو گے تو فتوحات حاصل ہوں گی اور زیادہ مال و دولت ملے گا۔

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ (اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، تم ہی محتاج ہو) خدا تعالیٰ کو تو تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود تمہاری اپنی قومی ضرورتیں ہیں۔ جو مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں یعنی قومی ضرورتوں میں مال خرچ کرو گے، تو خدا تمہیں اتنی دولت دے گا کہ تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو اللہ تمہاری بجائے اور قوم بدل لے

اگر تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور قرآن حکیم کو غالب کرنے کی تحریک میں جان و مال سے کوشش نہ کی تو کوئی دوسری جماعت اس کام کے لیے تیار ہو جائے

گی جو مال بھی خرچ کرے گی اور جان بھی لڑائے گی وہ تم جیسی سست اور کاہل اور جان و مال سے دریغ کرنے والی جماعت نہ ہو گی مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا انٹرنیشنل نظام بہت بڑی قربانی کا طالب ہے اس راہ میں بہت خطرے ہیں لیکن آخر کار بین الاقوامی غلبہ اور عزت ہے۔

نبی کریم صلعم کی جماعت اور اللہ کی راہ میں خرچ

اللہ کے فضل سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی جماعت نے جان اور مال سے کسی جگہ بھی دریغ نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جماعت کل قومی انقلاب کا مرکز بن گئی اور وہ انقلاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد جب عربوں نے اس بین الاقوامی تحریک کو قومی بنا لیا اور رفتہ رفتہ جان و مال سے دریغ کرنے لگے تو عجمی قومیں غالب آ گئیں۔ قرآن کی سرمایہ شکن طاقت بہر کیف غالب رہنی چاہیے جب اس کی سرمایہ شکنی میں فرق آئے گا اور سرمایہ پرستی پیدا ہو گی، ضرور انقلاب آئے گا اور کوئی نہ کوئی سرمایہ شکن طاقت اوپر آ جائے گی

موجودہ دور کی ضرورت اور امام ولی اللہ دہلویؒ

اب جبکہ دنیا کے کسی خطے میں بھی سرمایہ شکن خدا پرست طاقت برسر اقتدار نہیں ہے۔ ضروری ہے اور انسانیت کا طبعی تقاضا ہے کہ سرمایہ شکنی اور خدا پرستی کے مجموعی پروگرام پر انقلاب برپا ہو۔ یہ انقلاب کس خطے میں ہو گا؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلوی کی دور بین نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ انہوں نے تفہیمات الہیہ وغیرہ میں بیان کر دیا ہے۔

بہر کیف اس سورت میں قرآن حکیم کے جس انقلاب کی طرف دعوت دی گئی

ہے وہ ساری انسانی نوع کے لیے مفید ہے اور آج بھی جب انسانی سوسائٹی راسمالی (Capitalist) اور غیر راسمالی (Anti Capitalist) کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قرآن کریم ہی کی تعلیم صحیح معاشیات پیدا کر کے پائیدار امن پیدا کر سکتی ہے تاکہ اسلام کا مکمل نظام دنیا میں نافذ ہو۔ ضرورت پڑے تو یہ رجعت پسند طاقتوں کو قوت کے ذریعے سے ختم کرنے کا داعی ہے لیکن رجعت پسندی کو کسی حالت اور کسی شکل میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔

حواشی

ا۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹/۱۳) (خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈر کر عدل کے قانون کی زیادہ پیروی کرتا ہے) میں اسی اصول کی طرف اشارہ ہے سیدنا عبدالقادر جیلانی تقوی کے معنی میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (الآیہ) پس عدل قائم کرنا تقویٰ کا سب سے ضروری نتیجہ ہے۔ (مرتب)

۲۔ امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: چونکہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں انسانی سوسائٹی خدا تعالیٰ کی توحید کو بھول چکی تھی اس لئے حضرت ابراہیم توحید کی اشاعت ہی کے لئے آئے۔ چنانچہ انہوں نے طہارت، نماز، حج، زکوۃ روزہ اور ذکر کی عبادتیں جاری کیں۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ملتوں .... میں گڑ بڑ پڑ چکی تھی اور ان کے ارتفاقات (معاشی زندگی) خراب ہو چکے تھے اور یہ خرابی اس خرابی سے کہیں زیادہ تھی جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو جہاد قائم کرنے، عبادتوں کی اشاعت کرنے، اور ان کے اوقات معین کرنے کے لئے بھیجا اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی امپریلزموں کو برباد کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک بین الاقوامی حکومت پیدا کی جائے۔ (تفہیمات الٰہیۃ جلد اول صفحہ ۶۰)

۳۔ مجتہد وہ عالم ہے جو اپنی تعلیم و تربیت اور تحقیق اور ایمانداری کی وجہ سے اس قابل سمجھا جائے کہ وہ اصول سے ضمنی قاعدے نکال سکے۔ (مرتب)

۴۔ فرض کفایہ یہ ہے کہ چند ایک آدمیوں کے ادا کرنے سے سب جماعت کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص بھی اسے ادا نہ کرے تو سب مجرم قرار پاتے ہیں اس کے مقابلے میں فرض عین ہے جو ہر ایک شخص کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

۵۔ حکومت کا ٹیکس وغیرہ سے جمع کیا ہوا خزانہ

۶۔ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑا عالم جو سرکاری طور پر بادشاہ کو مذہبی معاملات میں مشورہ دینے کے لئے مقرر ہوتا تھا۔ (مرتب)

۷۔ خطیب بغداد جو حضرت امام ابو حنیفہ کا بڑا سخت مخالف ہے تاریخ بغداد میں کئی موقعوں پر لکھتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس مشاورت کے چالیس ممبر تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ امام قاسم بن مَعن لُغوی' امام عبداللہ بن مبارک محدث' امام ابو یوسف فقیہ' امام زفر جیسے ذکی اور حضرت امام داؤد ابن نصیر طائیؒ جیسے سرتاج صوفیاء کی موجودگی کو لازم سمجھتے تھے۔ (مرتب)

۸۔ کیا عجب' کہ تاریخ نے زمانہ حال میں جو پلٹا کھایا ہے وہ اس کا پیش خیمہ ہو اور پاکستان آنے والے انقلاب کا پیش رو ثابت ہو۔ (مرتب)

۹۔ جیسے مغربی قومیں ایشیاء اور افریقہ میں کرتی رہی ہیں۔ (مرتب)

۱۰۔ "حق" کے بنیادی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں جو چیز انسانی فطرت کے مطابق اور موافق ہوتی ہے وہ پائیدار ہوتی ہے۔ (مرتب)

۱۱۔ امام ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب بدورالبازغہ (صفحہ ۸۰) میں فرماتے ہیں کہ ولیکن اول نظرہ الی قھر الاعداء و تفریق اجتماعھم و جبن قلوبھم و الیاس من الجناۃ۔ (امام کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس

کا غلبہ دشمن پر رہے وہ ان کا کوئی اجتماع نہ ہونے دے ان کے دلوں کو کمزور کرتا رہے اور انہیں کبھی اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ نجات پا سکیں۔ (مرتب)

۱۲۔ قیدی کا کما کر اپنی رہائی کا معاوضہ ادا کر دینے کا معاہدہ۔ (مرتب)

۱۳۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں اسلام پھیلایا۔ اس سے عین پہلے جو زمانہ تھا اسے جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں۔ (مرتب)

۱۴۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چار خلفائے صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ۔ (مرتب)

۱۵۔ مثالی زندگی سے مراد ہے عالم مثال کی زندگی جو مادے سے ماوراء ہے۔ (مرتب)

۱۶۔ اعمال کا خاص خاص شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونا۔ (مرتب)

۱۷۔ حضرت ابی بلتعہ کی مثال اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہے یہ ایک صحابی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو ان تیاریوں کی خبر دینے کے لئے ایک خفیہ خط لکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے پکڑا گیا۔ لیکن حضرت ابی بلتعہ کو ان کی جنگ بدر کی خدمات کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ (مرتب)

۱۸۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے :۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا لیکن تو نے میری خبر نہ لی؟ انسان کہے گا اے میرے پروردگار تو تو ساری اقوام کا رب ہے تیری خبر گیری کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

تفسیر سورۃ الصف

سورہ الصف کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32، میکلیگن روڈ، ایچ کے بی بی سنٹر، چوک اے جی آفس لاہور

فون: 7239138

۱۹۔ حضرت مولانا سندھیؒ ۱۹۱۵ء میں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گئے۔ اور جلا وطنی کے تیئس چوبیس سال گزار کر ۱۹۳۹ء میں برعظیم ہند میں واپس آئے۔ انہوں نے اگست ۱۹۴۴ء میں وفات پائی۔ (مرتب)

۲۰۔ ارشار :۔ خدا کے حکموں کی طرف رہنمائی۔ احسان :۔ تصوف کے اعمال (مرتب)

۲۱۔ احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص :۔ پیدائش ۳۰۵ ھ (۹۱۷ء) وفات ۳۷۰ ھ (۹۸۰ء) بلند پایہ حنفی امام۔ "احکام القرآن" (تین جلدوں میں) ان کا شاہکار ہے۔ (مرتب)

۲۲۔ اس مسئلے پر الجصاصؒ کے خیالات سورۃ فتح کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

۲۳۔ اس موضوع پر مزید بحث سورۃ فتح میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

سورۂ الصّف

(مدنی سورت ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ مُمتحنہ کے ساتھ ربط

سورۂ مُمتحنہ میں جو تعلیم دی گئی تھی اسے تعلقات خارجیہ سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ بعید نہیں۔ غیر مسلم جماعتوں کے دو حصے ہوں گے (1) وہ دشمن جن کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہئے۔

(2) ایسے لوگ جو دشمنی نہیں کرتے ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا ممنوع نہیں اس سورہ میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ تعلقات منقطع کرنے کے کیا درجے ہیں جن سے تعلقات منقطع کرلئے جائیں ان کے ساتھ بھی انصاف کے ساتھ پیش آنا چاہئے جس طرح تعلقات منقطع کرنے کے بعد ہم اپنے حقوق جو وزارت خارجہ (Foreign offree) کی پالیسی (Policy) معین کرتی ہے۔

وزارت حربیہ کا کام

وزارت خارجہ کے بعد وزارت حربیہ (War Office) کا کام آتا ہے۔ جس جماعت یا قوم کو وزارت خارجہ دشمن قرار دے دے اور جن سے تعلقات منقطع کرے ان کے ساتھ لڑنے کی پوری تیاری کرنا حکومت بنانے والی پارٹی کے لئے ضروری ہے حکومت کے قیام کے بعد اس کو وزارت حربیہ کہا جائے گا۔

سورۂ صف کا مضمون

چنانچہ اس سورت الصف میں لڑائی کی تیاری کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں اور

مسلمانوں کو بڑی بڑی جنگوں کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔
آیت نمبر1 : سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ○ ترجمہ : جو مخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

قرآن کا نظام قائم کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جنگ کرنے کا حکم کہ اللہ کا قانون یعنی اللہ کی کتاب دنیا میں حاکمانہ انداز سے کامیاب ہو اس لئے نہیں دیا گیا کہ خدا تعالیٰ اس کا محتاج ہے۔ (سبح) بلکہ اس لئے کہ وہ ایک قوم کو حکومت چلانے کی ذمہ داری سکھانا چاہتا ہے (یہ حکیم کے اسم کی تاثیر ہے) اور اس طریقے سے دنیا میں معزز بنانا چاہتا ہے (یہ اسم عزیز کا مطلب ہے)

اللہ کا محتاج نہ ہونا زمین و آسمان کی حکومت چلانے سے ظاہر ہے آسمانی سیارے اور ستارے ایک خاص نظام میں حرکت کر رہے ہیں اور اپنے اپنے فرائض کو سرانجام دے رہے ہیں ایسے ہی زمین کے مختلف موالید اور جن سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں اور اس قانون کے اندر چل رہے ہیں جو اللہ نے اس کے لئے بنا دیا ہے۔ اگر اتنے بڑے نظام کے چلانے میں خدا کسی کا محتاج نہیں ہے تو وہ انسانوں کے اندر ایک خاص قسم کی حکومت چلانے میں کسی کا محتاج کیوں ہونے لگا؟

آیت نمبر2 : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○
ترجمہ : اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں"۔

جبری خدمت

حزب اللہ قائم ہونے کے بعد جماعت میں یہ استعداد آگئی کہ وہ اپنے فرائض خود ادا کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کریں۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنا اس نظام کو سنبھالنا یہ ہمارا ایمانی فرض ہے اب ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری رہنمائی کی جائے اور ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ فرائض جو ہو سکتے ہیں وہ بتائے جائیں تو انسان کو حکومت بنانے میں سب سے مشکل فرض جو پیش آتا ہے وہ عمومی فوجی خدمت ہے۔ (Conceription) ہے جو لوگ اتنی مشکل سے گھبرائیں وہ اس آیت کی ذیل میں آتے ہیں۔

آیت نمبر3 : كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○

لیگ قوم پارٹی کے پروگرام کے اندر رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ فرض کے ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ کہ جو لوگ اس فرض کے ادا کرنے میں سستی کریں۔ وہ سخت سزا کے مستوجب سمجھے جائیں گے اگر وہ اس فرض سے کوتاہی کی شکل میں یہ سخت سزا برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں تو ان کی باتیں فقط ڈینگیں ہیں عملی تقدم نہیں ہے۔

پس اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ یہ تم جانتے ہی ہو۔ کہ اعلیٰ فرض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا اس کے ترک کرنے پر سزا برداشت کرنے کی تیاری ہے اور سزا سخت سے سخت دی جائے گی خدا کے ہاں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تم... آمادگی ظاہر کرو اور پھر کام نہ کرو۔

ہمارے علماء کی غلطی

جب کوئی جماعت اعلیٰ فرائض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سمجھ لے کہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی پر اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو اس میں ضبط (Discipline) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ڈسپلن کے بغیر کوئی فوج دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ فوجی زندگی کا عملی تجربہ نہ ہونے کے باعث ہمارے علماء کے دماغ خراب ہو چکے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) اس لئے وہ ان آیات کا مطلب سمجھنے میں بہت دور ہیں وہ قرآن حکیم کی آیتوں کے لفظی ترجمے ہی میں اٹکے رہتے ہیں اور قصے بیان کر کے ہی گھر پورا کر دینا چاہتے ہیں مگر اپنے نفس پر یہ فرض کر کے کہ کیا میں اس ڈیوٹی کے ادا کرنے کے لئے تیار ہو رہا ہوں جو قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے کے سلسلے میں مجھ پر عائد ہوتی ہے غور ہی نہیں کرتے۔ جب تک وہ اس طرح غور نہیں کریں گے ان کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا۔ انہوں نے اس بے فکری سے قوم کی ذہنیت مردہ بنا دی ہے جیسے کوئی دوسری قوم آکر ان کو سلطنت بنا کر دے دی گی۔ قرآن حکیم پڑھنے والے آدمی کے لئے اس قسم کا خیال ڈوب مرنے کے قابل ہے۔

برطانیہ کی سب سے بڑی قباحت

ہمیں یورپ میں انقلابی جماعتوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ لوگ جنگ کے بغیر انقلاب کا تخیل ہی نہیں رکھتے۔ گاندھی جی نے جو پروپیگنڈا شروع کیا وہ اسے نہیں مانتے ان کے ہاں انقلاب کے ساتھ ملٹرزم (Miltrism) شامل ہے یورپ میں ملٹرزم انتہا تک ترقی کر

چکا ہے۔ ایک یورپی انقلابی ملٹرزم کا اعلیٰ لیڈر اپنے آپ کو انقلابی نہیں کہتا ان کے انقلابی نظام سب کے سب زندگی بخش ہیں وہ ہر وقت موت کے منہ میں جانے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اسی سے ان میں زندگی پیدا ہوتی ہے ہمارے ہاں ایک مصیبت تو یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ نے برطانوی رعایا کے برابر حقوق نہ دیئے ہم اسے اس ایمپائر کی سب سے بڑی قباحت مانتے ہیں۔ ہمارے ملک سے اس سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاتی جتنی خود برطانیہ کی کمائی کرنے والی جماعت سے ٹیکس حاصل کیا جاتا مگر ہمارے ملک کے باشندوں کو تعلیم اور ملٹرزم میں کوئی حق نہ دیا جاتا حالانکہ یہ ہمارا قدرتی حق تھا ہم پر ظلم کیا گیا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے ہر ایک آدمی کو تعلیم یافتہ اور سولجر (Soldier) بنائیں' برٹش گورنمنٹ مجبور ہو کر ڈومینین سٹیٹس دے گی اور ہم اس مصالحت پر راضی ہیں اس لئے کہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ کے شریک رہ کر اپنی قوم کو تعلیم اور فوجی تربیت میں یورپ کے برابر بنائیں۔

انقلاب اور حرّیت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ کوئی قوم اپنی حکومت پیدا ہی نہیں کر سکتی اور نہ کوئی پارٹی انقلابی ہو سکتی ہے جب تک اس کا ایک ایک فرد فوجی ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے پورا پورا آمادہ نہ ہو جائے۔ اور فوجی ڈیوٹی ادا کرنے اور اس کے لئے قوم کو تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو شخص اس ڈیوٹی سے تخلف کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے یہ چیز پہلے ہی دن انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ مجھے یہ سزا دی جائے گی اس صورت میں ڈسپلن پیدا ہو سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے علماء کے دماغ پر جوں تک نہیں رینگتی۔ (الا ماشاء اللہ)

آیت 4 : اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ○

ترجمہ : بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔

بُنیان مرصُوص کا مطلب

صف باندھ کر لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں رخنہ نہ آنے دیا جائے جو صف دشمن کے مقابلے میں جائے اس میں سے جتنے آدمی شہید ہوں ان کا رخنہ فوراً پُر کر دیا جائے اس طرح اپنی کمی پوری کرتی ہوئی یہ صف آگے بڑھے۔

بُنیان مرصُوص کی حقیقت

فوجی نظام میں یہ علوم متعارفہ کے درجے کی چیز ہے کہ جو افسر شہید ہو جائے اس کے نیچے کا آدمی فوراً خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے اس نظام کا کوئی عہدہ آخری دم تک کبھی خالی نہیں رہتا فتح اسی تنظیم کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ صف میں ایک آخری آدمی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ جاتا ہے تو فتح حاصل ہو جاتی ہے وہ ساری جماعت کی فتح شمار ہوتی ہے جب تک مرنے والوں کی جگہ زندہ لوگ سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائیں کسی فوجی نظام کا نام تک نہیں لینا چاہئے اس کا حاصل یہ ہو گا کہ چاہے ہم سو آدمیوں کا دستہ دشمن کے مقابلے میں بھیجیں مگر اس دستے میں جو کمی ہوتی رہے اسے پورا کرنے کا انتظام پیچھے سے ہوتا رہے گا یہاں تک کہ سو آدمیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہوا دشمن کو شکست دے دے اس کے لئے اگر پیچھے ساری قوم تیار نہیں ہے تو وہ سو آدمیوں کا دستہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو لوگ اس طرح بنیان مرصوص بن کر لڑتے ہیں۔ اللہ ان سب سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے یعنی اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ساری قوم بنیان مرصوص بن کر کام کرے۔

عورتیں اور فوجی خدمت

قرآن حکیم کو ماننے والی جماعت اپنے رب کی حُبّ حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی جبر کے یہ جبری ڈیوٹی (Conscaption) اپنے ذمے لے لے گی۔

مسلمانوں میں اللہ کے فضل سے اب تک یہ صلاحیت موجود ہے مگر جیسے سیاسی نظام پیدا کرنے کے میدان میں ان کے لیڈروں نے ان کو بدنام کر رکھا ہے ویسے ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء اور ان کے بزرگوں نے ان کو بے عزت کر دیا ہے۔ ان کے بڑے علماء اور بڑے بزرگ سب سے زیادہ بُزدل اور سب سے زیادہ عورتوں کے غلام ثابت ہوں گے۔ (اِلّا ماشاء اللہ) تجربہ کر کے دیکھ لو یہ عورتوں کی غلامی کا مسئلہ مولانا شہیدؒ کے زمانہ میں بھی پیش آ چکا ہے اور میں خود بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔ یہ لوگ عورتوں کے غلام ہیں یہ کبھی گھر سے نہ نکلیں گے۔ حضرت مولانا اسمٰعیلؒ کے خط میں ایک فقرہ آتا ہے۔ "در فرج زناں مشغول ہستند" (سوانح احمدیہ)

ہمارا بھی یہی تجربہ ہے ہمارے بہترین شاگردوں نے اس لئے جواب دے دیا کہ وہ عورتوں کی غلامی سے نہ نکل سکے اس لئے ہمارے دماغ پر یہ خصوصی اثر آیا ہے کہ جب

تک ہم عورتوں کو میدان میں نہ لائیں گے یہ بے ایمان مردہ طاقت حرکت میں نہیں آئے گی اس لئے ہم میدان جنگ میں آنے کے لئے مرد اور عورت کی کوئی شرط نہیں لگاتے۔ چنانچہ ہماری ہر ایک عورت اور ہر ایک لڑکی میدان میں آئے گی اور جو اس کی مخالفت کرے گا جب ہم کو نظام پر قبضہ مل گیا ہم اسے فوراً گولی سے اڑا دیں گے۔ ہم گاندھی جی کے طریق انقلاب کے داعی نہیں ہیں ہم اسی طریق انقلاب کو فقط تیاری کے لئے مفید سمجھتے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مقید رہتے تھے۔ ہم کسی عالم کو اس مسئلے پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا اس قسم کے مخذل اور بزدلی سکھانے والے لوگ اسلامی سوسائٹی سے چن کر مار دینے چاہئیں۔

مخذلین اور مرجفین کے استیصال کی ضرورت

حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص 175 میں ہے "مخذل اور مرجف کو مجاہدین کی صف سے نکال دیا جائے"۔ پس ہم ان کو ختم کر دیں گے بلکہ ان کو قوم ہی سے نکال دیں گے انہوں نے ہماری مسجدیں منبر سنبھالے ہوئے ہیں اور مدارس پر بھی ان کی حکومت چل رہی ہے ہماری زبان سے جتنا سب و شتم نکلتا ہے اس میں ہدف یہی لوگ ہیں اور وہ بھی ہماری جماعت کے علماء۔

مسلمان اور فوجی خدمت

جیسے ہماری سیاسی زندگی میں یہ ایک ضروری مرحلہ ہے جسے طے کرنا پڑے گا ویسے ہی ہماری ایمانی زندگی میں قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھ کر اس کی پابندی کرنا ضروری ہے ہم اسے قبول نہیں کر سکتے کہ جب ایک مسلمان اپنے ملک پر اپنی حکومت پیدا کرتا ہے تو وہ کس طرح اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو جس میں اس کے لڑکے اور لڑکیاں ماں اور بیوی بھی شامل ہیں فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے؟

فوجی خدمت کی وسعت

فوجی خدمت فقط یہ نہیں ہے کہ میدان میں لڑیں فوج کے متعلق کوئی سا کام پورا کرنا فوجی خدمت ہے مگر ایک چیز سب میں مشترک رہے گی اور وہ یہ کہ ہر ایک شخص شہید ہونے کے لئے تیار رہے گا اور صف اول میں رخنہ پر کرنے والے آدمی موجود رہیں گے اس مسئلے کو حل کئے بغیر یہ کہنا کہ ہم... ہندوستان میں اپنا مستقل نظام چاہتے ہیں پاگلوں کا کام ہے۔

انقلاب اور ڈپلومیسی

ہم ان عقلمندوں کی صف میں جانا گوارا نہیں کرتے جنہوں نے اپنی مجبوریوں سے مضطر ہو کر اپنے آپ کو پاگل بنا رکھا ہے انقلاب اور اس کی روح اس سے انکار کرتی ہے اور اپنے حقیقی فکر کو چالاکیوں سے چھپایا جائے حکومت پیدا کرنے کے بعد بے شک ڈپلومیٹک سروس برداشت کرنی پڑے گی مگر حکومت پیدا کرنے والی ایک انقلابی پارٹی ڈپلومیسی استعمال نہیں کر سکتی اسے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

آیت نمبر 5 : وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝

ترجمہ : اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں پس جب وہ پھر گئے تو اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اس آیت میں جس مکالمے کا ذکر ہے اس کا تفصیلی ذکر تورات میں موجود ہے حضرت موسیٰؑ دو آدمی جاسوسوں کے طور پر دشمنوں میں بھیجنا چاہتے تھے ان لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ (مائدہ 5: 24)

یہ ہے وہ ایذا جس کی طرف موسیٰؑ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے یہ ہماری تفسیر ہے) ہوا یہ کہ موسیٰ کے حکم سے دو سرے دو آدمی کھڑے ہو گئے اور وہ دشمن کے کیمپ کی خبریں لے کر زندہ واپس آگئے جو لوگ بیٹھ رہے تھے انہوں نے موسیٰؑ پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ ہمیں قتل کرانا چاہتے ہیں جب وہ جاسوس زندہ واپس آگئے تو اللہ نے موسیٰ کو اس الزام سے بری کر دیا وہ دو آدمی قتل نہ ہوئے موسیٰؑ اس الزام سے بری ہو گئے۔ یہ ترجمہ ہے اس آیت کا کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا۝

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

جہاد سے انکار کا انجام

جب وہ پھر گئے یعنی جہاد میں آگے بڑھنے سے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیئے
بات سمجھنے سے)
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝
یہ وہی جماعت ہے جس کا ذکر آیت نمبر5 میں آیا ہے یہی الفاظ سورۃ المائدہ میں آئے ہیں
جہاں یہ الفاظ ہیں۔
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ۝ (مائدہ 25:5)

مسلمانوں کے لیے درس عبرت

یہودیوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم مسلمانوں کو تنبیہہ کرتا ہے کہ وہ جہاد کے مسئلہ میں آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں ورنہ وہ بھی قرآن حکیم کی سمجھ سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

آیت 6 : وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝

ترجمہ : اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہو گا پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آگیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

جیسے موسیٰؑ نے جہاد کی بنیاد ڈالی اور صفیں باندھ کر دشمن سے لڑنے کا طریق شروع کیا اس کو قائم رکھنے والے انبیاء رسول اللہ ﷺ تک پیدا ہوتے رہے موسیٰؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے درمیان حضرت عیسیٰؑ ابن مریم ایک بڑے اولوالعزم نبی آئے جن کے ذریعے سے بائبل کی اشاعت ہوئی وہ عیسیٰ بن مریم اور ان کے حواری ہیں۔

بنی اسرائیل میں شاندار حکومت کا مرکز پیدا کرنے کا درجہ طے ہو چکا ہے۔ اب اگر بنی اسرائیل کے سوا دوسری قومیں بھی اپنا ایمان اور فکر اس طرح کا بنالیں تو وہ بھی اس

برکت کی مستحق ہو سکتی ہیں اور بنی اسرائیل کے ساتھ حکومت میں اشتراک پیدا کر سکتی ہیں مگر موسیٰؑ کے متبع یعنی یہود اسے قبول نہیں کرتے۔

اس تحریک میں عیسیٰؑ کا مقام

حضرت عیسیٰؑ نے اس تحریک کو عالمگیر بنانے کی کوشش کی مگر یہود ان کے روبرو اس بات پر آمادہ نہ ہوئے۔ بایں ہمہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریین نے اپنا سلسلہ قائم رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بائبل دنیا کی تمام قوموں میں پھیل گئی ہر قوم کے مفکرین کو جنہوں نے بائبل کے اصول کو مان کر اس تحریک میں حصہ لینا چاہا مسیحؑ کے حواریوں نے ان کو مساوی درجہ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ قوموں کی قومیں عیسائیت میں داخل ہونے لگیں اور پھر ان میں بھی حکومت آگئی اس طرح مسیحؑ نے تورات کی بین الاقوامی اشاعت میں خاص حصہ لیا ان کی نبوت بھی بنی اسرائیل میں ایک مستقل شان رکھتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کی پیش گوئی درباره فار قلیط

مسیحؑ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ جیسی بین الاقوامی حکومت تورات کے اصول پر بنی چاہئے وہ ان کے حواریوں کی کوشش سے نہیں بن سکے گی بلکہ اس کے لئے بنی اسماعیل میں سے ایک نبی پیدا ہو گا وہ اسے مکمل کرے گا اس لئے انہوں نے اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ تم اپنا کام جاری رکھو تا آنکہ فار قلیط تمہارے پاس آجائے میں جا رہا ہوں میرے گئے بغیر نہیں آئے گا میں اسے بھیجوں گا وہ میری بات کہے گا جو کلام خدا کرتا ہے میں تمہیں اپنے نام سے کہتا ہوں یعنی بھیجے گا تو اسے خدا ہی تمہارے لئے ایک وجہ تسلی ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ آکر اس کی تصدیق کرے گا تو تم اپنے کام کو اطمینان سے جاری رکھ سکو گے۔

نکتہ اشتراک

حضرت مسیحؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے کلام میں نقطہ اشتراک بین الاقوامی حکومت ہے مسیحؑ کے حواری تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی اشاعت دے دیں گے مگر اس کی حکومت قائم کرنے کے لئے جتنے حوصلے اور طاقت کی ضرورت ہے وہ یہ حواری پیدا نہیں کر سکیں گے اس کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بنی اسماعیل میں مبعوث ہوں گے اور اپنی قوم سے طاقت پیدا کر لیں گے۔ جو اسی حکومت کی پشتیبانی کرے گی۔

حضرت مسیحؑ کا شاندار کارنامہ

حضرت مسیحؑ نے تورات کے علم کو رسول اللہ ﷺ تک ملانے میں بڑے شاندار واسطے کا کام دیا ہے۔ اگر وہ تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی طاقتوں میں منتشر نہ کر سکتے تو رسول اللہ ﷺ کے لئے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا آسان نہ ہوتا۔ ممکن تھا کہ جیسے بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے ساتھیوں نے تعلیم پانے کے بعد اسے محدود کرایا ایسے ہی بنی اسماعیل بھی پوری طرح تیار کرنے کے بعد اپنے مشن کو محدود کر دیتے۔ مگر چونکہ تورات کی تعلیم حضرت مسیحؑ کے توسط سے عام طور پر پھیل چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی امت کو دوسری قوموں کی معاونت اس حد تک حاصل ہو گئی کہ وہ تورات کی فکر سے جسے بنی اسماعیلؑ حکومت میں لانا چاہتے تھے آشنا ہو چکی تھی اس لئے رسول اللہ کی جماعت کے لئے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا نسبتاً آسان ہو گیا۔

یہودی علماء کی کور باطنی

اب اگر تورات کے عالموں کو جہاد کے متعلق بصیرت حاصل ہوتی تو وہ دوسری قوموں کی اس ذہنیت سے کہ وہ تورات پر اپنے نظریات درست کر چکے ہیں فائدہ اٹھاتے مگر یہودی اس درجے کے فراخدل نہیں تھے کہ ان کی مثال ہندوستان کے برہمنوں اور بنی اسماعیل کے بعض فرقوں میں پائی جاتی ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

یعنی میں بائبل کے اس حصے کو جسے عہد قدیم کہا جاتا ہے ٹھیک مانتا ہوں مگر اسے دوسری قوموں میں پھیلانا چاہئے یہ کام میں اچھی طرح سرانجام دے سکتا ہوں پس میری بات سنو اور مانو۔ مگر میں تم میں یہ قابلیت نہیں پاتا کہ تم اس بین الاقوامی تعلیم کی خلافت پیدا کر لو گے۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

پیشگوئی کی تحریف

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایک رسولؑ آئے گا جو میرے کام کی اساس پر بین الاقوامی خلافت پیدا کرے گا اس کی بنیاد تورات ہو گی اس نبی کا نام احمد ہو گا یعنی فار قلیط کا ترجمہ ہے آگے تحریف کر کے یہود نے اس کے ہجے بدل دیئے اور اس کا ترجمہ تسلی دینے والا وغیرہ کر دیا یہ یہود کی عام عادت ہے یہ لوگ الفاظ کے ہجوں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے انہیں دوسرے معنوں میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ جس معنی کو نہیں بدلنا چاہتے اس میں

دوسری قرات پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے "اشاعۃ السنہ" میں فار قلیط پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دکھلایا ہے کہ کیسے اس کے ہجے بدلے گئے اور کیا کیا معنی پہنائے گئے اس سے پہلے مولانا رحمتہ اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اس لفظ پر بحث کر چکے ہیں موجودہ اناجیل میں یہ مسئلہ بالکل صاف نظر آتا ہے اس حصے پر سرسید احمد خان نے "خطبات احمدیہ" میں بہت اچھی بحث کی ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝

یہود کی غلطی

وہ احمد آگیا تو یہود اس کا انکار کرنے لگ گئے اور کہنے لگے کہ بین الاقوامی حکومت کیسے بن سکتی ہے؟

یہ کوئی جادو ہے؟ حکمران تو ایک ہی ہوگا اور وہ ہم میں سے ہوگا ہم ابراہیمؑ اور داؤد کی نسل سے ہیں پس بادشاہ ہمیشہ ہمارا ہی ہوگا ہم کسی دوسرے کی بادشاہی قبول نہیں کر سکتے اس میں ان کی غلطی یہ ہے کہ حکومت اصل میں قانون کی ہوتی ہے یا شخص کی؟ اگر قانون کی حکومت ہے تو دوسری قوم سے لوگ بھی بادشاہ بن سکتے ہیں بشرطیکہ اس قانون کو چلائیں پھر یہود کا اصرار کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ ہو ہی نہیں سکتا ٹھیک نہیں۔

پیغمبر علیہ السلام کی وصیت حجتہ الوداع میں

رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی بادشاہی کی دعوت دی اور اس کو قائم کر دکھلایا اور اپنے بعد جو چیز چھوڑ گئے وہ فقط قرآن ہے حجتہ الوداع میں جو خطبہ دیا وہ مسلم کی حدیث میں صاف موجود ہے آپ نے فرمایا میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اس سے آگے فرمایا کہ وہ القرآن ہے۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا امیر چھوٹے سر والا حبشی ہو مگر يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاتَّبِعُوْهُ یہ ہے وہ کام جو احمد مرسل ﷺ کر گئے تمام دنیا کی قومیں اس کی تعریف کریں گی تورات کا قانون صحیح تھا اسے تمام قوموں میں جاری کر دکھلایا۔

روایت اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ

جیسے یہودیوں میں یہ فکر تھا کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے ہی قریش بھی ایک جماعت تھی اور اب تک ہے پہلا دور قریش کی حکومت کا یقیناً گزر چکا

ہے اس لئے مسلمانوں میں اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کا فقرہ مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ ہو گیا ہے یہ حدیث کس درجے کی صحیح ہے اس سے ہم بحث نہیں کرتے مگر یہ متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بغداد کے خاتمے تک قریش ہی کی سرداری رہی اس پانسو برس کی مدت میں جو چیز علماء و حکماء اور سیاسی جماعتوں میں مُسلّم رہی وہ یہی ہے کہ امامت قریش کی ہے لیکن بعض لوگوں نے اسے مستقل قانون ہی بنا لیا ہے ایک زمانے کے لئے یقیناً قانون تھا لیکن جو لوگ اسے مستقل قانون کا درجہ دیتے ہیں ان کی ذہنیت یہود کی ذہنیت کے مشابہ ہے ان لوگوں کا فکر یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والی جماعت خواہ حبشہ سے پیدا ہو یا ایران سے ہند سے پیدا ہو یا یورپ سے امامت ہر صورت میں قریش ہی کے لئے مخصوص ہے۔

حکومتوں میں طاقت قوی فوج کے زار سے ہوتی ہے جب امیر ایسا ہو کہ فوجی طاقت طبعی طور پر اس کی معاونت نہ کرتی ہو تو اس انمل جوڑ سے کبھی مضبوط حکومت دنیا میں چل نہیں سکتی اس لئے ماننا پڑے گا کہ جس قوم میں قرآن کی حکومت چلانے کی اہلیت ہے اور جس کی قومی فوج اس کی تائید کے لئے تیار ہے اس میں سے امیر وہی ہو گا جو قرآن کی حکومت چلائے گا اس کے بعد تمام مسلمانوں کو اس امیر کی اطاعت کا حکم اور قریش کو بھی اس امیر کی تابعداری کرنی چاہئے تب رسول اللہ ﷺ کا مشن دنیا میں کامیاب سمجھا جائے گا۔

جب ہم حدیث پڑھ چکے تو اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ پر ہمیں اطمینان تھا مگر ہمارے استاد دولت عثمانیہ کے خلیفہ کی حمایت سکھاتے تھے۔ اس سے ہمیں شبہ پیدا ہوا کہ یہ تو قریش نہیں ہیں ان کی اطاعت کیوں کی جائے ہم نے اپنے استاد سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ اگر قریش میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ ہو تو کیا پھر بھی الائمہ من القریش ہوں گے؟ ہمیں بات سمجھ میں آگئی اب ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ایک مثال : حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اب ایک ایسا شخص فرض کرو جسے فاتحہ نہیں آتی تو فقہ حنفی میں طے شدہ مسئلہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کی کوئی سورت پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی چونکہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن میں راسخ تھا اس لئے استاد کے مختصر جواب سے سب کچھ سمجھ میں آگیا۔

خاتمیت قرآن کی تحقیق

(1) تبدل قومی اور خاتمیت

جب اس طرح پر تمام قوموں کو جو قرآن کی تعلیم جاری کرنے کے لئے کھڑی ہو جائیں مساوی حق دیتا ہے تو اب ہم یہ چیز بھی مان سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی اس لمبی مدت تک قرآن حکیم کے جاری رہنے میں جو چیز مانع ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک قوم اپنی طاقت ختم کر چکی ہے یا ایک نظام اپنی طاقت ختم کر چکا ہے (مثلاً بادشاہی نظام) اگر قرآن حکیم اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ ہے تو یقیناً اسے بھی اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ مان لینا پڑے گا۔

پہلے ہزار سال میں جن جن قوموں نے اسلام کی خدمت کی ان میں بادشاہی نظام تھا دوسرے ہزار سال سے شاہی نظام ٹوٹنا شروع ہوا اور اب جمہوری نظام دنیا پر حکومت کر رہا ہے اگر یہ چیز مان لی جائے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کسی خاص قوم یا نظام کے ساتھ پابند نہیں ہے تو کہنا پڑے گا کہ جونسی قوم یا جونسا نظام قرآن حکیم کی حکومت چلائے گا تمام مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی چاہے قریش ہوں یا غیر قریش اس قسم کی بات مان لینے کے بعد اس امر کے باور کرنے کا کافی موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔

اس کے بالعکس قرآن کی حکومت قائم کرنے کے لئے خاص قوم یا خاص نظام معین کر دیا گیا تو قرآن کی عمر اس قوم یا اس نظام کی عمر تک ہی چل سکتی ہے اس کے بعد قرآن حکیم کو قطعی طور پر ختم ہو جانا چاہئے۔

ایک قوم سے حکومت بادشاہی دوسری قوم میں چلی جائے اور دوسری قوم بھی قرآن کا حکم قائم رکھے اس طرح پر اسلام کی عمر لمبی ماننے والے اکثر علماء مسلمانوں میں موجود ہیں وہ قرآن کو کسی قوم کے ساتھ مقید نہیں مانتے پہلے عربوں نے قرآن حکیم کی حکومت کی پھر ایرانیوں نے کی پھر ترکوں اور ہندیوں میں آئی تو اہل علم ان سب کی خدمات کی قدر کرتے ہیں مگر یہ سارے نظام شاہی تھے سب قوموں کے تبدلات میں نظام ایک ہی رہا۔

تبدل نظام اور خاتمیت

اب جس حالت میں پہلا نظام بدل گیا تو دوسرے نظام سے بھی قرآن کی خدمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ایسے عالم تو ملیں گے جو یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ دوسرے نظام سے

بھی حکومت ہونی چاہئے ورنہ قرآن کی حکومت قیامت سے پہلے ختم ماننی پڑے گی۔
جملہ معترضہ یہاں یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں ایک قوم کی عقل قرآن کی خدمت کرنے سے عاجز آجاتی ہے وہ اپنا اطمینان اس طرح کر لیتی ہے کہ اب قیامت آگئی درحقیقت ان کی اپنی موت آگئی ہوتی ہے اگر اس جملے میں صداقت ہے تو فقط اتنی کہ اس قوم کی قیامت آجاتی ہے اسے تمام قوموں کی قیامت ماننا احمقانہ خیال ہے چونکہ اکثر مقدس لوگ پہلے خیال کے حامی ہیں اس لئے انہیں کچھ کہا نہیں جا سکتا حالانکہ دیکھ رہے ہیں کہ قومیں بڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی جگہ لے رہی ہیں مگر نہیں مانتے۔
ایسے ہی اگر ایک نظام ختم ہو جائے گا تو اس نظام کے متبعین بھی شور مچانے لگ جائیں گے کہ قیامت آگئی اس کے بغیر ان کی طبیعت مطمئن ہو ہی نہیں سکتی یہاں بھی اس طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس نظام کی موت یا قیامت آگئی یہ صحیح ہے لیکن اگر دوسرا نظام اس کی جگہ لے رہا ہے تو اسے نوع انسان کی قیامت کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

الغرض اس بات کو ماننے والے اکثر اہل علم موجود ہیں جو قوموں کی تبدیلی سے قرآن کی تعلیم جاری رہنے کے قائل نہیں اور ایسے ارتجاعی (Reactionory) بھی موجود ہیں جو اپنی قوم کے سوا دوسری قوم کو قرآن کا خادم نہیں دیکھ سکتے۔
اب جس زمانے سے یہ نظام بدل گیا ہے اہل علم ضرورت تو سمجھتے ہیں کہ کوئی نیا نظام ہونا چاہئے۔ جس سے قرآن کی خدمت ہو اور جس سے کامیاب قرآنی حکومت بنائی جائے مگر کوئی نظام پیش نہیں کر سکتے ہماری سمجھ یہ ہے کہ خدا نے شاہ ولی اللہ کو اس کام کے لئے خاص طور پر منتخب کیا ہے اس نظام کے تبدیل ہونے سے پہلے اسلام کے لئے نیا نظام پیش کرتے ہیں اس تبدیلی نظام کے بعد بھی قرآن کی حکومت کی عمر لمبی ہو سکتی ہے ہم اس پر مطمئن ہیں اور ہم اس چیز کی طرف اہل علم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم اور جمہوری دور

قرآن عظیم کی بین الاقوامی حکومت کا ایک دور شاہی نظام کے ماتحت ختم ہو چکا اب جمہوری نظام پر انٹرنیشنل ازم کے ماتحت قرآن حکیم دنیا پر حکومت کر سکتا ہے اس لئے پہلے مسلم اقوام میں جمہوریت آنی چاہئے پھر یہ جمہوریتیں مل کر ایک انٹرنیشنل مرکز پیدا کریں ہر ایک جمہوریت میں اور اس انٹرنیشنل مرکز میں قرآن حاکم ہو۔

شاہ ولی اللہ اور جمہوری نظام

جس قدر مواد شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں ملے گا جو وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کے دور سے استنباط کرتے ہیں وہ اس نئے دور میں کافی ہے ان کو بعض مسائل میں جمہور اہل علم سے مقابلہ کرناپڑا ہے اس لئے ان کی بات آسانی سے لوگوں میں شائع نہ ہو سکی صاف لفظوں میں کہا جائے تو بات یوں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور کو خلافت راشدہ سے خارج کر دیتے ہیں اس میں وہ نرم نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ اگر ہماری طرح وہ بھی صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیتے تو ان کی کتاب پڑھی بھی نہ جاتی اور آج بھی اہل علم کا دماغ اتنا جلد ہے کہ وہ اس حقیقت پر غور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر حضرت علیؓ کا دور جو فتنے کا زمانہ تھا قرآن حکیم کی تعلیم کا صحیح مصداق ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن حکیم نظام کی پابندی نہیں سکھاتا۔ حضرت ابوبکراور سیدنا عمر کے زمانے میں نظام تھا تو بھی قرآن کی حکومت ہے حضرت علیؓ کے زمانے میں نظام نہیں ہے تو بھی قرآن کی حکومت ہے اس سے آج کل کے اہل علم کو یہ لکھنے کا موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم براہ راست کوئی نظام نہیں سکھاتا۔ اسی لئے ٹرکی میں لادینی حکومت پیدا ہو گئی ہے اور کل کو مصر میں ہو کر رہے گی اور مصر عربی ممالک کا دماغ ہے ایرانی آدمی سے زیادہ لادینی حکومت پیدا کر چکا ہے۔ افغانستان ٹرکی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اس طرح جس قوم میں جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کا نظام چلانے کے لئے کوئی عقلمندی باقی نہیں رہی ان کے علماء ان کو براہ راست چلانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں مگر جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم چلے گا تو فقط شاہ ولی اللہ کا بنایا ہوا نظام چلے گا۔

قرون ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت

جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کو چلانے کی سمجھ پیدا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو قرون ثلاثہ مشہود بہا الخیر سے خارج کر دیا جائے اور حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہی تسلیم کر لیا جائے اور اسی کو قرون ثلاثہ المشہود بہا الخیر کا مصداق قرار دیا جائے پھر اس دور کے مندرجہ ذیل تین درجے ہوئے۔

① رسول اکرم ﷺ

② سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا زمانہ

③ سیدنا عثمانؓ کا زمانہ۔

یہ امام السند ولی اللہ کی تعلیم ہے جس میں ہم نے تھوڑا سا تصرف کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ

اور سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو ایک ساتھ ملاتے ہیں ہم نے سیدنا ابو بکرؓ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملا دیا ہے یہ ہماری ذاتی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے نظام کو نہیں بدلا۔ بلکہ ویسا ہی قائم رکھا اس لئے سیدنا ابو بکرؓ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور کو ایک سمجھنا چاہیئے۔ سیدنا عمرؓ نے اس نظام میں قدرے تبدیلی کی اسلئے ان کے دور کو دوسرا دور کہنا زیادہ موزوں ہے لطف یہ ہے کہ اگرچہ سیدنا عمرؓ نے نظام میں کچھ تبدیلی کی لیکن بعد میں اس تبدیلی پر خود ہی افسوس کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ کاش میں یہ تبدیلی نہ کرتا تو اچھا تھا اور ابو بکرؓ کے درجے پر کام کرتا رہتا تو بہتر ہوتا پس سیدنا عمرؓ کے دور کو دوسرا دور قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

خلافت صدیقی اور حکومت فاروقی کا فرق

سیدنا ابو بکرؓ کے زمانے میں سرمایہ داری کا کوئی احساس قائم نہیں ہونے دیا گیا ساری جماعت مجاہدین ایک درجے پر بقدر ضرورت وظیفہ پاتی رہی چنانچہ جس کے زیادہ بچے تھے اسے زیادہ مل جاتا تھا اور جس کے کم تھے اسے تھوڑا مل جاتا تھا کام کرنے والوں کے اندر بھی کوئی مراتب قائم نہیں کیے گئے تھے۔ بعینہ یہی حال حضرت نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا پس قرآن حکیم کی تعلیم پر عمل کرنے کا یہی معیار ہے سیدنا عمرؓ نے درجے مقرر کر دیئے اور اسی طرح سرمایہ داری کی بنیاد پڑ گئی۔ گو سیدنا عمرؓ نے اسے غلط طریقے پر جانے نہیں دیا اور پھر آخر میں نادم ہوئے اسی کے بعد سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں ایک تقسیم پر اور اضافہ ہوا بنو ہاشم اور بنو امیہ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن گئے اس لئے سیدنا عثمانؓ کی حکومت تیسرے درجے کی حکومت ہے مگر اس عہد میں بھی سرمایہ داری سوسائٹی کی اساس نہ بن سکی شاہ صاحب اس کے بعد کسی دور کو قابل تقلید نہیں مانتے۔

حضرت علیؓ کا مقام

ان حالات میں شاہ صاحب کے لئے حضرت علیؓ کا مسئلہ بہت پیچیدہ بن جاتا ہے خوارج حضرت علیؓ کے اس اخراج پر بہت خوش ہوں گے مگر شاہ صاحب اس پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں اس لئے شاہ صاحب نے حضرت علیؓ کو آئندہ تمام انقلابات کا امام مان لیا ہے۔ اول امام الانقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور دوسرے درجے پر امام الانقلاب حضرت علیؓ ہیں شاہ صاحب اس مسئلے پر تفہیمات الٰہیہ (جلد اول ص 76 ص 11 جلد اول ص 245)

اس طرح انقلاب خلافت راشدہ کا جز بن جاتا ہے اب کسی اسلامی نظام کو انقلاب سے

علیحدہ کر کے مستقل درجہ دینا غلط ہوگا یوں حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ میں شمار کی جائے گی۔

شاہ ولی اللہ کی امامت

الغرض بین الاقوامی نظام کو قائم کرنے والی تعلیم جو قرآن حکیم ہے اس پر ہماری آج تک کی معلومات کی بنا پر شاہ ولی اللہ کو امام بنائے بغیر اس دوسرے ہزار سال میں عمل تقریباً ناممکن ہے۔ پس اس کے لئے حضرت شاہ صاحب کو امام ماننا پڑے گا اور اسلامی جمہوریتیں قائم کر کے حجاز مقدس میں بین الاقوامی جمہوری نظام قائم کرنا ہوگا۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

بینات کیا ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق تورات کی آیتوں سے اور انجیل کی آیتوں سے صاف واضح ہوتی ہے جیسا کہ سرسید احمد کی "خطبات احمدیہ" میں تصریح کی گئی ہے یہ بینات ہیں۔
قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کہنے لگے۔ یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

سحر سے کیا مراد ہے؟

حضرت نبی اکرم ﷺ وہی پروگرام لے کر آئے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ بھی بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں جس پر حکم خداوندی حاکم ہو مگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پروگرام کے تحت بین الاقوامی حکومت کا پیدا ہو جانا جادوگری ہوگی موسیٰؑ کے طریق کار کا کام نہ ہوگا یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کو اس سلسلے کا متمم نبی قبول ہی نہیں کرتے۔

(7) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

ترجمہ : اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسلام کی طرف اسے بلایا جا رہا ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کتاب الٰہی کی اطاعت کرنا اور اس کا حکم ماننا ہی اسلام ہے۔ قرآن حکیم توریت کی اطاعت کا حکم دیتا ہے گویا وہ اسی اسلام کی دعوت دیتا ہے جسے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ قائم کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اگر کوئی جماعت جو ان کے اتباع کی مدعی ہو اس کا انکار کر دے تو اس

سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے؟ انصاف کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ خدا کے قانون کی بے رو و رعایت اطاعت کی جائے۔ خدا کا وہ قانون جو ابراہیمؑ کے ذریعے سے پھیلا اور موسیٰؑ کی کتاب میں ضبط کیا گیا تھا اسی کی دعوت رسول عربی ﷺ دیتے ہیں اس کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مخالفین خدا کے نام پر انصاف کرنا نہیں چاہتے یہی سب سے بڑی بے انصافی ہے یہ لوگ ابھی تک اس کے منتظر بھی ہیں کہ ایک متمم نبی آئے جو توریت اور انجیل کے احکام پورے کردے اس کے باوجود اس نبیٔ اعظم کو نہیں مانتے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

اس بے انصافی اور ظلم کے بعد جو انہوں نے قرآن حکیم کے ساتھ برتی ان کا کوئی حق نہیں رہتا کہ خدا سے یہ امید رکھیں کہ کوئی اور نبی ان کی ہدایت کے لئے بھیجا جائے۔

ارتجاعی جماعتیں

ان آیتوں کے تقاضے سے ہم جس قدر سمجھ سکتے ہیں اس کا یہی حاصل ہے کہ جس نبیؑ کا انتظار یہودی کر رہے ہیں یا عیسائی کر رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان کے تشریف لانے کے بعد کسی نبی کا انتظار قطعاً غلط ہے وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے اور انتظار کئے جاتے ہیں ان جیسی ارتجاعی جماعتیں مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئی ہیں ان کے ہاں یہ فکر کہ کوئی اور شخص آکر دینی تعلیم کو مکمل کرے گا مسلسل پایا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اور مطلب ہو اور قدرت الٰہی کوئی آدمی پیدا کر دے تو اسے ہم ممکن مانتے ہیں مگر یہ کہ انسانوں کو تعلیم دینے کے لئے کوئی اور شخص آئے گا اسے ہم قطعاً غلط مانتے ہیں۔

(8) يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝

ترجمہ : وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں۔

ان کی کوششیں یہی ہیں کہ نور الٰہی قرآن حکیم بجھا دیا جائے اپنے پراپیگنڈا کے زور سے اس کی تعلیم کو ناکام بنادیں مگر اللہ اس تعلیم کو کامیاب بنا کر چھوڑے گا مخالف لوگ ناکام رہیں گے مگر ان کو جبراً مغلوب ہو کر رہنا پڑے گا۔

(9) هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝

ترجمہ : وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

کسریٰ و قیصر کے مغلوب ہو جانے کے بعد اس دین کا غلبہ تمام ادیان پر محقق ہو گیا۔ اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں بیان فرمائی ہے۔

اَلْهُدٰی افراد نوع انسانی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا کرنے کے لئے جس ہدایت کی ضرورت ہے وہ الہدیٰ ہے۔

دِيْنِ الْحَقِّ اجتماعی قانون جو بین الاقوامی پوزیشن حاصل کرنے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ دین الحق ہے۔ یہ بھی قرآن میں دیا گیا ہے۔ چونکہ قرآن کا قانون نوع انسان کے لئے بہترین طبعی قانون ہے اس لئے اس کا تمام ادیان پر غلبہ ہونا چاہئے یہ انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔

اَلْمُشْرِكُوْنَ جن لوگوں نے خدا کے سوا کسی اور کو حاکم مان لیا اور خدا کے قانون کے سوا کسی اور نظام قانون کو بین الاقوامی درجہ دیا وہ مشرک ہیں ان کو مجبور ہو کر اس بین الاقوامی قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا یہی وہ عظیم الشان انقلاب ہے جس کی قرآن حکیم دعوت دیتا ہے جب یہ نور دنیا میں پھیل جائے اور اپنی قوت کا ثبوت ایک مرتبہ دے دے تو اب کسی اور نبی کا انتظار بے سود۔ اسی پروگرام کو انقلابی رنگ میں چلائیے۔

بین الاقوامی غلبے کا پروگرام

رسول اللہ ﷺ کے عمل سے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانے میں اظہار دین ہو جائے گا یہ ایک مخصوص جماعت کی کوشش کا نتیجہ ہو گا جسے حزب اللہ کہتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے اب آئندہ اس مثال کے مطابق کام ہونا چاہئے۔ اسی طرح ہمیشہ ایسا غلبہ متحقق ہوتا رہے گا اس لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے وہ پروگرام کیا ہے جو رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے عمل سے مستنبط ہوتا ہے؟ اس کا ذکر آیات نمبر10-13 میں آتا ہے۔

(10) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ

ترجمہ : اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے

نجات دے؟

عذاب الیم کیا ہے؟

ایک مذہبی جماعت کا غیرمذہبی حاکم کی اطاعت پر مجبور ہو جانا عذاب الیم ہے۔

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ۝

تمہیں ایک معاملہ بتائیں جیسے ایک تاجر سوچ سمجھ کر اپنی مرکزی طاقت بڑھا لیتے ہیں تم بھی ایک کام اپنے ہاتھ میں لے لو تو اس عذاب سے ہمیشہ نجات پاؤ گے اور کوئی غیرطاقت جو خدائی قانون کو نہ مانتی ہو تم پر غالب نہ آسکے گی۔

(11) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

ترجمہ : تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

عذاب الیم سے بچنے کے لئے پہلا کام

① ایمان

کامیابی کا پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن عظیم پر ایمان لاؤ اور اس کی تشریحات جو رسول اللہ ﷺ نے دیں اور جن کے مطابق آپ نے لائحہ عمل بتلایا اس پر ایمان لاؤ۔ اس کے متعلق ایسا یقین پیدا کر لو کہ کسی اور چیز کے متعلق نہ ہو۔

تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دوسرا کام

(2) جہاد :-

یہ قانون ہی سبیل اللہ ہے۔ اسے کامیاب بنانے کے لئے مال دینے اور سر دینے کی ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ سب کچھ حزب اللہ کے نظام کے اندر ہوگا۔ اس طرح مال اور سر کی بازی لگا کر کام کرتے رہو۔ یہی جہاد ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ بہترین طریقہ ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں معاملات دنیا کے اتار چڑھاؤ اور قوموں کے تنزل و ترقی کا علم ہو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔

(12) يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝

ترجمہ : وہ تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کے باغوں میں یہ بڑی کامیابی ہے۔

(13) وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

ترجمہ : اور دوسری بات جو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد ہے اور جلدی فتح اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدے۔

کام کا نتیجہ

اس طرح کام کرنے سے انسانیت کی دونوں ضرورتیں پوری ہو جائیں گی یعنی

① تعلق باللہ کی اصلاح

② دنیا میں غلبہ

(1) تعلق باللہ کی اصلاح

یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ اللہ اور بندے کے تعلقات اس کے پروگرام۔ جہاد فی سبیل اللہ سے درست ہوں گے جو الہدیٰ کا نتیجہ ہے۔ (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى (آیت 9) اس میں شاہ ولی اللہؒ نے خیر کثیر میں کافی بحث کی ہے۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْب جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دین سب ادیان پر غالب آجائے گا۔ (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (نمبر9)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ان کو اس بات کی بشارت دو کہ جب وہ اس ایمانی طریق پر کام کریں گے ہمیشہ غالب رہیں گے۔

حضرت مسیحؑ کا نمونہ

رسول اکرم ﷺ کی جماعت نے ایک مرکزی قطعہ زمین پر نمونہ قائم کر دیا اسے ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے وہی طریقہ استعمال کرنا پڑے گا جو حضرت مسیحؑ نے حواریین کے ذریعے سے قائم کیا۔

① بین الاقوامی مرکز

حواریین کو مسیح کا دیا ہوا پروگرام یہ تھا کہ وہ مسیح کا پیام دنیا کی قوموں میں نشر کریں۔ ناقوسوں میں اس پیام کی اشاعت کے بعد ایک جماعت تو ایسی پیدا ہو جائے گی جو اسے ماننے گی اور ایک مخالف جماعت پیدا ہو جائے گی اس قوم کی ماننے والی جماعت اپنی مخالف جماعت کو شکست دیتی رہے گی اس طرح یہ قانون دنیا بھر میں پھیل جائے گا۔

اسی طرح قرآن کا غلبہ دنیا میں متحقق کرنے کے لئے اگر ایک مرکزی عظیم الشان شاہانہ قوت پیدا ہو جائے اور اس کی پشت پر بہت بڑی فوجی طاقت ہونی چاہئے جو انٹرنیشنل غلبہ حاصل کر سکے مگر اس میں دقت یہ ہے کہ جس مرکز میں اتنی اعلیٰ فوجی طاقت پیدا کی جائے گی وہ خود اصلی قاعدہ چھوڑ بیٹھے گا۔ اور اپنا تغلب جمائے گا۔ اس طرح اس کے اندر رُہدی کا درجہ قائم ہی نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھ سکے وہ اپنے مخالفوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی قوت جمع کرے گا۔ چاہے وہ جائز ذرائع سے جمع ہو یا غیر جائز ذرائع سے یہ بات تجربوں سے ثابت ہو چکی ہے۔

② ایک قوم میں مرکز ہدایت

اس کے برخلاف دوسرا طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ قوم میں اپنا اپنا مرکز ہدایت قائم کیا جائے اس قوم کو قومی زبان کی تعلیم دے کر قومی مرکز قائم کر دیا جائے۔ وہ اپنی قوم کے مرکز پر غالب آجائے اس کے لئے بہت زیادہ فوجی قوت کی ضرورت نہ ہوگی جیسے پہلی صورت میں ضروری تھی۔ چونکہ یہ قومیں ایک ہی پروگرام پر قائم ہو چکی ہیں۔ وہ باہمی مشورے کے لئے ایک مرکز بنا سکتی ہیں اس کے لئے حج کی تحریک بہت کام دے سکتی ہے تمام قوموں کے مسلمان وہاں مل کر بین الاقوامی اجتماع بنا لیں گے۔ اس میں زیادہ تر قوت تعلیم اور ہدایت کی ہوگی جہاں لوگ حج کے لئے جمع ہوں وہ جنگ کا مرکز نہیں ہے وہ فقط خدا یاد کرنے اور صحیح علم پھیلانے کا اجتماعی مرکز ہے۔ فوجی قوت ہر ایک قوم اپنے اپنے گھر کے مخالفوں سے نپٹنے کے لئے اپنے گھر میں جمع کرے گی۔

مرکزی فوجی طاقت کا نقصان

یہ وہ فکر ہے جو ہم آج کل کی انٹرنیشنلسٹ جماعتوں سے سمجھ سکے ہیں ہمارے خیال میں حج کی تحریک اور جہاد کے قومی پروگرام اس فکر کو پورا کرتے ہیں مگر ہماری تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں فوجی قوت پیدا ہوئی وہیں شہنشاہی پیدا ہو گئی گو اس سے وقتی طور

پر فائدہ پہنچا مگر مستقل طور پر قرآن کی تعمیل کی (Agency) پیدا نہیں ہو سکی۔

دور جمہوریت میں نشر قرآن کا طریق

اب اس دوسرے ہزار سال میں جب شاہی پروگرام ختم ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ جمہوریتیں لے رہی ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ بیداری آجائے کہ وہ شاہی حکومت کی جگہ قومی حکومتوں کے ذریعے سے قرآن حکیم کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں تو تمام دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت براہ راست پھیل سکتی ہے اس کے لئے ہر زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ ہونا چاہئے جس کے ساتھ قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام کی تشریح بھی ہو۔ اس کے لئے شاہ ولی اللہؒ کی حکمت بہت کام دے گی۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے تحفظ کے لئے فوجی طاقت خود جمع کرے انٹرنیشنل مسائل کے سوچنے کے لئے حج سے بہتر کوئی تحریک پیدا نہیں کی جا سکتی۔ مگر ان رسوم کے اندر جو روح تھی اس کے غائب ہو جانے سے وہ نتیجے نہیں نکل رہے؟ اور نہ نکل سکتے ہیں جن کی خاطر یہ قوانین من جانب اللہ سکھائے گئے تھے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریین سے کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ پھر ہم نے ایمان داروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔

كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ یعنی حزب اللہ کا نظام اپنی اپنی قوموں میں پھیلاؤ۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم تیرا پروگرام دنیا کی قوموں میں پہنچاتے ہیں چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بنی اسرائیل ہی کو لیا۔

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ بنی اسرائیل کے ایک طائفے میں ایمان آگیا۔

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ دوسرے طائفے نے اس پروگرام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ○ بنی

اسرائیل کے مومنوں نے اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔

حضرت مسیحؑ کے حوارین کا یہ طریق عمل' ایک مثال (كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ) قرآن حکیم کی تعلیم بھی دنیا کی قوموں میں اسی طرح جاری ہو سکتی ہے۔

اُسوہ مسیحیؑ کی کامیابی

حضرت مسیح نے اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے جماعت تیار کی تو اسے پہلے پہل عدم تشدد کا پابند بنا دیا مگر یہ حکم ایک محدود زمانے کے لئے تھا جب تک لڑنے والی طاقت تیار نہ ہو عدم تشدد ہی تیاری کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو پھر لڑنا جائز ہوتا ہے چنانچہ خود حضرت مسیح نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ میں لڑنے اور لڑانے کے لئے آیا ہوں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ میں عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ تیار کرایا اور مدینہ منورہ میں لڑنے کا پروگرام دیا۔ پس یہ نسخہ پہلے بنی اسرائیل میں پھر بنی اسمٰعیل میں استعمال کیا جا چکا ہے اور اس کے طفیل عربی طاقت نے کسریٰ و قیصر پر غلبہ حاصل کیا۔

اُسوۂ محمدیؐ کی کامیابی

شاہ ولی اللہ کی تحقیقات میں حجاز کی فتح کا نتیجہ عرب پر غلبہ تھا پھر عراق اور شام پر عربی طاقت کی مدد سے غلبہ حاصل ہوا اس کے بعد عراقی طاقت سے ایران پر اور شامی طاقت سے رومی سلطنت پر غلبہ حاصل کیا گیا خشت بر خشت انٹرنیشنل غلبہ حاصل ہو گیا اسی طرح دنیا میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ حزب اللہ کا آخری پروگرام ہے۔

قرآنی عنوان انقلاب

سورہ فتح کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

افادات

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

مرتب

شیخ بشیر احمد لدھیانوی (مرحوم)

مکی دار الکتب

32، میکلیگن روڈ، ایچ کے بس بس سنٹر، چوک اے جی آفس لاہور

فون: 7239138

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

مقدمہ

ضبط کی ضرورت : قرآن حکیم کل قوی پیمانے پر انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے اس کا ایک نصب العین یا مرکزی فکر ہے۔ وہ اس فکر کو ایک جماعت کی تکمیل تیاری کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کے ایک حصے اور ملک کے ایک خطے میں خاص شکل میں قائم کرنا چاہتا ہے مگر ظاہر ہے کہ کوئی جماعت ضبط (Discipline) کے بغیر تکمیل نہیں ہو سکتی اور جتنا بڑا انقلاب ہو اتنے ہی زبردست ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی جماعت میں ضبط : جو جماعت بہت سخت ضبط کی مالک ہوتی ہے وہ صلح اور جنگ میں اپنی مرکزی جماعت کے فیصلے کی پوری پوری فرمانبرداری کرتی ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت پیدا کی وہ جنگ میں ضبط کے مظاہرے کئی بار کر چکی۔ صلح کرنے میں ضبط کے بہترین مظاہرے کا موقعہ حدیبیہ میں پیش آیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے کمزور دشمن کی بدترین شرطیں صرف اس لئے مان لیں کہ وہ بنیادی طور پر ان اصول کی حفاظت چاہتا تھا۔ جن کی حفاظت کے لئے یہ انقلاب برپا کیا جا رہا تھا یعنی دین حنیفی کے مرکز۔ کعبۃ اللہ کا احترام۔ آپ کی جماعت نے اس اصول کو پوری طرح سے سمجھتے ہوئے بھی اس صلح کو صرف اس لئے مان لیا کہ وہ ایک زبردست ضبط میں آئے ہوئے تھے اس ضبط کی انتہا یہ تھی کہ جب آپؐ نے اس جماعت سے موت پر بیعت لینی چاہی تو ہر ایک شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے اور جو شخص بھی اس وعدے کو توڑے گا اسے ضبط توڑنے کی بڑی سے بڑی سزا بھی مل سکتی ہے۔

اس ضبط کا مقصد : اس اونچے پیمانے کا ضبط پیدا کرنے کا مقصود کیا ہے؟ اس سورت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم اس ضبط کو سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ خدا پرستی قائم ہو۔

انقلاب کی طبعی رفتار : اس بات کو کھول کر بیان کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کا انقلاب ایک مضبوط ضابطہ جماعت کے ذریعے سے عمل میں آیا جس نے اپنا

کام عرب میں شروع کیا اس انقلاب کی طبعی رفتار یہ تھی۔

(1) ذاتی انقلاب (2) محدود جماعت کی تیاری (3) قومی انقلاب (4) بین الاقوامی انقلاب۔

(1) **ذاتی انقلاب** : کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

(ا) قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ○ (انعام 6: 162، 163)

یعنی تو کہہ دے کہ میری بدنی اور مالی عبادتیں میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ ہی کے راستے میں ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

(ب) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا (تحریم 66:6)

اے وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(2) **محدود جماعت کی تیاری** : مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی چنانچہ حکم آیا کہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء 26:214)

(اپنے قریبی قبیلہ والوں کو آنے والے انقلاب کی تنبیہہ کر دو)

(3) آنے والے قومی انقلاب کی طرف بہت سی آیات اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ○ (یوسف 12: 1-2)

(4) **بین الاقوامی انقلاب** : کا بھی جو قرآنی تحریک کا معراج ہے بہت سی آیات میں ذکر موجود ہے مثلاً

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (ص 38: 87)

(یہ قرآن تمام دنیا کی قوموں کے لئے یاددہانی ہے)

صلح حدیبیہ کا مقام تاریخ اسلام میں : صلح حدیبیہ اس حیثیت سے تاریخ اسلام

میں نقطہ تغیر (Turning Point) کا حکم رکھتی ہے کہ اب قرآنی انقلاب کی علمبردار جماعت انفرادی اور جماعتی انقلاب کی منزلیں طے کرنے کے بعد قومی انقلاب کی منزل بھی ختم کرنے والی تھی۔ اور ضبط اور تیاری کے سب سے اونچے نقطے پر پہنچ چکی تھی۔ اب اللہ کی حکمت چاہتی تھی کہ اسے بین الاقوامی میدان میں لائے چنانچہ سورۂ فتح میں اس آنے والی تبدیلی کی پیشگوئی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (16:48)

(جو اعرابی اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں گئے اور پیچھے رہ گئے ان سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک شدید جنگجو قوم سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا۔

اس آیت میں اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (شدید جنگجو قوم) سے بقول امام ولی اللہ دہلویؒ ایرانی اور رومی مراد ہیں۔ اسی کی طرف آگے چل کر ان الفاظ میں بھی اشارہ موجود ہے۔

وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا (21:48)

(اور وہ مال غنیمت جس پر ابھی تم نے قدرت حاصل نہیں کی)

ان غنیمتوں سے بھی ایرانی اور رومی جنگوں کی غنیمتیں مراد ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آتے ہی محرم 7ھ میں عرب کے اردگرد کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اسلام کی طرف بلاوا بھیج دیا یہ دعوت نامے کیا تھے آنے والے انقلاب کی تنبیہہ تھی۔ جو ان قوموں کو اپنے اندر ہضم کرنے والا تھا۔ چنانچہ قیصر روم کو تحریر فرمایا کہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْيَرِيْسِيِّيْنَ الخ

یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہ یہ خط محمد (ﷺ) کی جانب سے ہے جو اللہ کا بندہ اور اس کا ایلچی ہے۔ ہرقل شاہ روم کے نام سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہے۔

بعد حمد صلوٰۃ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کرلے تو تمام آفتوں سے بچ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا اگر تو نے انکار کیا تو تمام دہقانوں اور کاشتکاروں کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

اور کسریٰ ایران کو لکھا کہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ : مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ خط محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں۔ کسریٰ شاہ ایران کی طرف سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی پوجا کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو اس کا پیغام پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ہوں۔ تاکہ جو لوگ زندہ ہیں انہیں تنبیہہ کردی جائے اسلام لے آ۔ تو بچ رہے گا اگر تو اسلام نہ لایا تو مجوس کے تمام گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

امام ولی اللہ کا فکر : حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد ان دو سلطنتوں اور روئے زمین کے اسی قسم کے ظالمانہ نظاموں کو تباہ کرنا تھا کیونکہ خصوصاً ان دونوں بادشاہتوں میں معاشی عدم توازن انتہا کو پہنچ چکا تھا چنانچہ ایک چھوٹا سا امیر طبقہ دولت کی زیادتی کی وجہ سے عیاشیوں میں مبتلا ہو کر خدا فراموشی کے سبب سے عوام پر حددرجہ ظلم کرنے لگ گیا تھا اور عوام بھاری بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر بیلوں اور گدھوں کے درجے میں آچکے تھے۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی کی بھلائی کے خیالات سے بالکل کورے ہو چکے تھے۔[1] آنحضرت ﷺ نے ان دو

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ طبع مصر جلد اول ص 105

بادشاہوں کو جو خطوط ارسال فرمائے ان کی عبارت نہایت معنی خیز ہے اور اوپر بیان کی ہوئی باتوں کی طرف نہایت لطافت کے ساتھ اشارہ کرتی ہیں۔ دونوں میں عوام کی اخلاقی بربادی اور دوسری زندگی کی بھلائی سے محرومی کا ذمہ دار ان بادشاہوں کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ہرقل کے نام جو خط ہے اس میں ہے کہ:

فَاِنْ اَبَیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمُ الْیَرِیْسِیِّیْنَ

(اگر تو نے اسلامی انقلاب کو قبول نہ کیا تو تیرے ماتحت جو کاشتکار طبقہ تباہ ہو رہا ہے اس کے گناہوں کا یقینی طور پر تو ذمہ دار قرار دیا جائے گا)

ایسے ہی کسریٰ ایران کے نام جو گرامی نامہ ارسال فرمایا اس میں ہے کہ:

فَاِنْ اَبَیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ

(اگر تو اسلامی انقلاب کے نیچے نہ آیا تو تیری ساری رعایا' مجوس کے گناہوں کا وبال تیری گردن پر ہو گا)

جیسے اوپر بتایا جا چکا ہے اب عرب کے انقلاب کی تحریک قومی حدوں سے باہر نکل کر اپنی تعلیم کی حقیقی روح کے پھیلنے کے لئے بین الاقوامی میدان تلاش کر رہی تھی۔ اس کا اشارہ کسریٰ کے خط میں موجود ہے جس کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً

(میں اللہ کی طرف سے تمام دنیا کی قوموں کو پیام پہنچانے آیا ہوں)

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کے سرمایہ شکن بین الاقوامی انقلاب کو قومی پیمانے پر عرب میں بالکل کامیاب بنا کر دکھا دیا اور اس کے بین الاقوامی پھیلاؤ کے لئے جن قوتوں کی ضرورت تھی انہیں جگا کر اس انقلابی جماعت کے نیچے کر دیا اور ان دعوت ناموں کے ذریعے عرب کے اردگرد کی سلطنتوں کو یہ انقلاب قبول کرنے کے لئے سوچنے کو کافی وقت دیا۔ اتنا کام کرنے کے بعد جو انتہائی کامیابی کا پوری طرح کفیل تھا آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ باقی کام آپ کی تیار کی ہوئی جماعت نے عین اس پروگرام کے مطابق پورا کر دیا۔ جس کی مدّات (Items) آپ انہیں سکھا گئے تھے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے سے شروع ہو کر حضرت عثمانؓ کے زمانے تک قرآنی انقلاب بین الاقوامی پیمانے پر اس طرح مضبوط ہو گیا کہ اس زمانے کی کوئی سیاسی طاقت اس کے مقابلے

میں آنے کے قابل نہ رہی۔

سورۂ فتح کا قیمتی سبق : اس سورت میں ہر زمانے کے سیاسی کام کرنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سبق اور نہایت مفید رہنمائی ہے اور وہ یہ کہ جس زمانے میں قرآنی انقلاب ارتجاع (Reaction) کی نذر ہو جائے ایک جماعت پہلے اس علاقے میں کامیاب مرکز بنائے۔ جس میں وہ بستی ہے اور پھر وہاں سے اس انقلاب کی شاخیں دوسری قوموں میں پہنچائے۔ اور ہر ایک قوم کے انقلابی اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی کی کوشش کریں۔ گویا اگرچہ اسلامی انقلاب اصل میں بین الاقوامی ہے۔ لیکن شروع ہی میں اسے عملاً" بین الاقوامی پیمانے پر چلانا حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک قوم کے اندر رہ کر ایسی جماعت تیار کی جائے جو تمام قوموں میں کام کرے اور تمام قوموں کو ایک ہی وقت اس قانون کے نیچے لانے کی کوشش کرے چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

وَهٰذَا الْإِمَامُ الَّذِيْ يَجْمَعُ الْأُمَمَ عَلٰى مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ يَحْتَاجُ اِلٰى أُصُوْلٍ أُخْرٰى غَيْرَ الْأُصُوْلِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْمَا سَبَقَ مِنْهَا أَنْ يَّدْعُوَ قَوْمًا اِلَى السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيَهُمْ وَيُصْلِحَ شَأْنَهُمْ ثُمَّ يَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَيُجَاهِدَ بِهِمْ أَهْلَ الْأَرْضِ وَيُفَرِّقَهُمْ فِي الْآفَاقِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَذَالِكَ لِأَنَّ هٰذَا الْإِمَامَ نَفْسَهٗ لَا يَتَأَتّٰى مِنْهُ مُجَاهَدَةُ أُمَمٍ غَيْرِ مَحْصُوْرَةٍ (حجۃ اللہ البالغہ طبع مصر جلد اول ص 118)

یعنی جو امام بین الاقوامی کام کے لئے مقرر ہو وہ اوپر بیان کئے ہوئے اصول کے خلاف اور اصول پر کام کرے گا۔ مثلاً" وہ ایک قوم کو زندگی گزارنے کے صحیح قاعدوں کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک اور درست کر کے اپنا آلہ کار بنائے گا اور انہیں ساتھ لے کر دوسری قوموں سے لڑے گا اور انہیں مختلف قوموں میں بکھیر دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت میں کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (تم مسلم امت کا [illegible] حصہ ہو جو تمام دنیا کی قوموں کے لئے چنے گئے ہو) کا یہی

مطلب ہے۔ کام کرنے کا یہ طریق اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ ایسا امام تن تنہا ساری قوموں سے جہاد نہیں کر سکتا۔

موت قبول کرنے کی منزل : اس سورت میں اس حقیقت پر بھی پوری روشنی ڈالی گئی ہے کہ قرآنی تحریک میں ایک منزل آسکتی ہے جب اسے آگے بڑھانے کے لئے موت قبول کرنی پڑے اور جیسے صلح حدیبیہ کی تفصیل سے معلوم ہو گا موت قبول کرنے کی شکل اللہ کی رہ میں جنگ کرنا بھی ہو سکتی ہے۔

قرآن اجماعی جنگ کا قائل ہے : اس سورت کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نہ صرف جنگ کا قائل ہے بلکہ جنگ اجماعی (Total War) کا قائل ہے یعنی اس کے نزدیک ہر شخص جان و مال سے اس میں پورا پورا حصہ لے گا یہاں تک کہ بیمار، لولے، لنگڑے اور اندھے بھی اپنا اپنا حصہ ادا کرنے پر مجبور ہیں حقیقت بھی یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی تحریک اگر جنگ کا انکار کرتی ہے تو اسے ہر شکل میں ناجائز سمجھے گی اور کامل طور پر اہنسا (عدم تشدد) پر کاربند ہوگی۔ اگر وہ جنگ کو جائز سمجھتی ہے تو وہ جنگ کو اجماعی اور کلی حیثیت سے قبول کرے گی۔ اور اپنے ہر ایک ممبر کو اس کی پوری طاقت کے مطابق اس میں حصہ لینے کا ذمہ دار سمجھے گی کوئی شخص بہانہ بنا کر اس ذمہ داری سے بچ نہیں سکتا۔

ہندوستان اس وقت ایک زبردست لادینی سرمایہ پرست نظام کے نیچے ہے جس کی وجہ سے اس کی چالیس کروڑ آبادی میں سے چند مالداروں کو مستثنیٰ کر کے باقی ساری آبادی بھوکی یا آدھی بھوکی زندگی بسر کر رہی ہے وہ طرح طرح کی کمزوریوں اور بیماریوں میں پھنسی ہوئی ہے اور جہالت میں مبتلا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی انسانیت کو بھولی ہوئی ہے وہ نہ یہ جانتے ہیں کہ آپس میں ان کے کیا حق اور فرض ہیں اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے ساتھ ان کے کیا تعلقات ہونے چاہئیں سورۂ فتح چاہتی ہے کہ ہندوستان کے اس بھول گھر میں ایسی جماعت پیدا کی جائے جو حجازی بین الاقوامی انقلاب لانے والی جماعت کی طرح انتہائی ضبط کی مالک ہو۔ اس کے ارکان اس سرمایہ پرستانہ نظام کو توڑنے کے لئے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ موت کو قبول کر کے پوری پوری اور انتہائی کوشش کریں اور فی الحال یَقْتُلُوْنَ (قتل کرنا) کو ملتوی رکھ کر یُقْتَلُوْنَ (قتل ہونا) کو قبول

کریں[ا] ان کی نظر بین الاقوامی ہو وہ ہر ایک انسان کے ساتھ خدا تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا عدل کرنے کو تیار ہوں اور چالیس کروڑ کی مظلوم انسانیت کو سرمایہ پرستی اور اس کے پیدا کیے ہوئے معاشی ظلم سے نجات دلا کر اس کے لئے خدا کو پہچاننے کا راستہ آسان کر دیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ صَاحِبِ الْاِنْقِلَابِ الْعَظِيْمِ وَعَلَى الَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ اَلَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ الْاِرْتِفَاقَاتِ الْمَعَاشِيَّةَ وَالْاِرْتِفَاقَاتِ الْمَعَادِيَةَ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

(آخری بات یہ ہے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سب قوموں کا پالنے والا ہے اور رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اس نبی اعظم پر جو عالمگیر انقلاب کی دعوت دینے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جو ان کافروں پر سخت ہیں۔ جو انسانی سوسائٹی کے معاشی ارتفاقات اور معادی ارتفاقات خراب کرتے ہیں آپ کے ساتھی آپس میں بہت نرم اور رحم دل ہیں۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے اس کے آگے سجدہ کر رہے ہیں)۔

بشیر احمد (بی اے) لودیانوی) لدھیانوی

[ا] اس آیت کی طرف اشارہ ہے يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں) (سورہ توبہ 9:111)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ

قومی انقلاب

تمہید

سورۂ محمدؐ (یا قتال) سورۂ فتح اور سورۂ حجرات نفس مضمون کے اعتبار سے ایک مرتب مجموعہ ہے جس میں اسلامی انقلاب کی تنظیم پر بحث کی گئی ہے جس کے لئے بیرونی حملوں سے بچاؤ کل قومی پھیلاؤ اور اندرونی معاشرتی زندگی کی تنظیم کے قوانین دیئے گئے ہیں

سورۂ محمد (یا قتال) ہجرت کے پہلے ہی سال جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی عربی جنگوں کی ضرورت کے پیش نظر میدان جنگ کے قوانین دیئے گئے ہیں۔

انیس سال کے تھوڑے عرصے میں یہ انقلابی جماعت ضبط اور نظم میں ترقی کر کے ایسی بے نظیر قوت ضبط کی مالک ہو گئی کہ وہ صلح اور جنگ میں ایک ہی نظریئے کے ماتحت کام کرنے کے قابل ہو گئی۔ یہ وہ حالت ہے جس میں اسے خدا تعالیٰ نے بین الاقوامی پھیلاؤ (Expansion) کے قابل سمجھا۔ چنانچہ سورۂ فتح میں جو حدیبیہ سے واپسی پر راستے میں اتری۔ اس انقلابی جماعت کی اس اعلیٰ درجے کی حالت کا نقشہ کھینچ کر آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی خبر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان جنگوں میں اس جماعت کا نظریہ کیا ہونا چاہئے۔

سورۂ حجرات میں غیر مصافی قانون (Civil Laws) اور معاشرت کی چند دفعات سکھائی گئی ہیں۔

سورۂ فتح کا مرکزی واقعہ : سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ 6ھ میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ گویا آپ اور مسلمان مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف[1] کر

---

[1] گرد گھومنا۔ یہ حج کی ایک رسم ہے (مرتب)

رہے ہیں اس خواب کی کیفیت سن کر غریب الوطن مسلمان جو عرصے سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بے تاب تھے اور بھی بے چین ہو گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت بھی عمرواے[1] کے لئے جانے پر تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کی جماعت ذی قعدہ 6ھ میں مدینہ منورہ سے نکلی۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ پندرہ سو صحابہ تھے۔ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ) جن میں سے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل جب آنحضرت ﷺ ذی الحلیفہ کے گاؤں میں پہنچے تو آپ نے عمرے کا احرام[2] باندھا اور قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس (Scout) بھیجا کہ قریش کی خبر لائے۔ چنانچہ جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو وہ سکاؤٹ واپس آیا اور اس نے خبر دی کہ قریش آپ کو روکنے اور آپ سے لڑنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔

جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے گھر سے نہیں نکلے لیکن اگر کوئی ہمیں بیت اللہ (کعبہ) تک پہنچنے سے روکے گا تو اس سے لڑیں گے یہ سن کر حضرت نبی اکرم ﷺ آگے بڑھے اور کچھ دور جا کر آپ نے فرمایا کہ خالد بن ولید غمیم میں ہے ہم دائیں کو ہو چلیں۔ یہاں تک کہ آپ اپنی جماعت سمیت اس وادی تک پہنچ گئے جہاں سے مکہ کو جاتے ہیں۔ یہاں آپ کی اونٹنی یکایک ٹھہر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قریش مجھ سے کسی ایسی بات کا مطالبہ کریں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمات[3] کی تعظیم ہوتی ہو تو میں ان کی بات مان لوں گا آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر اترے یہاں سے مکہ صرف 19 میل تھا۔

یہاں سے آپ نے حضرت عثمان ؓ بن عفان کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تاکہ انہیں خبر دیں کہ مسلمان صرف عمرو ادا کرنے آئے ہیں ساتھ ہی انہیں ہدایت کر دی کہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان چھپے چھپے رہتے ہیں ان سے بھی ملیں۔ اور انہیں فتح کی خوشخبری دیں اور انہیں اطمینان دلا دیں کہ مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اور کسی کو اپنا ایمان

اے عمرو چھوٹا حج جو حج کے مقررہ دنوں کی علاوہ کیا جا) ہے۔ اس میں بھی حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ (مرتب)

2ے وہ خاص بن سلا لباس جو حج کے دنوں میں پہنا جاتا ہے (مرتب)

3ے وہ جگہیں جن کی عزت کی جاتی ہے۔ (مرتب)

چھپانے کی ضرورت نہ رہے گی چنانچہ حضرت عثمانؓ بلوح کے مقام پر قریش کی جماعت سے ملے اور پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے مسلمانوں پر اس خبر کا جو اثر پڑ سکتا تھا ظاہر ہے آنحضرت ﷺ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے تمام حاضرین سے اس امر پر اقرار لیا کہ اگر اب لڑنا پڑے تو ثابت قدم رہیں گے مسلمانوں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت ابوسنان الاسدی نے بیعت کی۔ ایک صحابی حضرت سلمہ بن اکوع نے تین مرتبہ بیعت کی یعنی شروع میں' بیچ میں اور آخر میں۔

یہ خبریں سن کر قریش کے ہوش جاتے رہے اور انہوں نے صلح کے لئے آدمی بھیجے۔ آخر ان باتوں پر صلح ہو گئی۔

(1) یہ صلح دس سال تک رہے گی۔

(2) جو قبیلے قریش سے ملنا چاہیں' قریش سے مل جائیں اور جو مسلمانوں سے ملنا چاہیں مسلمانوں سے مل جائیں۔

(3) اگلے سال کعبہ کا طواف کر لیں۔

(4) اگر مکہ والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کے پاس چلا جائے تو اسے قریش کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان قریش میں چلا گیا تو اسے واپس نہیں دیا جائے گا۔

اس شرط پر ابھی بحث ہو رہی تھی کہ مسلمان ابوجندلؓ بن سہیل مکہ سے آیا اور تمام مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ قریش کے سفیر نے معاہدے کی شرط کے مطابق اسے طلب کیا حالانکہ ابھی اس شرط پر بحث ہو رہی تھی۔ اس آخری شرط سے سب مسلمان سوائے حضرت ابوبکرؓ کے سخت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کی ترجمانی حضرت عمرؓ نے کی۔ آپؓ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ "یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یقیناً" پھر انہوں نے پوچھا کہ "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہیں؟" آپؐ نے فرمایا یقیناً" پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "کیا میں نے یہ بھی کہا تھا

کہ اسی سال کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "نہیں" تو آپ نے فرمایا کہ "یقین رکھو ہم ضرور یہاں آئیں گے اور طواف کریں گے"۔

حضرت عمرؓ نے اسی قسم کی باتیں حضرت ابوبکرؓ سے بھی کیں حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی وہی جوابات دیئے، جو آنحضرت ﷺ نے دیئے تھے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت جو بات فرمائیں اسے مرتے دم تک بے چون و چرا مانتے رہو۔ غرض یہ شرط منظور ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے ابوجندلؓ کو قریش کے سفیر کے حوالے کر دیا۔ اور "ابوجندلؓ سے صرف اتنا فرمایا۔ ابوجندل! خدا تیری مصیبت دور کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا"۔ ابوجندلؓ نے صبر کے ساتھ اپنی مصیبت کو قبول کر لیا۔ اور تمام مسلمان یہ تلخ گھونٹ پی کر بھی چپکے ہو رہے۔

ابھی حضرت نبی اکرم ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی[80] آدمی کوہ تنعیم سے صبح کے وقت اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کی حالت میں قتل کر دیں یہ سب لوگ گرفتار کر لئے گئے لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں معاف کر کے رہا کرا دیا۔

اس معاہدے کے بعد آپ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے راستے میں سورۂ فتح کی شروع کی آیتیں اتریں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ○

ترجمہ : ہم نے تجھے کھلی فتح دی اور تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کر دیں اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کر دی اور سیدھی راہ کی طرف تیری راہنمائی کرے اور تجھے زبردست مدد دے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا یا رسول اللہؐ کیا یہ فتح ہے؟ (یعنی حدیبیہ کا صلح نامہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہی چیز ہے جسے فتح قرار دیا گیا ہے۔

آپؐ مدینہ منورہ میں ذی الحجہ کے شروع میں واپس تشریف لے آئے یہاں کوئی تین ہفتے ٹھہرے ہوں گے کہ محرم میں خیبر پر چڑھائی کر دی۔ اس معرکے میں صرف ان

مسلمانوں کو شامل ہونے کی اجازت تھی جو حدیبیہ کے واقعے میں شریک رہ چکے تھے۔

صلح کا نتیجہ اور اثر : اس صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور ان کے مخالفوں میں راہ و رسم بڑھا اور میل جول زیادہ ہوا تو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے اور لوگ مسلمانوں کے اچھے سلوک سے اثر لے کر مسلمان ہونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ کی چوتھی شرط کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مخالفین میں سے جو شخص مسلمان ہو کر شرط کے مطابق مخالف کیمپ میں بھیجا جائے گا۔ وہ ضرور وہاں بھی اپنا کام کرتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابو جندلؓ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے عین معاہدہ لکھے جانے کے وقت قریش کے حوالے کر دیئے گئے۔ انہیں مکہ معظمہ لے جا کر قید کر دیا گیا۔ لیکن جو شخص ان کی نگرانی پر مقرر ہوتا۔ وہ ان کے سمجھانے سے مسلمان ہو جاتا۔ اب دونوں مل کر تلقین کرتے اس طرح ان قیدیوں کی تلقین سے تین سو کے قریب آدمی مسلمان ہو گئے۔ قریش مکہ نے بتیرا چاہا کہ آنحضرت ﷺ معاہدے کی اس شرط کو توڑ کر ان مسلمانوں کو اپنے ہاں لے لیں۔ لیکن آپ نے معاہدہ توڑنا قبول نہ فرمایا۔ آخر قریش کو خود ہی ان مسلمانوں کو مکےؓ سے نکال دینا پڑا۔

حدیبیہ میں اسلامی جماعت کے ضبط کا حال اوپر بیان ہو چکا یہ لوگ تو آنحضرت ﷺ کے سامنے تھے لیکن حضرت ابو جندلؓ آپ سے دور ہوتے ہوئے بھی جماعتی ضبط کے اتنے پابند نکلے کہ جب مدینہ منورہ کے مسلمانوںؓ نے قرار دیا کہ ابو جندلؓ نے ابوالعاص کی کے جس قافلے کو لوٹا ہے اس کا مال اسے واپس کر دیں تو انہوں نے اس فیصلے کی اطلاع پاتے ہی ابوالعاص کے قافلے کا سارا اسباب یہاں تک کہ رسی اور اونٹ کی مہار تک ابوالعاص کے حوالے کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ابوالعاص سارا مال حقداروں تک پہنچا کر مسلمان ہو گیا۔

غرض اس صلح کے نتیجے کے طور پر لوگ کثرت سے اسلام لانے لگے چنانچہ جہاں حدیبیہ کے واقعے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ پندرہ سو آدمی تھے وہاں ایک سال بیچ دے کر اگلے سال فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار "قدوسی[ا] " تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ اب مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں کے بادل چھٹ رہے تھے۔ گویا اس صلح نے اسلام کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

ا۔ یہ تورات کا لفظ ہے دیکھو کتاب استثناء باب 33 آیت 2 (مرتب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

---

(1) اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ○

(ہم نے تجھے کھلی فتح دی)

جو صلح فتح کی قائم مقام ہو۔ وہ جماعت کی مضبوط تنظیم پر موقوف ہوتی ہے۔

انقلاب کیا ہے؟ : ایک استاد ایک نیا فکر لے کر اٹھتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور کام کرنے کا صحیح طریقہ سمجھاتا ہے۔ وہ اس تعلیم ہی کے ذریعے سے ایک نظام پیدا کرلیتا ہے۔ جس سے وہ دنیا سے ہر قسم کا ظلم دور کر کے انسانوں کے تعلقات خدا کے ساتھ قائم کرنے کے موقعے بہم پہنچاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مضبوط نظام جس میں ایک فرد اپنا سب کچھ اس نظام پر قربان کرنے کو تیار ہے باطل پر غالب آجاتا ہے۔ یہی انقلاب ہے۔

مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن : اس وقت جب حدیبیہ کے مقام پر دونوں جماعتیں ملیں۔ دونوں کی کیا حالت تھی؟ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کا نظام نہایت مضبوط تھا۔ ان میں ضبط (Discipline) اور اطاعت (Obedience) انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے برخلاف اہل مکہ کمزور تھے ان کے بڑے بڑے سردار مر چکے تھے۔ اور اب اہل مکہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ فوجی نقطہ نگاہ سے بھی مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط تھی کیونکہ وہ اچانک مکہ کے عین پاس پہنچ چکے تھے ان باتوں کے ہوتے ہوئے جب مکہ والوں نے صلح پیش کی تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے وہ شرطیں. جھٹ مان لیں رفتہ رفتہ عام مسلمانوں نے بھی انہیں قبول کرلیا۔ یہ قبولیت ان کے اندرونی نظام کی قوت کے سبب سے تھی۔ نہ اس لئے کہ سب مسلمان صلح کی حکمت کو سمجھ گئے تھے اس صورت میں یہ صلح قیامت تک مسلمانوں کے لئے فخر کا سبب بنی جائے گی۔ اس سے جو فائدے نکلے انہوں نے مخالفوں کو بھی سمجھا دیا کہ اسلامی نظام میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور اس کے پیچھے کیا کیا دانائیاں چھپی ہوئی ہیں۔

جنگوں کا نقصان : اب تک اہل اسلام اور اہل مکہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان کی وجہ سے اہل مکہ ان فائدوں پر غور نہیں کر سکے تھے جو اسلام کا انقلاب قبول کرنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اس مطالعے کے لئے انہیں نہ وقت ملا تھا۔ نہ آسانیاں حاصل ہوئی تھیں۔ اس صلح کے بعد ان لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول بڑھا۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو سوچنا شروع کیا اور انہیں وہ فائدے نظر آئے جو جنگ اور نفرت کے گرد و غبار میں سے نظر نہ آسکتے تھے۔ اب اچھے اچھے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اس طرح قرآنی انقلاب کو ایسے کام کے آدمی مل گئے جنہوں نے آگے چل کر نہایت شاندار تعمیری کارنامے کئے۔

صلح کا فائدہ : یہاں ایک اور بات بھی سوچنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قریش مکہ عرب میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے اگر ان کی اجتماعیت نہ ٹوٹتی اور کسی وجہ سے اپنے پہلے فکر سمیت اسلام میں داخل ہو جاتے تو اپنے قدیم (مشرکانہ) فکر پر نئی اجتماعیت پیدا کر کے اسلام کے اندر ایک مستقل کھینچا تانی کا باعث بنتے۔ لیکن اس صلح کے بعد انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسے عام انسانیت کے لئے مفید سمجھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے قدیم خیالات چھوڑ کر اسلام کا نظریہ لے لیا۔ اور اس کی مضبوطی کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صلح کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(2) لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (تاکہ تیری پہلی لغزشیں اور پچھلی لغزشیں معاف کرے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی پہلی اور پچھلی غلطیوں کی معافی کی اطلاع دی جا رہی ہے جو لوگ نبیوں کو عام طور پر اور آنحضرت ﷺ کو خاص طور پر معصوم[1] مانتے ہیں۔ اور عقلی طور پر اس کے سوا چارہ نہیں کہ انہیں معصوم مانا جائے) ان کے لئے یہ دماغ میں چبھنے والا فکر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں : ہم اس "معافی" کے مسئلے کو اس طرح حل کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قریش پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہی نہیں۔ بلکہ ان کی

---

[1] جس سے کوئی غلطی نہ ہو سکتی ہو (مرتب)

کی پوری کرنے اور تعلیم دینے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 203 میں فرماتے ہیں کہ:

"واضح رہے کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ میں دو خصوصیتیں جمع ہو گئی ہیں۔

(1) نبوت عامہ اور (2) قریش کی سعادت کا سبب بننا

آپ کی نبوت میں مُفَہَّمِیّت[ا] کی تمام قسمیں آگئی ہیں۔ اس سے ہر ایک رنگ دار اور گوری قوم کو فیض پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب (حکمت الٰہی) کی مصلحت[2] کلی کا تقاضا ہوا۔ کہ ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دی۔

باقی رہی قریش کی سعادت تو ان کی لمبی حکومت کی وجہ یہی سعادت تھی۔

میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہوا کہ ہندوستان کے ہندو مستقل عمومی حکومت[3] پیدا کریں۔ تو یقیناً" قانون الٰہی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کر لیں۔ جیسے ترکوں نے قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی عمومیت اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں۔ کبھی تو آپ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں کبھی اس حیثیت سے کہ آپ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں۔

اسی فکر کو حجۃ اللہ البالغہ (مطبوعہ مصر) جلد اول ص 124 اور ص 128 میں یوں ظاہر فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ملت حنیفیت اسماعیلہ میں پڑی ہوئی کجی

ا۔ جسے خدا کی طرف سے کوئی بات سمجھائی جائے۔ اسے مُفَہَّم کہتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے کئی درجے ہیں۔ ان میں معمولی القاء سے لے کر صاف لفظ وحی تک سب آتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 84 [2]۔ سب انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی چیز یا بات (مرتب) [3]۔ ایسی حکومت جس کی بنیاد قومیت کی جگہ انسانیت پر ہو (مرتب)

کو ٹھیک کرنے اس کی بگڑی ہوئی شکل کو صاف کرنے اور اس کا نور پھیلانے کے لئے تشریف لائے جب حقیقت یہ ٹھہری تو لازم آیا کہ اس ملت کے اصول تو قائم رکھے جائیں اور اس کے طریقے نہ ہٹائے جائیں۔ کیونکہ جب نبی اپنی قوم کی طرف مقرر ہو کر آتا ہے تو اس قوم میں کچھ اچھے طور طریقے باقی ہوں تو وہ انہیں نہیں بدلتا کیونکہ ان کو بدلنا بالکل بے معنی ہوتا ہے چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے بھی ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی شریعت پر نظر ڈالی۔ تو جو چیز حضرت اسماعیلؑ کے اصل طریقے پر دیکھی اسے باقی رہنے دیا۔ اور جو چیز بدل چکی تھی اور جس میں فساد اور خرابی آچکی تھی اسے ہٹا دیا۔ آپ نے ملت حنیفیہ کے اشاعت کے بے حد کوشش کی کہ یہ قانون تمام قوموں پر غالب آجائے اس سلسلے میں ملت حنیفیہ میں جو تحریفات[1] دیکھیں ان کو مٹا دیا اور بڑے زور سے ان کی نفی کی۔ اور جو ارتفاقات[2] صحیح تھے۔ انہیں قائم رکھا۔ اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں جو خراب رسمیں آگئی تھیں۔ ان سے روکا اور جبراً منع کیا اور اس ملت کے اصول پر بین الاقوامی حکومت قائم کی اور جو لوگ اس بارے میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ان کی مدد سے جنگیں بھی کیں۔ یہاں تک کہ مخالفین کی مخالفت دھری کی دھری رہ گئی اور خدا کا قانون سب قوموں میں چل کر رہا"۔ (ملخصاً)

اور خیر کثیر میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی پہلی حیثیت میں اپنی قوم کے لئے نبی بن کر آئے جب اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو آپ کی قوتیں چودھویں کے چاند کی جگہ سورج بن کر چمکنے لگیں۔ پھر ایک اور ترقی ہوئی کہ آپ کی شان کو پورا پورا کمال حاصل ہوا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہے۔ اب آپ کرۂ زمین کے ہر ایک گوشے کے امام بنائے گئے۔

1۔ تبدیلیاں 2۔ زندگی گزارنے کے طور طریقے

آپ کی ان دو حیثیتوں کی حکمت حجتہ اللہ البالغہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

"جو امام سب قوموں کو اپنی ملت پر جمع کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ وہ پہلے ایک قوم کو صحیح اصول کی دعوت دیتا ہے۔ انھیں غلط کاریوں سے پاک کرتا ہے ان کی حالت درست کرتا ہے اور پھر انھیں اپنا آلہ کار بنا کر دنیا کی سب قوموں سے جنگ کرتا ہے اور اپنی قوم کے لوگوں کو سب قوموں کے اندر پھیلا دیتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کسی امام کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اکیلا سب قوموں سے جنگ کرتا پھرے"۔ (جلد اول ص 118)

اس اصول نے حضرت نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں کس طرح کام کیا۔ اس کی تشریح آگے چل کر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مہاجرین اور انصار کی پہلی جماعت' قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرایا۔ کیونکہ ان علاقوں میں عرب عنصر موجود تھا۔ اسے اپنی اپنی قوم کے اندر عربی اسلامی انقلاب کے لئے تیار کیا گیا) پھر ان عراقیوں کے ہاتھوں ایران اور شامیوں کے ہاتھوں روم فتح کرائے (کیونکہ انھیں ان علاقوں کے باشندوں سے مناسبت تھی) پھر ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان اور ترکستان اور رومیوں کی مدد سے حبشہ وغیرہ کے علاقے فتح کرائے"۔

معلم منتقم نہیں ہو سکتا : واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جو عرصے تک ابراہیمی دعوت کے حامل رہے۔ اس اونچے رتبے سے گر چکے ہیں اور حکمت الٰہی قریش یعنی بنی اسماعیل کو اس دعوت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جو دعا کی تھی: رَبَّنَا! وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (129:2) یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے جس امت مسلمہ کے اپنی نسل سے اٹھانے کی دعا کی ہے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج) وہ پوری ہو۔ قریش میں بھی اس دعوت کے اصل مدعا پر ایمان موجود تھا۔ وہ بھی سمجھتے تھے کہ ہمارا وجود ابراہیمی دعوت کے اظہار کے لئے کمال رکھتا ہے۔ مگر جہالتوں کے سبب وہ بہت سی غلط باتیں اختیار کر چکے تھے۔ ان غلطیوں کو دور کرنا' ان کے اخلاق سنوارنا' انھیں صحیح ابراہیمی طریقہ ذہن نشین کرانا' پھر اس

کی حکمت اور حکمت کے اندر قانون سازی سکھانا' تاکہ ساری دنیا کی مختلف قوموں میں یہ طریقہ "امام" کے طور پر مان لیا جائے سب باتیں رسول اکرم ﷺ کے فرض منصبی میں داخل ہیں۔ اب اگر قریش غلطی کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ جہالت اور نادانی کا معاملہ کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جن نبیوں کا ذکر آیا ہے ان کے حالات میں ان کی قوموں کا یہی سلوک دکھلایا گیا ہے۔ اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ کو قریش کے مقابلے میں انتقامی جذبہ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ معلم (استاد) ہیں۔ آپ کے فرض منصبی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ آپ قریش کو معاف کرتے رہیں۔ کیونکہ انتقام اور تعلیم جمع نہیں ہو سکتے جونہی استاد میں انتقامی جذبہ پیدا ہوا اس کی شان معلمی ختم ہوئی ا۔

جماعت میں جذبہ انتقام : لیکن رسول اکرم ﷺ ایک جماعت کے امام اور ایک پارٹی کے مرکز بھی ہیں۔ وہ جماعت یکایک اس بلند اخلاقی سطح (Plane) پر نہیں آسکتی۔ ان کے لئے یہی عام قاعدہ ہو سکتا ہے۔ کہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی جائے (نحل 126:16) وہ رفتہ رفتہ اس سطح سے اونچی اٹھے گی۔ اس لئے یوں فرض کرلینا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کے دل میں انتقامی جذبہ پیدا نہ ہو گا' فطرت انسانی کا غلط اندازہ لگانا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے فلاں شخص قریش کی جہالت کا انتقامی جواب دینا چاہتا ہے۔ اس وقت آپؐ کا اس پر خاموش رہنا اور اسے اس امر سے نہ روکنا کہ کیا آپؐ کو اس کے فعل کا ایک حد تک ذمہ دار نہیں بنا دیتا؟ لیکن سوسائٹی میں یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کو اس کی طبعی رفتار سے ترقی کرنے سے روکا جائے۔ ایک شخص انتقامی جذبے سے جواب دیتا ہے وہ آخر تک پہنچ لے تو اس کے بعد تو درست کرنا ممکن ہے لیکن اگر اس کے انتقامی جذبے ہی کو کچل دیا جائے تو وہ اپنی فطری تکمیل سے عاجز آجائے گا۔ اس کی تکمیل کی بہترین سبیل یہی ہے کہ اسے موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنا کام پورا کر لے۔ آخر میں اسے سمجھا دیا جائے گا کہ

ا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (سورۂ نحل 127:16) اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو' ان کے فریب سے) (مرتب)

تم نے غلطی کی۔ اس کی تلافی کرو۔ اس طرح اسے اعتدال پر لانا ممکن ہے۔ لیکن اس کی شخصیت میں سے انتقام کا جذبہ ہی نکال ڈالنا ممکن نہیں۔

جماعتی غلطیوں کی ذمہ داری لیڈر پر : رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں مثال کے طور پر حضرت عمرؓ ہیں۔ وہ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ ان کی فطرت یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی زیادتی کرے تو وہ دس گنا زیادتی کر کے اس کا جواب دیں گے۔ یہ تو ممکن ہے کہ انھیں زیادہ انتقام لینے سے روک دیا جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ انھیں نفس انتقام ہی سے باز رکھا جائے۔

کیا حضرت عمرؓ کے کاموں میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی شرکت نہیں مانی جائے گی؟ اور کیا آپؐ ان کے ایک حد تک ذمہ دار قرار نہیں پائیں گے؟

یہ ہے ذنب اور اس کا تدارک کرنا اس کی معافی کا سبب ہے۔

صلح میں ایک پوشیدہ حکمت :

مسلمان دراصل عمرے کے لئے نکلے تھے۔ لیکن دشمن اسے ظاہری صورت کے لحاظ سے جنگی چال قرار دے سکتا تھا۔ کیا چپکے سے شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لینا لڑائی کی چال نہیں ہے؟[1] اس لئے قریش کا آپ کو روکنا ایک حد تک حق بجانب تھا اور اس پر حضرت عمرؓ کا برہم ہونا بھی طبعی چیز تھی۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کے طرف دار ہو جاتے تو لڑائی قطعی طور پر ہو کر رہتی۔ اور اگر لڑائی ہو جاتی تو نہ صرف قریش کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کام کرنا قیامت تک ناممکن ہو جاتا جس سے آپ کی فطرت کی تکمیل اس طریق پر نہ ہوتی جس کے لئے قدرت نے آپ کو پیدا کیا تھا بلکہ مسلمانوں کی ان خفیہ جماعتوں کو بھی نقصان پہنچ جاتا۔ جو مکے میں موجود تھیں (ان کی تفصیل آگے آتی ہے)

صلح کا جواز : اسلام جس انقلاب کا نام ہے۔ اس میں دفاع (Defence) بھی ہے اور ہجوم (Offence) بھی۔ دفاعی جنگ سے تو کوئی منکر ہو ہی نہیں سکتا اور اس میں حملہ آور

---

[1] مشہور یونانی شاعر ہومر (Homer) ٹرائی (Tray) کے شہر کی فتح کا حال لکھتے ہوئے یونانیوں کی اس چال کا ذکر کرتا ہے جس میں انہوں نے ایک بڑا لکڑی کا گھوڑا بنایا اور پھر بہت سے یونانی نوجوان رات کے وقت اس کے پیٹ میں گھس بیٹھے۔ ٹرائے (Tray) والے اس گھوڑے کو گھسیٹ کر اپنے شہر کے اندر لے گئے۔ رات کے وقت یہ نوجوان گھوڑے کے پیٹ میں سے نکل پڑے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ (مرتب)

کو جو نقصان پہنچے اس کی ذمہ داری مدافعت کرنے والوں پر عائد ہوتی ہی نہیں لیکن ہجومی جنگ (Offensive) میں ہجوم کرنے والوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔ خصوصاً جب انقلاب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو۔ ان ہجومی حملوں میں مخالفین کا جو نقصان ہوگا۔ اس کی ذمہ داری سے حملہ آور بچ نہیں سکتے۔ لیکن قرآن حکیم اس ذمہ داری کو ایک اونچی سطح پر لاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا ان حملہ آوروں کا مقصد لوٹ مار اور فتح تھا؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ اگر مسلمانوں کا مقصد اب اور پہلے فتح و غارتگری ہوتا تو وہ حدیبیہ کے واقعے میں جب وہ مکہ والوں سے یقیناً زیادہ طاقتور تھے دب کر صلح نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ قرآنی انقلاب کا منشا لوٹ مار اور فتح نہیں اور نہ وہ کسی امپیریلزم (Imperialism) کا حامی ہے۔ جسے دوسروں پر جبراً ٹھونستا پھرے۔

اس موقعے پر خدا تعالیٰ نے آپؐ کو اتنی سمجھ دی اور اتنا دل گردہ عطا فرمایا کہ تنہا ساری جماعت کے فیصلے کے خلاف ڈٹ گئے اور قریش کی تمام شرطیں صرف اس لئے مان لیں کہ وہ بیت اللہ کی عزت کرانا چاہتے تھے۔ کیا آپ کے مشن کا مقصد یہ نہ تھا کہ ابراہیمی طریقہ رائج کیا جائے؟ جب قریش اس دین کے مرکز کی عزت کے لئے شرطیں پیش کرتے ہیں چاہے وہ کیسی بھی نامعقول شکل میں ہیں' تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں مان نہ لیا جائے لیکن جماعت میں یہ سمجھ عام طور پر نہیں آسکتی تھی اس لئے قریش جارحانہ حملہ آور (Aggressors) کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ صلح کی تجویز پیش کرنا ہی بڑی جرات اور ہمت کا کام تھا۔ صرف ایک حضرت ابوبکرؓ تھے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ متفق ہوئے وہ آپ کی سوسائٹی میں نہایت سمجھدار اور اثر والے بزرگ تھے۔ ان کی سمجھ سب میں سرایت کر گئی جس نے سب کو ٹھیک کر لیا۔ اور فیصلہ وہ ہوا جس سے قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملنے پر تیار ہو گئے۔

پچھلی "غلطیوں" کا ازالہ : جب میل ملاپ بڑھا تو قریش کو معلوم ہوا کہ آپؐ میں کوئی انتقامی جذبہ ہی نہیں۔ اور نہ آپ کا مقصد اپنا امپیریلزم قائم کرنا ہے جہاں ظاہر میں انتقام کی صورت نظر آتی تھی۔ وہاں بھی اصل میں رحمت ہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جو آپ کی جان کے لاگو تھے۔ اب آپ پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ بعد میں آپؐ کی تحریک کو عرب میں جو ترقی حاصل ہوئی اور قریش نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت

تک جو کام کیا اور صرف رسول اللہ ﷺ کے اشارے کے ماتحت رہے وہ سب اسی فیصلے کی برکت تھی جو حدیبیہ میں ہوا۔

غرض اسلامی انقلاب سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے ان کا منبع حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک اور آپ کے قریب ترین ساتھی تھے اور اس صلح نے ثابت کر دیا کہ آپ ذاتی طور پر فتح اور شکست اور لوٹ مار کے خیال سے بہت اونچے ہیں۔ لیکن آپ کی انقلابی جماعت کے اور کارکن آپ کی طرح غلطی کرنے سے پاک نہیں تھے ان سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اس صلح نے آپ کو ان سے بھی بَری ثابت کر دیا اور یہ بھی دکھا دیا کہ آپ کے ساتھیوں کی غلطیاں بھی عام غارتگر جماعتوں کی خودغرضانہ غلطیوں سے زیادہ اونچی طرز کی تھیں۔ آگے چل کر آپ کے ساتھیوں کے اس کیریکٹر پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

اگلی "غلطیوں" کا ازالہ : قریش کے ساتھ آئندہ جو معاملات پیش آئیں گے ان میں بھی انتقامی صورتیں اسی طرح آئیں گی۔ جس طرح پہلے آچکی ہیں۔ وہ بھی سب ظاہر ہیں ذنب ہوں گی۔ لیکن اس واقعہ نے جس طرح پہلی نام نہاد غلطیوں کے متعلق تمام شبہے دُور کر دیے اور انتقام کا الزام آپؐ پر سے دھو دیا۔ اسی طرح آئندہ بھی جو شخص ظاہری انتقامی شکلوں کو اس فیصلے کے سامنے رکھ کر دیکھے گا وہ سوچ ہی نہیں سکے گا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے لئے کوئی انتقامی فکر پیدا کر سکتے تھے۔ اس طرح آئندہ انتقامی صورتیں بھی اس واقعے کی روشنی میں صاف ہو جائیں گی۔ اور نام نہاد ذنب کا گمان کلیتہً زائل ہو جائے گا۔

جس قوم کے ساتھ تم اب مل کر کام کرنا چاہتے ہو اس کی یہ نظیر ہے۔

انسان کی ارتفاقی زندگی اور انتقام : امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ ایک ادنیٰ حصہ ہے کہ انسان ارتفاقات[1] کی ترقی سے اپنی حیوانیت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس تمام عمل کے پیچھے انسان کی عقلیت یا ملکیت کام کرتی ہے ارتفاقی زندگی میں پہلی منزل گھر کی زندگی ہے۔ گھریلو زندگی میں انتقامی جذبے کے ماتحت کوئی ترقی نہیں ہو سکتی اور نہ گھر کے لوگوں کو شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ کر کوئی کام ہو سکتا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ

---

[1] زندگی بسر کرنے کے طور طریقے۔ (مرتب)

ایک بادشاہ کی اطاعت کر رہے ہیں مگر بادشاہ کون ہے؟ باپ میں انتقام نہیں ہوتا۔ صرف رحمت اور محبت ہوتی ہے مگر بادشاہ کے حکم میں انتقام آتا ہے۔ جب ایک ہی شخص بادشاہ بھی ہو اور باپ بھی ہو تو صورت یہ ہوگی کہ ظاہر میں انتقام ہوگا لیکن اندر سے رحمت اور محبت اس طرح خانگی۔ زندگی ترقی کرے گی محلے' گاؤں' شہر' ملک اور ممالک یا بین الاقوامی زندگی میں بھی اسی طرح ترقی کرنی چاہئے۔ اگر انتقام کی صورت آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر انتقام کی سپرٹ نہ ہو۔ جب مخالف لوگ ہمارے ساتھ مل کر بیٹھیں تو انہیں معلوم ہو کہ وہ انتقام نہیں تھا بلکہ رحمت تھی۔ جب کوئی تحریک اس انداز پر ترقی کرتی ہے وہ انسانیت میں جائے گیر ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں نے اسلام کو فقط فاتحانہ انداز میں بند کر دیا ہے یعنی لڑے اور فتح پائی۔ تو یہ اسلام ہے اور شکست کھا گئے تو کفر ہے وہ کبھی اسلام کو دنیا میں کامیاب نہیں بنا سکتے۔ جب تک فتح و شکست میں ایک ہی جذبہ —— محبت اور رحمت —— کام نہ کر رہا ہو۔ اور اس کے پیچھے فائدہ پہنچانا اور خدمت کرنا نظر کے سامنے نہ ہو۔ اس وقت تک اسلام مکمل نہیں ہوتا۔ مگر لوگوں نے رسول ﷺ کو ایسی ہستی بنا رکھا ہے جس کے کسی فعل یا نمونے کی پیروی ممکن ہی نہیں۔ اس طرح وہ ایک نمونہ جو ساری انسانیت کے لئے پیش[2] کیا گیا تھا۔ نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔

(ب) وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ (اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کرے)

"اتمام نعمت" سے کیا مراد ہے؟ : قریش جو تیری اپنی قوم ہے وہی تیرے دست و بازو بن کر کام کریں گے اور دعوت ابراہیمی کو دنیا میں اونچے درجے پر غالب کریں گے یعنی اسے بین الاقوامی مرکز میں لا کر غلبہ دیں گے۔

"اتمام نعمت" کے معنوں کے لئے امام ولی اللہ دہلوی کی وہ تشریح دیکھنی چاہئے جو وہ

1۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے احد کے ایک معرکے میں شکست کھا کر دانت شہید کراتے ہوئے فرمایا رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِي إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (خدایا میری قوم کو بخش دے یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔ یہ تھا جذبہ محبت و الفت جس نے حدیبیہ کے بعد آپ کے مخالفین کے دلوں میں بھی اثر کیا اور ثابت کر دیا کہ آپ معلم اور باپ ہیں منتقم اور فاتح نہیں (مرتب) 2۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے لئے اللہ کا یہ رسول ایک نمونہ ہے) (سورۃ احزاب۔ 33:21)

"بین الاقوامی سیاست" کے عنوان سے حجۃ اللہ البالغہ میں کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا كَثُرَ ذٰلِكَ فِي الْمُلُوْكِ اضْطَرُّوْا اِلَى الْخَلِيْفَةِ وَهُوَ مَنْ حَصَلَ لَهٗ مِنَ الْعَسَاكِرِ وَالْعَدَدِ مَا يُرٰى كَالْمُمْتَنِعِ اَنْ يَّسْلِبَ رَجُلٌ اٰخَرُ مُلْكَهٗ فَاِنَّهٗ اِنَّمَا يُتَصَوَّرُ بَعْدَ بَلَاءٍ عَامٍّ وَجُهْدٍ كَبِيْرٍ وَاجْتِمَاعَاتٍ كَثِيْرَةٍ وَبَذْلِ اَمْوَالٍ خَطِيْرَةٍ تَتَقَاصَرُ الْاَنْفُسُ دُوْنَهَا وَتُحِيْلُهُ الْعَادَةُ وَاِذَا وَجَدَ الْخَلِيْفَةُ وَاَحْسَنَ السِّيْرَةَ فِي الْاَرْضِ وَخَضَعَتْ لَهُ الْجَبَابِرَةُ وَانْقَادَ لَهُ الْمُلُوْكُ تَمَّتِ النِّعْمَةُ

(حجۃ اللہ البالغہ الجزء الاول ص 47)

"یعنی جب قومی بادشاہوں میں حسد اور بغض بڑھ گیا تو انسانوں کو خواہ مخواہ ایسے خلیفہ کی ضرورت پڑی جسے فوج اور سامان جنگ کی اتنی کثرت حاصل ہو کہ کسی شخص کا اس سے ملک چھین لینا ناممکن کے قریب ہو۔ کیونکہ ایسے بادشاہ سے ملک کا چھینا اسی صورت میں تصور میں آتا ہے جب اس کے سب ملکوں میں عام بغاوت پیدا ہو جائے اور اسے ملک داری سے ہٹانے کے لئے بہت ہی کوشش کی جائے۔ بڑے بڑے اجتماعات کئے جائیں اور بے انتہا روپیہ صرف کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کوشش سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ناممکن کے قریب سمجھا جاتا ہے کہ ایسے بادشاہ کو اس کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ جب ایسا خلیفہ قائم ہو جائے اور اس کی سیرت بھی اچھی ہو اور بڑے بڑے زبردست لوگ اس کے تابع ہو جائیں اور اردگرد کے تمام بادشاہ اس کی اطاعت اختیار کرلیں تو سمجھنا چاہئے کہ نعمت انتہا کو پہنچ گئی"۔

گویا حضرت امامؒ کے نزدیک بین الاقوامی غلبے ہی کا نام اتمام نعمت ہے۔

(ج) وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

(اور تجھے سیدھی راہ چلائے)

سیدھی راہ : رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کا صحیح پروگرام یہ ہے کہ قریش آپؐ کی تعلیم کے خادم بنیں۔ اور آپؐ کے اصول پر جو حکومت پیدا ہو اسے چلائیں۔ تاکہ حضرت

ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا عمل میں آئے[1]۔

اگر یہ صورت پیدا نہ ہو اور آپ دوسری قوموں کی مدد سے اپنا پروگرام کامیاب بنا کر دکھا دیں۔ تو گو آپ انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان کرنے والے گنے جائیں گے۔ لیکن ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا مصداق نہ ٹھہریں گے۔ پہلے نبیوں کی برکتوں کا مُصَدِّق بننا تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپؐ قریش کو اپنا مددگار بنائیں۔ پہلے سب نبی اپنی اپنی قوم کو دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور انہیں ساتھ ملا کر کام کرتے رہے ہیں۔ اس لئے آپ کا بھی فرض ہے کہ اپنی قوم کو ساتھ ملائیں۔ کیونکہ کام کرنے کا طبعی طریقہ یہی ہے اس سے آپؐ کا طریقہ وہ ہو جائے گا جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر آپؐ تک ایک ہی طرح قائم رہا۔ یعنی پہلے قومی انقلاب مکمل کرنا پھر اسے بین الاقوامی درجے تک کامیاب بنانے کی کوشش کرنا۔ اگر آپؐ بھی اس طریق پر کام کریں تو یہ طریقہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے مستقل پروگرام بن جائے گا اگر آپؐ پہلے نبیوں کے طریق سے ہٹ کر طریقہ اختیار کریں تو وہ آئندہ انسانیت کے لئے تبدیل نہ ہو سکنے والا پروگرام نہ ہوگا۔ غرض حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا کہ پہلے اپنی قوم کو درست کیا اور انہیں اپنا دست و بازو بنایا۔ پھر ان کی مدد سے دوسری قوموں کے ایک ایک حصے کو ساتھ ملایا۔ پھر اس حصے نے اپنی اپنی قوم میں یہ انقلابی کام کیا اور قرآن حکیم کی تعلیم پھیلا کر اس انقلاب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے قوم بقوم اسلام پھیلنے کا جو طریق تاریخی طور پر ثابت کیا ہے اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ آج بھی جو قوم قرآن کے انقلاب

---

[1] ان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں: ربنا ! تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا ! واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم ربنا ! وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم البقرہ 2 : 127-129) (اے ہمارے ربنا (اسے) قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے اے ہمارے ربنا ہم دونوں کو اپنا تابع بنائے رکھ اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیرے حکموں کے پیچھے رہ کر زندگی بسر کرے۔ اور ہمیں مناسک سکھا اور ہم پر رحم فرما تو رحمت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اس نسل میں (جس کی ہم نے دعا کی ہے) انہی میں سے ایک (ایسا) رسول پیدا کر جو انہیں تیرے حکم پڑھ کر سنائے' قانون سکھائے (اس قانون کی) حکمت بتائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے)

کو بین الاقوامی درجہ پر کامیاب بنانے کاتہیہ کرے وہ اسی طریق سے اسلام کی تعلیم کامیاب بنا سکتی ہے۔ یہ تنظیم و تربیت ہی انقلاب کی روح ہے۔

(3) وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ○

(اور اللہ مجھے زبردست مدد دے)

کل قومی حکومت تیری اس کمزور جماعت ہی کے ذریعے سے مہیا ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے پہلے ان غریب اور بےکس عربوں نے قیصرو کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ کر رکھ دیئے۔ اور ان کی جگہ قرآن کا قانون چلایا۔ اس انقلاب کی بنیاد انسانی فطرت کی ضرورتوں پر تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ سب قوموں کے عقلمند لوگوں نے اسے مان لیا۔ اس طرح یہ تحریک روزبروز بڑھتی گئی۔ یہ سب کچھ اس صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھا۔

(4) (ا) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ط

(وہی ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا۔ تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھ جائے)

صحابہ کا ایمان : نبی اکرم ﷺ کی جماعت نے یہ سن کر حضرت عثمانؓ جو اہل مکہ کے پاس گفت و شنید کرنے گئے تھے شہید کر دیئے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ اس خبر سے صلح کا دروازہ کھلا۔ اور حضرت نبی اکرم ﷺ صلح کے لئے سب سے نچلے نقطے پر اتر آئے یہ بات اس لڑنے والی طاقت کو جو موت پر بیعت کر چکی تھی سخت ناگوار گزری۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے ذریعے سے سب کو ان ناگوار شرطوں پر اطمینان عطا کیا۔

پہلا ایمان موت کی بیعت سے ظاہر ہوا اور دوسرا ایمان ان ناگوار شرطوں پر صلح قبول کرنے سے۔

(ب) وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں)

اب ان کی کیفیت وہی ہے جو آسمان پر خدا کے فرشتوں کی ہے۔ یہ جماعت رسول اللہ

ﷺ کے لئے فرشتوں کی طرح ہے۔ کہ وہ آپ کے حکم کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں۔ا

(ج) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۝

(اور اللہ علم اور حکمت (دینے) والا ہے)

اللہ دنیا والوں کو حکمت دینا چاہتا ہے اس علم و حکمت کے دینے کے لئے اس نے فرشتوں جیسے انسانوں کا لشکر تیار کر دیا ہے۔

آسمانی فرشتے حکمت لاتے ہیں اور انسانوں کو دیتے ہیں اب ان انسانوں (مسلمانوں) کا کام یہ ہے کہ حکمت الٰہی کو دنیا میں پھیلائیں۔ یہ لڑتے ہیں تو باغی طاقت کو تباہ کرنے کے لئے جو مسکینوں کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے اور صلح کرتے ہیں تو مسکینوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ دینے کے لئے یہ خدا کی خوشنودی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انسانیت کی خدمت: یہاں ہم اس جملے کو صراحتاً دہرا دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت کی خدمت کرنا ہر ایک شریف انسان کا طبعی فرض ہے جس طرح ماں باپ بچے کی خدمت بے غرضی کے ساتھ کرتے ہیں اسی طرح ایک شریف انسان اپنے احاطہ انسانیت کی خدمت کرنا اپنا طبعی فرض جانتا ہے۔

یہ خدمت دو شکلیں اختیار کرتی ہے۔

1- ایک انسان ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں سونے چاندی اور عزت کی شکل میں مانگتا ہے۔ یہ بادشاہوں کی جماعت ہے۔

2- دوسرا گروہ وہ ہے جو اس خدمت کا بدلہ دنیا میں پیسے اور عزت کی شکل میں لینا ضروری نہیں سمجھتا اس کی عزت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہے یہ نبیوں کی جماعت ہے۔

قرآن عظیم اس دوسری جماعت کو زندہ کرنا چاہتا ہے وہ ہر ایک قوم میں اس قسم کے لوگوں کو نمونہ پیدا کر دے گا اس کے لئے نمونے کی جماعت وہ ہے جو حضرت

ا فرشتوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (وہ اللہ کے کسی حکم کی بھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے) (التحریم 66:6)

نبی اکرم ﷺ نے تیار کی اسی نمونے پر ہر ایک قوم میں جماعتیں بنی جائیں یہاں تک کہ سب قومیں اسی نقطے پر جمع ہو جائیں یہ ہے قرآن کا اصل مقصد۔

اس خدمت سے اس جماعت کا مقصود کیا ہے؟ وہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

(5) لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ○

(تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں پہنچا دے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور ان کی برائیاں ان پر سے اتار دے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے)

اس خدمت کا مقصد : اس جماعت کا نصب العین دنیا کی عزت میں ہے وہ اپنی جان اور مال قربان کر کے اللہ کے قانون کو بلند کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہی قانون ہے جس کے ذریعے سے غریب اور مسکین طبقے کا استحصال Expliotation ختم ہو سکتا ہے وہ خدا کی مخلوق کی یہ خدمت کسی دنیاوی لالچ سے نہیں کرتے۔ وہ جنّت عدن (ہمیشگی کے باغات) کی زندگی چاہتے ہیں گو ان کی خدمات کا طبعی نتیجہ یہ بھی ضرور ہو گا کہ وہ دنیا میں بھی سرفراز ہوں گے اور زرخیز اور زرریز علاقوں کے مالک بنیں گے۔

وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ (ان کی برائیاں ان سے اتار دے)

غلطی کی معافی کیوں؟ : اب انہوں نے جس اطاعت شعاری کا اظہار کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی غلطیوں سے فائدہ اٹھانا اپنا مقصد نہیں بنایا۔ وہ جنگ کرتے تھے تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تاکہ اس کا قانون چلے۔ اور مظلوم انسانیت ظالم طبقے کے ظلم سے چھوٹے اور صلح قبول کی تو فقط اللہ کے حکم کے تابع ہو کر تاکہ اس کا نام بلند ہو اور مظلوم انسانیت کچلی نہ جائے ان کی اس ذہنیت کی وجہ سے ان کی غلطیاں جو انقلاب کے دوران میں ان سے ہوئی ہیں معاف کر دی جائیں گی۔

اس قسم کی بخشش کا اعلان ان لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے۔ جنہوں نے سب

سے پہلے معرکہ انقلاب یعنی جنگ بدر میں حصہ لیا۔ ان کی نسبت ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سب غلطیاں معاف کر دی ہیں۔ اس معافی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ان غلطیوں سے اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ان کا یہ مقصود تھا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا (یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے)

اللہ تعالیٰ نے حجاز میں سے ایک جماعت کو چن لیا ہے اور انہیں بہت سے امتحانوں میں آزما لیا ہے۔ اب یہ بہت اونچے درجے پر کامیاب ہوئے ہیں اس لئے انہیں کل قومی غلبہ دیا جائے گا۔

(6) وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۝

(اور تاکہ دغاباز مردوں اور دغاباز عورتوں کو اور اللہ کے متعلق طرح طرح کے برے گمان کرنے والے مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ مصیبت کا پھیرا انہی پر پڑتا ہے۔ اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کی اور وہ نہایت ہی برے ٹھکانے پر پہنچے)

تھڑدلے: منافقین : قریش میں سے جو لوگ اس قرآنی انقلاب کے نظریے کو پوری طرح بغیر کسی شرط کے مان چکے ہیں۔ وہ غلبہ پائیں گے لیکن جو اہل قریش کسی مصلحت کی وجہ سے اس انقلاب کو قبول کرتے ہیں۔ یا حنیفیت ـــــ تحریک ابراہیمی ـــــ پر پورا یقین نہیں رکھتے۔ وہ قطعاً ناکام رہیں گے۔

آئندہ چل کر بھی جو لوگ قرآنی نظریہ انقلاب پوری طرح مانیں گے وہی بین الاقوامی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ اور تھڑدلی کے ساتھ اطاعت کرنے والے (منافقین) یا اس پروگرام پر پورا بھروسہ نہ رکھنے والے جو اس میں ادھر ادھر سے اور چیزیں شامل کرنا چاہیں

کے (مشرکین) ناکام رہیں گے۔

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ (اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے)

مسلمانوں کے اندر ایک جماعت ہے جو قرآن کی اطاعت کا نام تو لیتی ہے لیکن صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو عزت کے ساتھ قبول نہیں کرتی بلکہ اپنی مصلحتوں کے ماتحت مانتی ہے اگر رسول اللہ کا فیصلہ ان کی اپنی ضرورتوں کے مطابق ہوا تو مان لیتے ہیں نہیں تو انکار کر دیتے ہیں۔ گو وہ کھلم کھلا انکار نہیں کرتے لیکن عملاً اسے مانتے بھی نہیں۔ یہ منافقوں کی جماعت ہے ان کا اصل مقصد دنیا کی عزت اور روپیہ حاصل کرنا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ان کے ذاتی فائدوں سے ٹکرا جاتا ہے۔ اور ان کی ساری سکیمیں برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ ان کے لئے موت اور عذاب ہے۔

وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ (اور شرک کرنے والے مرد اور شرک کرنے والی عورتیں)

رجعت پسند مشرکین : قریش میں مومنوں اور منافقون کی جماعتوں کے علاوہ ایک اور گروہ بھی ہے یہ لوگ حنیفیت پر پورا یقین نہیں رکھتے۔ حنیفیت سے پہلے جو دور تھا اور جسے حضرت ابراہیمؑ نے آکر ارتجاعی (Reactionary) بنا دیا۔ اس کے علموں اور ہنروں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ فقط اللہ پر بھروسہ کر کے دنیا اور دین اس کے حوالے نہیں کرتے بلکہ اس میں تھوڑا سا شرک ضرور ملا لیتے ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ محض خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کیا جائے اور اس میں دنیا بھی شامل نہ ہو۔ تو دنیا سے بہتر زندگی (جنت میں) مل سکتی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو محض خیال کے درجے پر سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اس پرانی ذہنیت کو چھوڑ کر نئی انقلابی ذہنیت کو قبول نہیں کر سکتے۔ ان کا نام قرآن حکیم کی اصطلاح میں مشرکین ہے۔ جب مسلمانوں کو محض اللہ پر بھروسہ کر کے کامیابی ہوگی اور وہ آگے بڑھ جائیں گے تو یہ مشرکوں کے اصول کے قطعاً خلاف ہوگا وہ مسلمانوں کی کامیابی ناممکن سمجھتے ہیں۔ یہ مشرک لوگ بھی شکست کھا جائیں گے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اور عذاب میں پھنس جائیں گے۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (اللہ کی نسبت طرح طرح کے بُرے گمان باندھنے والے)

مشرکین کی تحلیل نفسی : یہ مشرک اللہ پر پورا بھروسہ نہیں رکھتے انہیں یقین نہیں کہ خدا پر پورا پورا بھروسہ کرکے آخرت میں ہماری ایسی مستقل زندگی شروع ہو سکتی ہے جس کے مقابلے میں اس عارضی دنیاوی زندگی کو قربان کر دینے میں کوئی گھاٹا نہیں ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کی کامیابی کے لئے خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً تناسخ کو ماننے والی قومیں موت کے بعد زندگی مانتی ضرور ہیں مگر اس زندگی کو اس دنیاوی زندگی ہی میں مجسم مانتی ہیں۔ وہ اس مستقل زندگی کا تصور کر ہی نہیں سکتے جو اس دنیاوی زندگی سے آگے ہے۔ اس لئے انہیں دنیاوی زندگی قائم رکھنے کے لئے حکمران طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنا ضروری ہوتا ہے وہ اپنے دینی پروگرام کی مخالفت کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتہ کئے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتے۔ یہ نتیجہ ہے خدا کے متعلق ان کی اس بدظنی کا کہ وہ تنہا ہماری زندگی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ مشرکوں کی یہ بدظنی انہیں دنیاوی زندگی میں قدم قدم پر مصالحت (Compromise) کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنے نصب العین (Ideal) پر قائم نہیں رہ سکتے۔

خدا کے متعلق اس نیم منفیانہ ذہنیت کا آخری نتیجہ اس کا قطعی انکار ہی ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ کے متعلق انسان کی ذہنیت یہ ہو کہ آدھا اقرار ہوا اور آدھا انکار تو کامیابی ناممکن ہے۔ اور صحیح معنوں میں بین الاقوامی انسانی حکومت پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو خدا کا قطعی انکار کرکے تو یہ نعمت (کل قومی حکومت) حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس وقت یورپ میں امپیریلزم (Imperialism) کے ردعمل کے طرز پر جو غلط سیاست اور غلط ذہنیت کی پیداوار تھا کمیونزم (Communism) پیدا ہو چکا ہے اس میں خدا کا انکار لازم ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے انکار کی وجہ ہی سے وہ بھی امپیریلزم کی شکل اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا پہلا قدم استعماریت (Cocaslaism) ہے جس کا لازم نتیجہ امپیریلزم ہوگا۔ اسے اس دوسری بڑی جنگ (45-939 /45-1939ء) میں امپیریلسٹ طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا جس کی وجہ سے اسے اپنا کمنٹرن (Commintern) یعنی بین الاقوامی نظام توڑ کر ان سرمایہ دار طاقتوں کے ساتھ مصالحت (Compromise) کرنی

پڑی۔

نام نہاد کیونزم میں جس قدر مسکین نوازی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مسکین نوازی امام ولی اللہؒ کے فلسفے میں ہے اور اس میں مزدور اور کاشتکار کے حقوق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد خدا کے صحیح اور صاف تصور پر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کارکن اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زندہ تصور کے ساتھ گزارتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے سامنے ہے یا کم سے کم یہ کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ تصور بھی ایک زندہ اور پائیدار شکل میں اپنے سامنے رکھتا ہے کہ اگر اس نے کم تولا یا کسی کے حق کو ناجائز طور پر پاؤں تلے روندا تو وہ دنیا میں بھی سزا پائے گا اور مرنے کے بعد بھی اسے خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عملوں کی جوابدہی کرنی ہوگی امام صاحب کی حکمت اسے یہ بھی سکھاتی ہے کہ قرآن حکیم پر عمل کرنے والے کارکن کو خدا کے سوا کسی سے اپنے عمل کا بدلہ لینا ضروری نہیں۔ انسان بیشک اس لئے پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت بین الاقوامی درجے پر چلائے لیکن وہ اس حکومت کے ذریعے سے اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے کوئی فائدہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

قرآن حکیم کی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی حکومتیں بے نظیر ثابت ہوئیں اور آج تک دنیا ان کی مثل پیدا نہیں کر سکی اب اس دور میں بھی امیرالمومنین سید احمد شہیدؒ (1786-1831/786-831ء) اور ان کے ساتھیوں نے انہی اصول پر اس نمونے کی حکومت پیدا کر کے ایک دفعہ پھر دکھا دی اور ثابت کر دیا کہ اس قسم کی حکومت پیدا کرنا ہر زمانے میں ممکن ہے قرآن حکیم کے ماننے والوں کے لئے اس میں بہت بڑی عبرت اور ذمہ داری ہے۔

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ (ان پر مصیبت کا پھیر پڑتا ہے)

وہ نہ دنیا پائیں گے نہ آخرت۔

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ (اللہ ان پر غضبناک ہوا اور اس نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا)

یہ انقلاب ان مذہبی قوموں کے لئے عذاب ہے جو ابراہیمی طریق سے پہلے کے طریق کو نہیں چھوڑ سکتیں۔ اس میں یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں اور ہندو اور بدھسٹ بھی'

جو ابراہیمؑ کے بنے بنائے پیدا ہوئے طریق کو قبول نہیں کرتے۔

(7) وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

(آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں وہ عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے)

منافقوں اور مشرکوں کی جماعتیں الگ کر دینے کے بعد مؤمنوں کی جو خالص جماعت رہے گی وہ زمین پر آسمانی فرشتوں کی مانند ہوگی۔

قرآنی سیاست کے بنیادی اصول : قرآن حکیم کا پروگرام حقیقت میں پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کے اصول پر صحیح اترتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف ایک خیال رکھنے والوں کو اکٹھا کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس اصول پر کام کیا۔ اور ان مٹھی بھر لوگوں کو جمع کیا جو قرآن کے سارے قانون کو دل و جان سے کامل طور پر بلا شرط مانتے تھے۔ اور صلح و جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو خوشی کے ساتھ قبول کر کے کیوں اور کیسے کے سوالات پوچھے بغیر اطاعت کرتے تھے۔

ہمارے خیال میں اب بھی جو لوگ سب "مسلمانوں" کو اکٹھا کر کے آگے بڑھنے کا پروگرام رکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ انہیں ان مسلمانوں میں سے وہ جماعت بنانی چاہئے جو ذہن اور عمل کے لحاظ سے انقلابی ہو اور اس میں صرف ایک فکر کے لوگ شامل ہوں۔ صرف اسی صورت میں کام اچھا اور جلد ہو سکتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (اللہ عزت دینے والا حکمت والا ہے)

انٹرنیشنل طاقت کا وعدہ : اللہ تعالیٰ مومنوں کی اس جماعت کو عزت اور حکمت دینا چاہتا ہے یعنی یہ جماعت مضبوط حکومت قائم کرے گی جس کی کوئی دوسری حکومت بے عزتی نہ کر سکے گی اور یہ حکمت و دانش کے مالک ہوں گے۔

آیت نمبر4 میں تھا عَلِيْمًا حَكِيْمًا (علم اور حکمت دینے والا) یعنی یہ لوگ علم اور حکمت میں طاق ہو کر تمام علمی سوسائیٹیوں کو قائل کر لیں گے کہ ابراہیمی تحریک کے سوا کوئی تحریک انسانیت کو مجموعی طور پر آگے بڑھانے والی نہیں ہے اس کے بعد وہ اتنی بلند انٹرنیشنل طاقت بنا لیں گے کہ ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے

عہد میں اس انٹرنیشنل طاقت کا ڈھانچہ بنا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اسے بہت دور تک پھیلا دیا۔ اور اس کی عزت اتنی بلند ہو گئی کہ دنیا کی تمام دوسری طاقتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

(8) اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا○ (ہم نے تجھے احوال بتانے والا خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا)

نبی اکرم ﷺ بطور معلم اور نذیر : رسول اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔

① معلم ② جماعت کا لیڈر

معلم کی حیثیت میں آپؐ شاگردوں کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا ہے۔ اور فلاں شاگرد فلاں قابلیت کا۔ یہاں آپ کی شان معلمی ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ شاگرد آپ کے ساتھ ایک جماعت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ آپؐ اس جماعت کے رہنما ہیں۔ یہ جماعت منافقوں اور مشرکوں سے بالکل الگ اور خاص صفتوں کی مالک ہے۔ یہ جماعت قرآن کے اس پروگرام پر چلتی ہے کہ مظلوم انسانیت کی خدمت کرو' ظالموں کو گراؤ۔ اور مظلوموں کی دادرسی کرو۔ اور اس سارے کام کا بدلہ صرف اللہ سے مانگو۔ اس پروگرام پر جو ٹھیک ٹھیک طور پر کام کرتا ہے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ کامیاب زندگی کی بشارت دیتے ہیں۔ (مبشرا) اور اسے یقین دلاتے ہیں کہ اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے فوائد محفوظ ہیں۔ جو لوگ اس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک نہیں چلتے انہیں خبردار کرتے ہیں کہ جن کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی ناکام رہے گی وہ بہانے بنا کر دل کو خوش کر لیں۔ لیکن کامیابی نصیب نہ ہو گی۔ (نَذِیْرًا)

(5) لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا○ (تم ضرور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو۔ اور اس کا وقار قائم کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو)

خدا کی محبت کے معنی : حضرت نبی اکرم ﷺ کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت ہے انہیں ایک استاد کی ضرورت ہے جو انہیں بتائے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے اور خدا کی محبت کے دعوے سے انسانوں کی خدمت کس طرح ہونی چاہئے۔

خدا کی طرف سے الزام : مرنے کے بعد ہر ایک انسان سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میں نے تجھ پر جو انعام کیا تو نے اس سے میرے لئے کیا کیا؟ وہ لمبی چوڑی باتیں بنائے گا۔ مگر اسے یہ کہہ کر جھوٹا کر دیا جائے گا کہ میں تیرے دروازے پر بھوکا پیاسا اور بیمار ہو کر آیا۔ لیکن تو نے مجھے نہ کھانے کو دیا نہ پینے کو نہ میری تیمارداری کی حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اپنی تعلیم میں اسے بہت اچھی طرح کھول دیا ہے۔ اس چیز کو عام ذہنیت سے نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اسے پوری پوری اہمیت دینی چاہئے۔

معاشی مسئلے کی اہمیت امام ولی اللہؒ کے نزدیک : امام ولی اللہ دہلویؒ معاشی زندگی کے اس پہلو کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کھانے پینے کی فکروں سے آزاد نہ ہو جائے وہ شائستگی کی ایک منزل سے دوسری منزل میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اور اگر وہ ان تفکرات میں پھنسا رہے تو اس کی طبعی ترقی رک جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امامؒ بدور بازغہ ص 50 میں فرماتے ہیں کہ :

> "انسان شائستگی کے دوسرے درجے تک اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے جب وہ بھوک پیاس اور تسکین جذبہ جنسی' غیر طبعی حاجتوں سے فارغ البال ہو جائے"۔

اس حقیقت کو کہ انسان کی ابتدائی ضرورتیں پوری نہ ہوں تو سوسائٹی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ ایک تاریخی مثال کے ذریعے سے بھی واضح کرتے ہیں۔ جس میں ایرانی اور رومی سوسائٹی کی گراوٹ دکھا کر قرآنی انقلاب کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں[1]۔

معاشی مسئلے کے بعد : غرض بھوک کا مسئلہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) کا بہت ضروری مسئلہ ہے لیکن یہ مسئلہ فقط اسی پر ختم نہیں ہو جاتا کہ کسی انسان کا ایک وقت پیٹ بھر دیا جائے۔ اس کے بال بچوں کا کون ذمہ دار ہے؟ پس ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو مستقل شکل میں حل کیا جائے اور بھوکوں کو اس قابل بنا دیا جائے کہ انہیں خیرات کی ضرورت ہی نہ رہے اس کے بعد ہی وہ ترقی کرنے کے خیالات سوچ سکتے ہیں۔

جب خداوند تعالیٰ ایک بھوکے کے پیٹ کی ضرورت پوری نہ کرنے پر ایک بڑے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 105

آدمی کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے تو کیا ایک انسان کی دماغی ضرورت پورا نہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاں کوئی حساب نہ ہوگا؟ ایک انسان کا دماغ بھوکا ہے اسے علم چاہئے جس کے پاس علم ہے وہ اسے علم کیوں نہیں پہنچاتا؟ خدا اور بندے کے درمیان بھوکوں اور پیاسوں کے متعلق جواب طلبی کے سلسلے میں جو بات چیت ہوگی اس کے بعد یقیناً" ان لوگوں سے بھی جواب طلبی کی جائے گی جو مظلوم انسانیت کو علم سے محروم رکھتے ہیں جو شخص علم دینے کی اجرت طلب کرے گا وہ سارا بنا بنایا نظام بگاڑ دے گا۔

حجازی انقلابیوں کی افضلیت : ہم نے اشتراکی کارکنوں (Commonist Workers) کو کام کرتے دیکھا۔ ہم عش عش کر کے رہ گئے لیکن جب ہم نے کمیونسٹ حکمرانوں کو دیکھا تو ہمیں ان پر لعنت بھیجنی پڑی۔ ہم نے دیکھا کہ زار کی قیصریت ان کے گھروں میں ناچ رہی ہے۔ ان مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی پہلی جماعت کی عزت سمجھ میں آتی ہے۔ ہم قرآن عظیم کے اس پروگرام کے سوا جسے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک کامیاب کر کے دکھلایا گیا۔ اور جس کی تفصیل امام ولی اللہ دہلوی نے بیان کی ہے[1]۔ اور کسی چیز کو قابل اطمینان نہیں پاتے۔ چنانچہ روس کی پنچائتی پرجاراج (U.S.S.R.) کے آئین کی دفعہ 12 میں ہے کہ :

"The principle applied in the U.S.S.R. is that of Socialism: "From each according to his ablility, to each according to his work."

"روس کے پنچائتی پرجاراج میں اشتراکیت کا یہ اصول کارفرما ہے کہ ہر شخص پنچائت کا کام اپنی قابلیت کے مطابق کرے۔ اور اسے اس کے کام کے مطابق دیا جائے"۔

لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پہلے جانشین (خلیفہ) حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں یہ اصول کارفرما تھا کہ :

"ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق خدمت کرے اور اس کی ضرورت کے مطابق

---

[1] ازالۃ الخفاء میں (مرتب)

دیا جائے"۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب بعض لوگوں نے بعض لوگوں کو افضل قرار دینے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ:

أَمَّا مَا ذَكَرْتُمْ مِنَ السَّوَابِقِ وَالْقَدَمِ وَالْفَضْلِ فَمَا أَعْرَفَنِي بِذَالِكَ وَإِنَّمَا ذَالِكَ شَيْءٌ ثَوَابُهُ عَلَى اللّٰهِ جَلَّ ثَنَاءُهُ وَهٰذَا مَعَاشٌ فَالْأُسْوَةُ فِيهِ خَيْرٌ مِنَ الْأَثْرَةِ)

ابی یوسف۔ص 42۔ مطبعہ بیروت

"یعنی تم نے سب سے پہلے ایمان لانے والے اور بہت لمبے زمانے سے اسلام کی خدمت کرنے والے لوگوں کا جو ذکر کیا ہے تو مجھ سے کون بہتر جانتا ہے۔ لیکن وہ تو ایسی چیز ہے جس کا ثواب انہیں ان کے پروردگار کے ہاں سے ملے گا۔ اور ہم تو معاش تقسیم کر رہے ہیں اس میں تو فوقیت کی بہ نسبت مساوات بہتر ہے"۔

غرض ہم نے رسول کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر صرف اس لئے بھیجا ہے کہ یہ جماعت جو خدا سے محبت رکھتی ہے۔ اس سے محبت کا پروگرام سیکھ لے۔ اور اسے کامیابی سے چلائے۔ خدا سے محبت کرنے کا مطلب ہے خدا کی مظلوم مخلوق کی خدمت کرنا اور اس خدمت کا اجر اللہ سے مانگنا۔ اور یقین رکھنا کہ جو خدا تمہیں آسمان میں جنت دے سکتا ہے وہ تمہارے لئے زمین پر بھی راحت آرام اور عزت کی جنت پیدا کر سکتا ہے یہ درجے طے کرانا رسولؐ اللہ کا کام ہے۔ اللہ پر یہ پکا ایمان ہونا چاہئے کہ اس نے جو تعلیم دی ہے وہ ٹھیک ہے اور اس پروگرام پر عمل کرنے سے دنیا میں بھی ہمارے لئے جنت بن سکتی ہے ہم یہاں بھی حکومت اور عزت کے لحاظ سے کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (اس آیت میں غائب کی جتنی ضمیریں ہیں وہ سب اللہ کی طرف پھرتی ہیں۔

تُعَزِّرُوْهُ : اللہ کی مدد کرو۔

رسول اللہ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے اسے غالب کرنے میں جو مدد دی جائے گی وہ اللہ ہی کی مدد ہے۔

تُوَقِّرُوْهُ : اللہ کا وقار قائم رکھو۔

رسول اللہ ﷺ کی معرفت جو تعلیم ملی ہے اس کا وقار دنیا میں قائم کرنا اللہ کا وقار قائم کرنا ہے۔

تُسَبِّحُوْهُ : اسے پاک سمجھو۔

یہ خیال نہ کرو کہ مدد مانگنے سے اللہ محتاج ہو گیا یہ خیال غلط ہے اسے عیب سے بالکل پاک سمجھو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تعلیم کے غلبے کا مطلب ہے غریبوں اور مسکینوں کا غلبہ۔ پس اللہ کی مدد کرنے اور اس کا وقار قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسکینوں کی مدد کرو۔ اور وہ جس ظلم کے جوئے تلے آئے ہوئے ہیں۔ اس سے انہیں نکال کر ان کا وقار قائم کرو اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

(10) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○

(جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے۔ اور جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔)

بیعت رضوان کی حقیقت : یہ عہد اللہ سے براہ راست ہے۔ یہ گویا تُعَزِّرُوْهُ اور تُوَقِّرُوْهُ کی عملی تفسیر ہے۔

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے)

یہ ہے رسول اور مسلمانوں کا باہمی تعلق۔ رسول مسلمانوں کے سامنے خدا بن کر نہیں آتا بلکہ وہ خدا کا نمائندہ ہے۔ اس لئے اس کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ جو عہد باندھا جاتا ہے اس کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہئے کہ وہ خدا کے ساتھ معاہدہ کیا جا رہا ہے اس کی پوری پوری اہمیت ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنی چاہئے کسی

معاملے پر خدا کے ساتھ معاہدہ کرنا بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لینا ہے۔

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (جو شخص اس عہد کو توڑتا ہے وہ اسے اپنی جان پر توڑتا ہے)

عہد شکنی کی سزا : جو شخص خدا کے ساتھ عہد باندھ کر توڑتا ہے۔ وہ اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے۔ جماعتی سیاست (Party Plitics) میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص پارٹی کے ڈسپلن کو قبول کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ جب وہ اپنی جماعت کے فیصلے کے خلاف کوئی حرکت کرنے لگے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے خلاف ضابطے کی انتہائی کارروائی کی جا سکتی ہے اور وہ غداری کر کے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ مرنے کے بعد تو وہ خدا کے عذاب میں پڑے گا ہی اس دنیا میں بھی وہ بڑی سے بڑی سزا پانے کے لائق ہے جو جماعت خدا کے قانون کو چلانے کے لئے اٹھے اسے اس قسم کا انتہائی ضبط قائم کرنا پڑے گا اور کسی رکن کے متعلق کسی قسم کی رواداری' جنبہ داری اور رعایت نہیں کرنی ہوگی چونکہ اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اس لئے معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا اور پھر اسے انتہا تک پورا کرنا ہوگا۔ انقلابی جماعتوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ قرآنی انقلابی جماعت اس قسم کے شدید ضبط (Iron Discipline) سے مستثنٰی نہیں ہو سکتی۔ یہ ہر ایک انقلابی جماعت کی طبعی ضرورت ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (جو شخص وہ عہد پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ سے کیا۔ تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا)

جو شخص اپنے عہد کو پارٹی ڈسپلن (جماعتی انضباط) کے مطابق پورا کرے گا۔ وہ ہر قسم کی عزت اور اختیارات کا مستحق سمجھا جائے گا اور وہ خدا تعالٰی کے ہاں سے بہت بڑا اجر پائے گا۔ یہ اجر جلدی ہی ملے گا۔ (اس میں ایک جنگ کی طرف اشارہ ہے جس پر مسلمانوں کو جانا ہوگا۔ اس کا ذکر آیت نمبر 15 میں آئے گا۔

جو لوگ جند اللہ (خدائی لشکر) کے مخالف ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔

(1) منافق اور (2) کافر

آیات 11 تا 21 میں منافقوں کا ذکر ہے اور 22 تا 26 میں کافروں کا۔

ارتجاعی ذہنیت

(11) (ا) سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا (اور اب وہ لوگ جو گنواروں میں سے پیچھے رہ گئے تھے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور گھر والوں کے کاموں میں لگے رہ گئے)

منافقین : جو بدوی (اعراب) اس سفر میں آپؐ کے شریک نہ ہوئے اب انہوں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ہم اتفاقاً" مال اور گھر بار کے جھگڑوں میں پھنس کر پیچھے رہ گئے اور سفر میں آپ کے ساتھ نہ جا سکے نہیں تو مسلمانوں نے نمونے کی جو زندگی دکھائی ہم اپنے کو اس سے کم درجے کا نہیں مانتے۔

(ب) فَاسْتَغْفِرْ لَنَا (ہمارا گناہ بخشو)

ہم اسے غلطی مانتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں نہ جا سکے اور درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے قصور کو مان کر معافی مانگ لے۔ اس کا جرم اور قصور نہیں مانا جاتا وہ گویا ایسا ہے جیسے اس نے جرم کیا ہی نہیں[1]۔ تو گویا یہ لوگ اپنے آپ کو اس جماعت کے برابر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم انہیں اس غلط بیانی پر تنبیہہ کرتا ہے۔

(ج) يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ (وہ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے چونکہ وہ منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اس سے وہ جھوٹ بولتے ہیں سفر میں ان کے نہ جانے کی وجہ گھر بار اور مال کے جھگڑوں میں پھنسنا نہیں تھا بلکہ اصل میں ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی کیوں اس پر سے اگلی آیت میں پردہ اٹھایا گیا ہے۔

(د) قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

---

[1] اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (الحدیث) (جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے، جس سے گناہ ہوا ہی نہ ہو) (مرتب)

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا

(تو کہہ کس کا بس چلتا ہے اللہ سے۔ اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ)

یعنی ہمارا تو اس معاملے میں کوئی دخل نہیں۔ تم اگر شوق سے ہمارے ساتھ چلتے ہو تو ہم تمہیں پیچھے نہ رکھ سکتے تھے اور نہ تمہیں کسی نفع سے روک سکتے تھے۔ اب اگر تم نے ہمارے ساتھ چلنے کا ارادہ نہ کیا تو ہم تمہیں اس نقصان سے نہیں بچا سکتے۔ جو اب تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔ (اس نقصان کا ذکر آگے آیت نمبر 15 میں آتا ہے) نفع و نقصان تمہارے اپنے فیصلے کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام کو صحیح سمجھ کر خود آگے نہیں بڑھتا اسے آگے بڑھانے کی نبی یا اس کی جماعت میں کوئی طاقت نہیں۔ اس لئے کہ یہ کام صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(ہ) بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

(بلکہ اللہ تمہارے سب کاموں سے خبردار ہے)

توفیق باندازہ ہمت : وہ تمہارے عملوں کو اچھی طرح جانتا ہے ان کے مطابق تمہیں کام کرنے کی توفیق دے گا۔ پس اس جماعت میں شامل ہونے کے لئے لگاتار نیکی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درجہ اس قسم کا نہیں ہے کہ اتفاقاً ہاتھ آجائے۔

(12) بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ○

(کوئی نہیں، تم نے تو خیال کر لیا تھا کہ رسول اللہ اور مسلمان کبھی اپنے گھر لوٹ کر نہیں آئیں گے اور کھب گیا تمہارے دلوں میں یہ خیال اور تم نے طرح طرح کی بری انکلیں کرنی شروع کیں اور تم لوگ تباہ ہونے والے تھے)

منافقین کی نفسی تحلیل : یہ لوگ جو اس سفر میں شریک نہ ہوئے تو اس لئے نہیں

کہ مال و اولاد کے جھگڑوں میں پھنسے رہے۔ بلکہ دراصل ان کی جانے کی نیت ہی نہ تھی۔ انہوں نے یہ خیال پکا رکھا تھا کہ قریش ان سے ضرور مقابلہ کریں گے۔ اس لئے جنگ ہوگی۔ یہ لوگ مارے جائیں گے ہم کیوں مفت کی مصیبت سہیڑیں۔ یہ اب گھروں کو واپس نہیں آسکتے۔

وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ (تمہارے دلوں میں بات کھب گئی تھی)

تمہارے دلوں میں یہ چیز کچ گئی تھی۔ اور تم مان بیٹھے تھے کہ یہ لوگ شکست کھا جائیں گے اور زندہ نہ لوٹیں گے۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ

تم نے یہ برا خیال پختہ بنالیا تھا۔ کہ بس اب اسلام ختم ہوگیا۔ جانے دو انہیں۔ ہم انہیں کے ساتھ موت کے منہ میں کیوں جائیں۔

یہ منافقت کی ایک کھلی نشانی ہے۔ کہ منافق نفع کا تصور کئے بغیر کسی الٰہی تحریک میں شامل نہیں ہو سکتا۔ وہ سب سے پہلے روپے اور پیسے کا حساب کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس تحریک میں شامل ہونے سے مجھے کتنا نفع حاصل ہوگا۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مالی نفع حاصل نہ ہوگا تو وہ بھولا بن کر کسی نہ کسی طرح اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سچ ہے

ع یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا (اقبال)

ایک منافق سے بڑھ کر اس حقیقت کو اور کون سمجھ سکتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا (تم تباہ ہونے والے لوگ تھے)

یہ بات نہیں کہ تم سے اتفاقاً غلطی ہو گئی اور تم پیچھے رہ گئے بلکہ تم جان بوجھ کر فیصلہ کر کے پیچھے رہے۔ تم نے ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ لیکن ایک غلط پروگرام کو زندہ کرنے میں طاقت صرف کرنا اپنی محنت کو برباد کرنا ہے اور تمہاری حرکت ایسی ہی ہے۔

(13) وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○ (اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے لئے دہکتی آگ)

حجاز کو پاک کیا جائے : جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح ایمان نہیں لاتا۔ جس طرح خالص مومنین ایمان لائے (جن کا ذکر آیت نمبر 4 میں آچکا ہے ان کے لئے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تکلیفیں اٹھانا اور تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے آخر میں جلنا' یہ ان کے لئے طے شدہ ہے۔

یہ حجاز میں رہنے والے مخالفین کے لئے ہے ان کے لئے اس سرزمین میں رہنے کے لئے زندگی کی کوئی صورت نہیں چھوڑی گئی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس طرح ایمان لے آئیں۔ جس طرح خالص مومنین ایمان لا چکے ہیں۔ چونکہ حجاز کو اس قرآنی انقلاب کا مرکز بنایا جانے والا ہے۔ اس لئے وہاں کی ارتجاعی طاقت کو زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اب تک مسلمانوں میں یہ تخیل باقی ہے کہ حجاز میں خلاف اسلام کام کرنے کو بہت بڑا جرم مانتے ہیں۔ اس لئے کہ (ع) چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی؟

(14) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(آسمانوں اور زمین کا راج اللہ ہی کے لئے ہے بخشے جسے چاہے اور عذاب میں ڈالے جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

زمین پر اللہ کی بادشاہی : آسمان کی بادشاہی تو فرشتوں کے ذریعے سے ہے زمین کی بادشاہی اس جماعت کے ذریعے سے قائم ہوگی۔ وہ اللہ کے قانون کو زمین میں چلائیں گے۔

یہ انقلاب حضرت عثمانؓ کی شہادت تک رہا۔ اس وقت تک حجاز میں خدا کی بادشاہی قائم تھی۔ قرآن کا قانون تھا اور اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت تھی۔ وہ اپنے آپ کو قانون کا مالک نہیں سمجھتی تھی۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کا نائب سمجھ کر اس کے حکموں کو بجا لاتی تھی۔ اور ان پر عمل کرتی کراتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بن کر اپنے ساتھیوں کو جو خدا کے قانون کی عزت اور وقار قائم کرنے میں آپؐ کے شریک تھے اپنے ذریعے سے خدا کا نائب (خلیفۃ اللہ) بنا دیا۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (تاکہ جسے چاہے بخشے اور جسے

چاہے عذاب میں ڈالے)

جو شخص اس قانون کو جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے قانون کی تعمیل کے قریب ہوتا جاتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو آدمی اس قانون سے ہٹتا اور درجہ بدرجہ پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہے اسے عذاب دیا جائے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت کے ذریعے سے جو نظام قائم کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک صحیح کام کرنے والے آدمی کے گناہ بخشے جائیں اور اللہ کی رحمت سے وہ پروگرام سامنے لایا جائے جس میں انسانیت کی ترقی ہے۔

(15) سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے۔ جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو آؤ ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ۔ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہہ دے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے۔ یونہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدے سے۔ کوئی نہیں لیکن وہ تھوڑی بات سمجھتے ہیں)

اخلاقی فتح کے نتیجے : جب مسلمان حدیبیہ سے واپس آئے تو خالی ہاتھ گھر آئے۔ یہ نہ تھا کہ کوئی فتح کر کے آئے یا کوئی معرکہ مار کر آئے تھے اور وہی آکر لوگوں کو بتاتے کہ ہم نے یہ فتح حاصل کی۔ وہ معرکہ مارا۔ بلکہ یہ صرف اخلاقی فتح (Moral Victory) ہے۔ وہ لمبی مدت کے لئے نتیجہ خیز ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ثمرات دیتی رہے گی مگر وہ اس وقت تو کوئی چیز ہاتھ میں لے کر نہیں آرہے۔ ان لوگوں کو وعدہ دیا گیا کہ چند روز گھر میں رہ کر تیاری کر لو۔ اس کے بعد تمہیں خیبر جانا ہوگا۔ اور وہ سارا ملک تمہیں مل جائے گا جو غنیمت یہاں (اس سفر میں) چاہئے تھی اور نہیں ملی، اس کی جگہ خیبر کا وعدہ انہیں مدینہ

پہنچنے سے پہلے دے دیا گیا۔ گویا ان کے پاس آج قیمتی مال نہیں ہے۔ لیکن کل کو مل رہے گا۔ ورنہ گھر جا کر بال بچوں کو سمجھاتا کہ ہم فتح پا کر آئے ہیں سخت مشکل ہے چنانچہ چند روز کے بعد انہیں خیبر جانے کا حکم دیا گیا۔ اب جو لوگ حدیبیہ جانے سے رہ گئے تھے ان کی رال ٹپکنے لگی۔ کہ ہم بھی ساتھ جائیں گے انہیں جواب دیا گیا کہ تم نہیں جا سکتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں صاحب! ہم سے تو حسد کیا جاتا ہے اور ہمیں فائدہ حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نہیں ہے تم خدا کی بات جھٹلانا چاہتے ہو۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ ہم حدیبیہ والوں کو خیبر بطور انعام دیتے ہیں۔ تم لوگ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے خیبر میں شریک ہو کر خدا کی بات کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ یہ تمہاری شرارت ہے تم اب نہیں جا سکتے۔

اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا (غنیمتوں کی طرف کہ تم انہیں حاصل کرو)

یعنی خیبر کا مال غنیمت۔

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ (اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے)

خدا نے یہ حکم پہلے سے دے رکھا ہے۔ کہ حدیبیہ والوں کے سوا کوئی دوسرا اس معرکے میں شریک نہ ہوگا۔ اس کا اشارہ آیت نمبر10 کے آخری حصے میں آچکا ہے جہاں ان مسلمانوں سے جنہوں نے بیعت کی تھی اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (یہ لوگ بات پوری طرح سمجھتے ہی نہیں)

خیبر کی فتح کا بھید : وہ بات کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ وہ دنیاوی نفع کی باتوں کو تو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر نفع کے ملنے یا نہ ملنے کا حقیقی راز نہیں سمجھتے خیبر یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کو مفت دینا تو مقصود نہیں۔ یہ دنیا کا ایک باغ ہے۔ جو یہودیوں کو ایک خاص خدمت پر مقرر ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا اور وہ خدمت یہ تھی کہ وہ حقیقی دین کو قائم کریں۔ بعد میں انہوں نے نافرمانی کی۔ اب انہیں سزا دینا ہے۔ ایک دوسری قوم کو جو خدا کے حکموں کو فرشتوں کی طرح بجا لاتی ہے۔ یہ جنت ارضی[1] دی جائے گی۔ جو شخص فرشتوں کی طرح کام نہ کریں اور وہ جنت چاہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ احمق ہے وہ بات ٹھیک طرح سے نہیں سمجھتا۔

---

[1] زمین کا باغ (مرتب)

کل قومی انقلاب کی تیاری

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۝

(پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہہ دو کہ آئندہ تمہیں ایک قوم کے مقابلے میں بلائیں گے جو بڑے سخت لڑاکو ہیں۔ یا تو تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا) اگر تم پلٹ جاؤ گے جیسے پہلی بار پلٹ گئے تھے تو تم کو دردناک عذاب دے گا۔

آنے والا امتحان : جب آپ عمرے کے ارادے سے مدینہ منورہ سے تشریف لے جانے لگے تو آپ نے سب مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی۔ مگر بدوؤں نے سمجھا کہ یہ جو عمرے کو جا رہے ہیں تو یہ چال ہے حقیقت میں لڑائی ہوگی اور یہ لوگ مارے جائیں گے۔ اس لئے بدو اس سفر میں ساتھ نہ ہوئے پھر جب مسلمان صلح کر کے واپس آگئے تو یہ بدو لوگ بہت پریشان ہوئے کہ ہم نے ساتھ نہ جانے میں غلطی کی اور لگے طرح طرح کے بہانے اور عذر پیش کرنے' (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) اب ان سے کہا گیا۔ اگر تم سچے ہو کہ تم ہمارے ساتھ جانے اور اس وقت آنے والے خطرات میں پڑنے کے لئے تیار تھے لیکن کسی غلطی سے پیچھے رہ گئے تو ایک دفعہ بات گزر گئی تمہیں دوسرا موقعہ دیا جائے گا۔ اگر تم نے اس وقت کام پورا کیا تو جو غنیمت خیبر کے معرکے سے نہیں ملنے والی تھی وہ بھی دلا دی جائے گی۔

اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ (ایک جنگجو قوم)

قیصر و کسریٰ سے مقابلہ ہوگا : "ایک جنگجو قوم" سے قیصرو کسریٰ کی بادشاہتیں مراد ہیں۔ ان کے مقابلے کے لئے اعراب کو دعوت دی جائے گی۔

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ (یا تو وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے یا وہ اطاعت اختیار کر لیں گے)

یا تو تم انہیں قتل کرو گے یا وہ اطاعت اختیار کر لیں گے یعنی بعض لوگ مارے جائیں گے اور باقی اطاعت قبول کر لیں گے۔ ان دو باتوں میں سے ایک ہو کر رہے گی۔

فَاِنْ تُطِیْعُوْا (اگر تم نے اطاعت کی)

اگر تم نے اس وقت اعلان جہاد کی اطاعت کی اور لڑائی میں شریک ہوئے۔

یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا (تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی مزدوری دے گا۔ یعنی بے اندازہ غنیمت ہاتھ آئے گی جس سے اب کی کسر بھی نکل جائے گی۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝

(اگر تم پلٹ گئے جیسے پہلے پلٹ گئے تھے تو دردناک عذاب دے گا)

اگر تم پیچھے ہٹ گئے اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے جیسے اب حدیبیہ کے سفر سے ہٹ گئے تھے اور بے تیاری کئے بیٹھے رہے تھے تو تم کو سخت سزا دی جائے گی اور دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

امام ولی اللہ کے خیالات : امام ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"اجماع مفسرین کے مطابق اس آیت کے نزول کا موقع اور صحیح حدیثوں کے مضمون کے مطابق اس آیت کے آگے پیچھے کی آیات کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے 6ھ میں ارادہ فرمایا کہ عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپ نے بدوؤں کو اور دیہاتوں میں بسنے والوں کو دعوت دی کہ وہ اس سفر میں آپ کے ساتھ چلیں۔ کیونکہ پختہ گمان تھا کہ قریش مکہ میں داخل ہونے سے روکیں گے اور بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں قریش کے جو آدمی مارے گئے تھے ان کے سبب سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے خیال تھا کہ وہ کہیں جنگ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائیں۔ ایسے حالات میں عقل کا تقاضا ہے کہ بہت سے آدمی مل کر جائیں تاکہ قریش کے شر سے بچے رہیں۔ بہت سے بدوؤں نے آنحضرت ﷺ کی اس دعوت پر کان نہ دھرا اور سفر میں ساتھ نہ

گئے۔ بعض گھر بار اور کاروبار کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور نہ جا سکے مگر مخلص مسلمان جو ایمان کی بشاشت میں سرتاپا غرق تھے۔ آپ کے ساتھ جانے کو سب سے بڑی نیکی سمجھ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جب یہ قافلہ حدیبیہ کے مقام کے قریب پہنچا تو قریش جاہلیت کی حمیت میں مبتلا ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ قصہ مختصر وہاں مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح کرنی پڑی۔ مکہ مکرمہ کے باہر ہی قربانیاں کیں اور واپس آ گئے۔ چونکہ عمرہ ادا نہ کر سکتے اور مغلوبانہ صلح کرنے کی وجہ سے یہ مخلص مسلمان بہت ہی غمزدہ تھے۔ حکمت الٰہی نے چاہا کہ ان دلوں کے زخموں کو بھر دے۔ چنانچہ انہیں خوشخبری دی گئی کہ تمہیں خیبر کا بہت سامال غنیمت ملے گا اور اسے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا جو حدیبیہ میں موجود تھے اور کسی کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ [1] اور جس جماعت نے حدیبیہ میں بیعت کی اس پر اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اظہار کرتا ہوا فرماتا ہے کہ:

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(الآیہ) [2]

اور اس بیعت سے ایک شخص جد بن قیس کے سوا جو منافق تھا اور کوئی نہ پھرا بغویؒ وغیرہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے درخت کے نیچے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ دوزخ میں نہ جائے گا یہ مقام ان بہترین مقاموں میں سے ہے جہاں صحابہ کرام نے

---

[1] تم غنیمتوں کی طرف جاؤ گے تاکہ انہیں لو تو یہ پیچھے رہنے والے کہیں گے ہمیں اپنے ساتھ جانے دو۔ وہ اللہ کا فیصلہ بدلنا چاہتے ہیں تو کہہ دے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔ اللہ نے پہلے ہی سے یہ فرمایا ہے۔

[2] یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرتے تھے تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے الخ۔

بلند مرتبے حاصل کئے اور وہ غنیمتیں حاصل کیں جو کچھ عرصے کے بعد ان کے ہاتھ لگیں۔ مثلاً حنین کی غنیمتیں اور دوسری غنیمتیں جن پر عرب کبھی قادر نہ ہوئے۔ ان غنیمتوں سے فارس اور روم کی غنیمتیں مراد ہیں۔ اس زمانے میں فارس اور روم کی وہ شوکت اور دبدبہ تھا اور لشکروں کی وہ کثرت تھی اور سامان جنگ کی وہ فراوانی تھی کہ عرب ان پر غلبہ پانے یا ان سے مال غنیمت حاصل کرنے کا خیال تک دل میں نہ لا سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً (اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کرتا ہے) یہ عرب کی غنیمتیں ہیں مثلاً حنین کے اموال غنیمت فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ پس جلدی کر دی تمہارے لئے یہ) یہ خیبر کی غنیمتیں ہیں جو حدیبیہ کے بعد ہی انہیں حاصل ہوئیں۔ وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا (اور دوسری وہ جن پر تم نے قدرت نہ پائی) یہ فارس اور روم کی غنیمتیں ہیں۔

اس کے علاوہ حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہیں دھمکائے اور ان کی فضیحت کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ (الآیہ) اور جنگجو قوموں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت پہلے ہی سے دے دے۔ تاکہ وہ دعوت قبول کرنے نہ کرنے پر خوب غور کرلیں اور پہلے ہی بصیرت حاصل کرلیں اور طرح طرح کے عقلی قیاسات ان کے حال کو پریشان نہ کردیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَتُدْعَوْنَ (تم کو عنقریب بلایا جائے گا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدوؤں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے بلایا جائے گا یہ دعوت ان پر شرعی ذمہ داری ڈال دے گی۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے تو ثواب پائیں گے اور اگر اسے قبول نہ کریں گے تو عذاب پائیں گے"۔

(ازالۃ الخفا مقصد اول ص 38)

(17) لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا

اَلِیْمًاo

(اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف ہے اور نہ بیمار پر تکلیف ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اسے باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور جو کوئی پلٹ جائے اسے دردناک عذاب دے گا)

اجماعی جنگ : یہ جو دعوت دی جا رہی ہے کہ آئندہ جنگوں میں شریک ہو' یہ صرف اعراب (بدؤں) کو دعوت نہیں دی جا رہی بلکہ قرآن کے ہر ایک ماننے والے کا فرض ہے کہ جنگوں میں شریک ہو۔ تیاری کے اس حکم سے کوئی شخص بھی باہر نہیں ہے البتہ اندھے' لنگڑے اور مریض کو تکلیف نہیں دی جاتی کہ وہ میدان جنگ میں جاکر ہی جنگ میں شامل ہو۔

اعمیٰ (اندھے) اعرج (لنگڑے) اور مریض (بیمار) کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت نمبر91 سامنے رکھنی چاہئے جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

(یعنی ضعیفوں اور بیماروں پر اور ناداروں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں)

ابوبکر جصاصؒ کا قول : سورہ توبہ کی ایک آیت[1] کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی جو چوتھی صدی ہجری کے نامور فاضل ہیں لکھتے ہیں کہ:

وَقَوْلُهٗ وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) فَاَوْجَبَ فَرْضَ الْجِهَادِ بِالْمَالِ وَالنَّفْسِ جَمِيْعًا : فَمَنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ

---

[1] وہ آیت یہ ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ 9 : 41) (نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں) (مرتب)

وَهُوَ مَرِيْضٌ اَوْ مُقْعَدٌ اَوْضَعِيْفٌ لاَ يَصْلَحُ لِلْقِتَالِ فَعَلَيْهِ الْجِهَادُ بِمَالِهِ بِاَنْ يُعْطِيْهُ غَيْرَ فَيَغْزُوْبِهِ۔

كَمَا اَنَّ مَنْ لَهٗ قُوَّةٌ وَجَلَدٌ وَاَمْكَنَهُ الْجِهَادُ بِنَفْسِهٖ كَانَ عَلَيْهِ الْجِهَادُ بِنَفْسِهٖ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ ذَا مَالٍ وَيَسَارٍ بَعْدَ اَنْ يَجِدَ مَا يُبَلِّغُهٗ

وَمَنْ قَوِيَ عَلَى الْقِتَالِ وَلَهٗ مَالٌ فَعَلَيْهِ الْجِهَادُ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ۔

وَمَنْ كَانَ عَاجِزًا بِنَفْسِهٖ مُعْدِمًا فَعَلَيْهِ الْجِهَادُ بِالنُّصْحِ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ بِقَوْلِهٖ (لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلاَ عَلَى الْمَرْضٰى وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ)

" (احکام القرآن، الجزء الثالث ص 117)

"یعنی خدا تعالیٰ کے اس حکم وجاهدوا باموالكم وانفسكم فی سبیل الله نے جہاد کا فرض مال اور جان دونوں سے ادا کرنا واجب کر دیا ہے۔

(1) جو شخص مالدار ہو اور بیمار یا بیٹھنے ہی کے قابل ہو یا کمزور ہونے کی وجہ سے جنگ کے ناقابل اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال سے جہاد کرے یعنی کسی شخص کو جس کے پاس مال نہ ہو) مال دے دے۔ کہ وہ اس کے ذریعے سے جہاد کرے۔

(2) جو شخص مالدار نہ ہو لیکن وہ خود جہاد کر سکتا ہو اور مقام جنگ پر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ خود جہاد کرے یہ اس کا فرض ہے۔

(3) جو شخص تندرست بھی ہو اور مالدار بھی ہو وہ مال اور جان دونوں سے جہاد کرے اس کا یہی فرض ہے۔

(4) جو شخص جسمانی لحاظ سے عاجز ہو اور مفلس بھی ہو تو اس آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلاَ عَلَى الْمَرْضٰى وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے مطابق

اس پر کم سے کم یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہی کرتے رہیں۔ (یعنی بری خبریں نہ خود پھیلائیں نہ حتی الامکان ایسی خبروں کو پھیلنے دیں بلکہ ان کی تردید کرتے رہیں۔ غرض ان سے جو بن پڑے اس میں کوتاہی نہ کریں)

امام الحکمتہ امام ولی اللہ دہلویؒ "حجتہ البالغہ جلد دوم ص 174 میں فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَا اَرَادَ الْخُرُوْجَ لِلْغَزْوِ عَرَضَ جَيْشَهُ يَتَعَاهَدُ الْخَيْلَ وَالرِّجَالَ فَلَا يَقْبَلُ مِنْ دُوْنِ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ لَا مُخَذِّلًا وَهُوَ الَّذِىْ يُقْعِدُ النَّاسَ عَنِ الْغَزْوِ [1] وَلَا مُرْجِفًا وَهُوَ الَّذِىْ يُحَدِّثُ بِقُوَّةِ الْكُفَّارِ")

(یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی جنگ پر تشریف لے جانے کے لئے نکلتے تو سارے لشکر کا جائزہ لیتے چنانچہ آپؐ پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو لشکر میں شامل نہ فرماتے اور نہ مخذل اور مرجف کو ساتھ لیتے۔ مخذل وہ ہے جو لوگوں کو جنگ سے باز رکھے اور مرجف وہ ہے جو دشمن کے لشکر کی قوت اور طاقت بیان کر کے لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرے)

اب اگر یہ اندھے اور لنگڑے وغیرہ مخذل اور مرجف ہیں تو کیا وہ خدا اور رسول کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ ان کے خیر خواہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم از کم اتنا کام ضرور کریں کہ لوگوں کو لڑنے کی ترغیب دیتے رہیں۔ اور کفار کے زور کی جو باتیں ہوں ان کی تردید کرتے رہیں۔ اور مسلمان کی کمزوریوں کو چھپائیں۔ گویا اس چوتھی جماعت (Gategory) کے لئے بھی جو نہ صحت سے مالا مال ہیں۔ نہ مالدار ہیں۔ پراپیگنڈہ کرنے میں حصہ لینا فرض قرار دیا گیا ہے آج کی دنیا جانتی ہے کہ جنگ میں پراپیگنڈہ نصف سے زیادہ طاقت کا مالک ہے۔ اس اصول پر کوئی شخص بھی جہاد سے فارغ نہیں ہو سکتا

---

[1] گویا حضرت امامؒ کے نزدیک نام نہاد امن پسندوں (Pecifists) کی تحریک کا معاشرہ انسانی میں کوئی مقام نہیں۔ اگر اس سے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ لوگ حق کی حمایت میں لڑنے سے باز رہیں۔ (مرتب)

گویا قرآن کے نزدیک جنگ اجماعی چیز (Total War) ہے جس میں جہاں تک طاقت ہو اس میں حصہ لے۔ کوئی مرد اور عورت تندرست اور بیمار اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔

لڑنے والی طاقت (Battle Force) کو سامان جنگ اور روٹی کپڑا وغیرہ بہم پہنچانا اور ملک کے انتظام کے لئے پیچھے سے نظام خانگی (Home Front) کو قائم رکھنا جنگ جیتنے کے لئے ضروری ہے۔ ہماری عورتیں اور بچے مریض اندھے اور لولے لنگڑے ہوم فرنٹ (Home Front) کے کام میں مصروف رہیں گے۔

وہ کیسے مسلمان ہیں جو عذروں کی بناء پر جہاد سے الگ رہنا چاہتے ہیں؟ میرے استاد[1] فرما چکے ہیں کہ تم اکیلے جہاد کر سکتے ہو۔ اور دنیا پر فتح پا سکتے ہو افسوس ہے کہ ہمارے استاد کے ارشاد کے لئے جس سند کی ضرورت تھی وہ وقت پر ہاتھ نہ آسکی[2]۔ ورنہ ہماری دیوبندی جماعت میں سے سوائے اس شخص کے جو پچ مچ منافق ہو تا کوئی پیچھے نہ رہتا۔ اب ضرورت ہے کہ اس جماعت میں سے نفاق کو دور کیا جائے۔ جو جہاد کے لئے تیار نہیں ہے وہ کیوں میرے استاد کی جگہ پر بیٹھتا ہے؟ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے۔

غرض أُولِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ (سخت جنگجو لوگوں) سے لڑنا پڑے گا۔ ان سے یہ لڑائی قیامت تک جاری رہے گی۔ اس مقابلے کے متعلق قرآن حکیم کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اور بھرتی کے متعلق مذکورہ بالا حکم پر عمومی اور دائمی حیثیت رکھتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے گا اسے اللہ باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں)

دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل : اس حصہ آیت میں خَالِدِيْنَ (ہمیشہ) کا لفظ نہیں ہے۔ اس لئے اس سے مراد دنیا کی جنات ہیں۔ جہاں خالدین کا لفظ آئے گا وہاں مراد یہ ہوگی کہ مومن اس دنیا کے باغوں سے نکل کر سیدھے ان جنات میں پہنچ جائیں گے جو دائمی (خالدین) ہیں۔

ایک شخص (مثلاً فرعون) دنیا میں غرق کر دیا گیا اور وہ اس کے بعد ہی عذاب میں

1۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (مرتب)

2۔ یعنی جصاص الرازیؒ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر (مرتب)

ڈال دیا گیا گویا اس کا عذاب لگاتار رہا اور اس عذاب کو خلود (ہیشگی) حاصل ہو گیا۔ ہیشگی کے باغات میں داخلہ بھی اسی طرح ہو گا کہ یہاں دنیا میں حکومت امن اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی راہ میں شہید ہوئے تو سیدھے جنات عدن (ہیشگی کے باغات) میں پہنچ گئے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا (جو شخص پیٹھ پھیرے گا اسے دردناک عذاب دیا جائے)

غلامی کا عذاب : جو لوگ ہمت اور طاقت کے باوجود جہاد میں حصہ نہیں لیں گے انہیں دوسری قوم کی غلامی کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اور جو لوگ اس عذاب غلامی میں مبتلا ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی پوری کوشش نہ کریں گے انہیں اس میں مبتلا رکھا جائے گا۔

افسوس ہے اس قوم کے حال پر جو غلامی کا احساس بھی کھو بیٹھے اور بڑے اطمینان سے غیر فکر کی حکومت کا جوّا برداشت کرتی رہے! اس کے عوام انقلاب یا جہاد میں کیا حصہ لے سکتے ہیں؟

صلح حدیبیہ میں ایک بھید

(18) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

(یقیناً اللہ خوش ہوا مومنوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے اس درخت کے نیچے پھر ان کے دلوں میں جو تھا وہ اللہ نے معلوم کیا' پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا قریبی فتح کا)

موت سے مصافحہ : جب حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ پہنچی۔ رسول اکرم ﷺ نے سب صحابہ کو بلا کر موت پر بیعت طلب کی۔ سب نے بن پوچھے بیعت کر لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے آنے والی خونریز جنگوں کے پیش نظر مسلمانوں کو موت کے لئے تیاری کرانی شروع کر دی تھی۔ جو جماعت اہل مکہ کے مقابلے میں موت قبول کر لیتی ہے کیا وہ قیصرو کسریٰ سے مذاق کرنے جائے گی؟ سلطان محمد کی فوج قسطنطنیہ کے بادشاہ کے مقابلے میں کھیلنے کے لئے گئی تھی یا موت سے ہاتھ ملانے؟ واقعہ یہ ہے کہ جس دن سے مسلمانوں نے موت قبول کرنے کا یہ فکر چھوڑا ہے اسی دن سے ان کی حکومتیں برباد ہونے لگی ہیں۔ اب ہم اس حالت کو دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی ایک دردناک عذاب میں مبتلا ہے اب ہم اپنے ملک میں اپنی مضبوط حکومت بنائے بغیر دم نہیں لے سکتے اب ہمیں بین الاقوامی جھگڑوں میں زیادہ دیر تک پھنسا کر منتظر نہیں رکھا جا سکتا۔ اور نہ ہم مخذولوں کی اطاعت کر سکتے ہیں کوئی پیر ہو' کوئی لیڈر ہو' کوئی حاکم ہو' وہ اپنے اپنے گھر جا کر مریں۔ اب ہمارے سر پر حکومت چلانا چھوڑ دیں۔ اب ہم ان کی نہیں سن سکتے اب ہمیں اپنے ملک میں اپنی طاقت سے اپنی حکومت چلانی ہوگی۔ اس کے پروگرام پر غور کر کے اس کی مدات کو آگے پیچھے کرنا ہمارا کام ہوگا۔ اب ہم کسی ایسے آدمی کی جو ہماری مصیبت میں شریک نہ ہو کوئی تجویز یا مشورہ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اب ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ہم

خلافت باطنہ کی مدد سے خلافت ظاہرہ کے قیام کے ساتھ اپنا قدم آگے بڑھا سکتے ہیں ہم اس اصول کو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اس طریق تنظیم کی تفصیل امام ولی اللہ دہلوی کی کتابوں میں مل گئی۔ یہ ہماری ضرورت تھی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری رہنمائی فرمائی جو شخص ہماری مصیبت میں ہمارا شریک نہیں ہے وہ بھلا ہماری ضرورت کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ ہماری سکیم میں ایک زبان بولنے والا گروہ جو کلچر میں ایک قسم کی یک رنگی رکھتا ہے ایک اکائی ہے جو شخص ان کی زبان نہیں بولتا وہ ان کی مصیبت میں شریک بھی نہیں ہو سکتا۔

قومی حکومت : ملک کے ایک مستقل ٹکڑے میں جس میں ایک زبان بولنے والا گروہ رہتا ہے۔ اور جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے ہماری فقط یہ کوشش ہے کہ یہ اکثریت قانون سازی کی طاقت کی مالک بن جائے اور اس کے ووٹ کے بغیر وہاں کوئی حکومت نہ چل سکے۔ اس کے لئے ہمیں اس اکثریت کو تعلیم دینی ہوگی۔ اسے مختلف سیاسی مسالک فکر (Schools of Politics) سمجھا کر اپنا مسلک معین کرنا ہوگا۔ جب ہم اس پروگرام سے فارغ ہو جائیں گے تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے اس درخت کے نیچے)

اللہ کا اظہار خوشنودی : اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اظہار خوشنودی ان کے موت قبول کرنے پر ہوا ہے۔ ان لوگوں نے جس ضبط اور قربانی کا اظہار کیا ہے وہ یقیناً" قابل فخر ہے کوئی جماعت اس اعلیٰ درجے کے ضبط اور قربانی کے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کر سکتی یہ وہ جماعت ہے جس کے نمونے کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور یہ ہر اس جماعت کے لئے جو کامیابی کی خواہش کرے قیامت تک نمونے کی جماعت رہے گی۔

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ اسے جانتا تھا)

یعنی وہ گھٹا ہوا جوش اور طاقتور ہونے کے باوجود مغلوبانہ صلح کے ماننے پر مجبور ہونے سے پیدا ہونے والے جذبات' جو ڈیڑھ ہزار کی عظیم الشان منظم جماعت کے دلوں میں اندر

ہی اندر لہریں مار رہے تھے۔

فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ (ان پر اطمینان اتارا)

محض جوش کافی نہیں : محض جوش کامیابی کا کفیل نہیں ہو سکتا محض جذبہ قربانی منزل مقصود تک پہنچانے کی ہمیشہ کی کارنٹی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ٹھنڈے دل سے سوچنے اور غور کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ و صلح کی مصلحتوں پر غور کرنے میں مدد دینے والی فضا پیدا کر کے ان کے دلوں کو سکون بخشا انہیں موت قبول کرنے میں کوئی تشویش پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اس لئے ان کا موت قبول کرنے کا جذبہ عارضی ہیجانی حالت کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ ہے جس پر انہیں پورا پورا اطمینان ہے۔ اس قسم کے فیصلے سے ایک مستقل مزاج جماعت کبھی نہیں پھرا کرتی۔

وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (اور انہیں قریبی فتح کا بدلہ دیا)

خیبر کی فتح کا وعدہ : انہیں یہاں لوٹ سے روک کر خیبر کی جنگ میں کامیابی کا یقین دلایا۔

(9) (ا) وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا (اور بے شمار غنیمتیں جو وہ لیں گے)

اور ان سے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ انہیں خیبر میں بہت سا مال ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہونے پر آپؐ نے اور آپؐ کی اس جماعت نے جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھی۔ تین ہفتے کے قریب مدینے میں قیام کیا اور پھر خیبر پر دھاوا بول دیا۔ وہاں سے بہت مال ہاتھ آیا۔

(ب) وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (اور اللہ عزت دینے والا حکمت دینے والا ہے)

"عزت دینے" کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سلطنت اتنی مضبوط اور وسیع بنا دے گا کہ کوئی ان پر حملہ نہ کر سکے گا ظاہر ہے کہ اتنی بڑی سلطنت بہت سی قوموں کے ساتھ لڑ کر اور فتح پا کر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

(20) (ا) وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا (اللہ نے تمہیں وعدہ دیا بہت سی غنیمتوں کا جو تم لوگے)

اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ تم بہت سی غنیمتیں حاصل کرو گے۔

(ب) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (اس نے یہ (خیبر کی فتح) قریب کردی تمہارے لئے)

یعنی خیبر کی فتح جلد ملے گی اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسری فتوحات حاصل ہوتی رہیں گی۔

(ج) وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ

(اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے)

وہ تم سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

(د) وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

(تاکہ یہ مومنوں کے لئے ایک نشانی ہو)

یہ بات مومنوں کے لئے ایک نشانی ہوگی۔ کہ اگر ہم موت کے لئے تیار ہو کر گئے تو لوگوں کے ہاتھ رک جائیں گے۔ اور وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ جیسے حدیبیہ اور خیبر میں ہوا۔

(ہ) وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

(اور تمہیں سیدھی راہ پر چلائے گا)

تمہیں انسانیت کی بنیادی ہدایت عطا کی جائے گی جس کی آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام نبی دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور تمہیں اس کل قومی قانون کے چلانے کی طاقت دی جائے گی۔

(21) (ا) وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا

(اور ایک اور فتح جو تمہارے بس میں نہیں آئی)

روم اور ایران کی فتوحات کا وعدہ : تم نے ابھی ایران اور روم سے لڑنے کی تیاری نہیں کی جب تم اس جنگ کے قابل ہو جاؤ گے تو اور غنیمتیں بھی حاصل کرو گے۔

(ب) قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

(وہ (فتح) اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے)

اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ تم ان کے مقابلے کے لئے بھی تیار ہو جاؤ گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حدیبیہ کے واقعے تک اپنی قومی تنظیم کر چکے تھے۔ اب انہیں بین

الاقوامی غلبہ حاصل کرنے کے لئے تیاری کرنے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔

(22) (ا) وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ (اگر کافر تم سے لڑتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر جاتے)

اس وقت کافر نہیں لڑے۔ گو بعض لوگ لڑنا چاہتے تھے اگر وہ لڑتے تو انہیں شکست ہوتی۔

(ب) ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا○

(پھر وہ کوئی حمایتی اور مددگار نہ پاتے)

انہیں کسی قبیلے کی طرف سے مدد نہ ملتی۔

(23) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا○ (اللہ کی یہی سنت ہے اور یہ پہلے سے چلی آتی ہے تو اللہ کے اس قاعدے کو بدلتے ہرگز نہ پائے گا)

نبی کے مقابلے میں کافروں کا شکست کھانا قانون الٰہی ہے۔ یہ کبھی نہیں بدلتا۔ اسی طرح نبی کی تعلیم پر چلنے والی قوم بھی کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔

(24) وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا○

(اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے مکے کی گھاٹی میں روک رکھے بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا انہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ دیکھتا ہے)

اس سفر میں جنگ نہ ہونے کی وجہ : چند آدمی لڑنے کی کوشش کرنے کے لئے آئے تو دونوں جماعتوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دیئے گئے اہل مکہ ڈر گئے اور انہوں نے مسلمانوں کا غلبہ مان لیا اور مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کی حکمت عملی نے روکے رکھا۔ اور لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

(25) (ا) هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ (یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور نیاز کی قربانی بند پڑی رہ گئی اس بات سے کہ

اپنی جگہ پہنچے)

یہ لوگ مجرم تھے انہوں نے قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ مسجد حرام سے روکا اور ھدی (قربانی) کو اپنے مقام پر پہنچنے نہ دیا۔ یہ حقیقت میں شکست کے مستحق تھے۔ ان کی شرارت کے باوجود انہیں شکست کیوں نہ دلائی گئی؟

(ب) وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ (اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور عورتیں ایمان والیاں جن کا تمہیں علم نہیں تھا کہ تم انہیں پیس ڈالتے۔ پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑتی بے خبری سے)

بات یہ ہے کہ چند کمزور اور محتاج مرد اور عورتیں جو ایمان والے ہیں[ا] مکے میں موجود ہیں۔ وہ اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے تم میں سے عام مسلمان انہیں نہیں جانتے۔ اگر لڑائی ہوتی تو انہیں بھی کفار کی طرف سے شریک ہو کر خواہ مخواہ تم سے لڑنا پڑتا اور وہ مارے جاتے۔ یا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو خود کفار انہیں قتل کر ڈالتے۔ دونوں صورتوں میں وہ مقصد جس کے لئے تم کھڑے ہوئے ہو دنیا سے ظلم دور کرنا۔ بے خبری میں خود تمہارے ہاتھوں برباد ہو جاتا۔ اس طرح تمہیں بھی نقصان پہنچتا انہیں بھی۔

جنگ مقصود اصلی نہیں : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک لڑنے کا اصل مقصد جنگ کرنا نہیں ہے اصل مطلب مظلوموں سے ظلم دور کرنا ہے چاہے وہ جنگ کے ذریعے سے ہو یا جنگ کو روک کر۔ اگر لڑائی سے ظلم زیادہ ہو جانے کا ڈر ہو تو لڑائی روک دی جائے گی اگر صلح سے ظلم دور ہوتا ہو تو صلح کرلی جائے گی چاہے وہ کیسی بھی کمزور شرطوں پر کیوں نہ کرنی پڑے۔

حکمت قرآنی کا ایک نکتہ : حکمت قرآنی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں اس قوم

ا۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ بھی حکم دیا کہ مکے میں جو مسلمان مرد اور عورتیں مومن ہیں ان سے مل کر انہیں فتح کی خوشخبری دیں اور انہیں خبر دے دیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا پھر وہاں ایمان پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی"۔ (زاد المعاد جلد دوم ص 133)
صلح حدیبیہ کے بعد یہ لوگ اس قابل ہو گئے کہ اپنا اسلام ظاہر کر سکیں"۔ (ایضاً ص 130) (مرتب)

کے لوگوں کے ہاتھوں انقلاب لایا جائے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہی طریق اختیار کیا۔ اس کی تفصیل حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمائی ہے۔[1] آپ فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ قریش اور ان کے اردگرد کے قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرائے[2]۔ پھر ان کے ہاتھوں فارس اور روم فتح کرائے[3] پھر ان کے ہاتھوں ہند، ترکستان اور سوڈان فتح ہوئے[4]

خود قرآن حکیم میں بھی اس حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ صف 61 کے آخر میں ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ (61: 14)

(یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری مدد اللہ کی راہ میں کرے؟ حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ چنانچہ (ان کی کوششوں سے) بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایمان لے آیا اور ایک فرقہ منکر ہی رہا۔ پھر ہم نے بنی اسرائیل کے ایمان

1۔ جلد دوم باب البلاد 2۔ عراق اور شام میں ملی جلی قومیں بستی تھیں ان میں عرب بھی تھے ان عربوں کو ساتھ ملا کر عراق اور شام میں انقلاب برپا کیا گیا۔ ہمارے زمانے میں اس کی مثال آذربائیجان کے انقلاب کی ہے جس میں روسیوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن انقلاب کرنے والے آذربائیجانی خود تھے۔ روسیوں نے ان ایرانیوں سے کام لیا جن کا تعلق روسی علاقے میں بسنے والے ایرانیوں سے تھا (مرتب)

3۔ یعنی اہل عراق کے ہاتھوں فارس کو فتح کرایا۔ کیونکہ ان کا تعلق ایران کے ساتھ تھا اور اہل شام کے ہاتھوں روم کو فتح کر دیا۔ کیونکہ شامیوں کا تعلق رومیوں کا ساتھ تھا۔ (مرتب)

4۔ چنانچہ ایرانیوں نے ہندوستان اور ترکستان فتح کئے اور رومیوں کے ہاتھوں حبشہ فتح ہوا کیونکہ ان کا آپس میں تعلق تھا۔ (مرتب)

لانے والے طبقے کو قوت دی ان کے دشمنوں پر اور وہ غالب آئے)

گویا بنی اسرائیل کے اندر کام کرنے والی جماعت کی کوشش سے اس قوم کے اندر انقلاب لایا گیا۔ اور یہ طبعی بات بھی ہے کیونکہ عرب اٹھ کر چینیوں میں انقلابی تحریک نہیں پھیلا سکتے۔ انقلاب لانے کے لئے ہر قوم میں وہی لوگ کام کرسکتے ہیں جو اس قوم کی زبان اور معاشرت میں شریک ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عربوں میں عربی بولنے والی جماعت کے ذریعہ سے انقلاب پھیلایا اور ایران میں فارسی بولنے والوں کے ذریعے سے۔ گو انقلاب کی ابتدائی تعلیم دینے والے عرب ہی تھے۔ اب ہندوستان میں بھی ہر ایک مسلم لسانی گروہ میں اسی طرح الگ الگ انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

(ج) لِيُدۡخِلَ اللّٰهُ فِي رَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ

(تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جسے چاہے)

اللہ کی رحمت میں داخل ہونے والی جماعتیں : قرآن حکیم کو ایسی ہی جماعت کی ضرورت تھی جو اپنا فکر چلانے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی ظاہری شکست کو جس کی مصلحت امام اور اس کا مشیر خاص یعنی صدیق اکبرؓ ہی سمجھتا تھا۔ قبول کر کے اس امام کی اطاعت پر قائم رہے۔ اسی قوت اطاعت نے انہیں آگے چل کر تمام دوسرے دینوں کے ماننے والوں پر غلبہ عطا کر دیا۔ اس قسم کا نظام اطاعت نہ یہودیوں میں موجود تھا نہ عیسائیوں میں۔ مجوسیت بھی اس سے خالی تھی اور دوسرے دین والے بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز تھے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ اس نے بنی اسماعیل کی اس چھوٹی سی جماعت کو اپنی رحمت میں شامل کر کے انہیں ایسی شاندار طاقت ضبط عطا کی۔

دوسری جماعت جسے اللہ نے اپنی رحمت میں جگہ دی مسلمانوں کی وہ خفیہ جماعتیں تھیں جو مکہ معظمہ میں موجود تھیں۔ اب صلح کے بعد انہیں اپنے اظہار کا موقعہ مل جائے گا۔

اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھانے والی تیسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اس صلح کے بعد مسلمانوں سے میل جول پیدا کریں گے اور ان سے اثر لے کر اسلام قبول کرلیں گے اور ان کے بعد وہ قومیں ہوں گی جو اسلام قبول کر کے قیامت تک قرآن کی خدمت کرتی رہیں گی۔

(د) لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا انہیں ہم ضرور دردناک عذاب دیتے)

لڑائی کیوں رکی؟ : اگر وہ کمزور ایک طرف ہو جاتے تو ہم ان کافروں کو سخت عذاب دیتے۔ اور انہیں خوب پڑواتے۔ لیکن اب وہ مظلوم بھی ان کافروں میں ملے جلے موجود ہیں۔ اگر لڑائی ہوتی تو وہ بھی پٹ جاتے۔ اس لئے لڑائی روک دی گئی۔

(26) (ا) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(جب کافروں نے جاہلی کد اپنے دل میں رکھی تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اطمینان اتار دیا)

جب لڑائی ٹلنے کا فیصلہ معلوم ہو گیا تو کافر جاہلیت کی حمیت میں ان سے شرطیں منوانے بیٹھ گئے۔ ممکن تھا کہ ان شرطوں کی سختی ہی کی وجہ سے لڑائی ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مومنوں پر دل کا اطمینان نازل کیا اور وہ بڑے سکون سے بیٹھے رہے۔ اور انہوں نے وہ سب شرطیں مان لیں اور جاہلیت کے ان حامیوں کو موقعہ نہ دیا کہ لڑائی چھیڑیں۔

(ب) وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى

(انہیں انصاف کی بات پر قائم رکھا)

ان مومنوں کا طریقہ یہ رہا کہ ابراہیمی دین کے احترام کے لئے انہوں نے سب کچھ قبول کر لیا۔ اگر لڑائی میں مومنوں کی طرف سے نفسانیت مقصود ہوتی تو جیسے کافر چڑا رہے تھے۔ یہ ضرور لڑ پڑتے لیکن یہ اپنی انصاف کی بات پر جمے رہے۔

(ج) وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا

(اور وہی انصاف کے زیادہ لائق اور قابل تھے)

یہ انصاف قائم کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ یہ انصاف کی خاطر لڑتے ہیں اور انصاف ہی کی خاطر (ضرورت پڑے تو دب کر بھی صلح کرتے ہیں۔ وہ جاہل جو ملت حنیفی کی شکل ہی شکل لئے بیٹھے ہیں اور مر رہے ہیں اقتدار پر، انصاف کیا قائم کریں گے؟

(د) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ○ (اللہ ہر ایک بات جانتا ہے)

اس نے جو لڑائی روکنے کا حکم دیا ہے تو بھی علم ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کونسی زیادہ اس قابل ہے کہ حق قائم کر سکے۔

قرآنی انقلاب کا نصب العین

(27) (ا) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْ يَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ
وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ

(اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب' تحقیق تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے' بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے)

نبی اکرم ﷺ کا خواب : اب واقعے کا مختصر بیان آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ہم مکے میں پہنچے ہیں۔ عمرہ ادا کیا ہے۔ کوئی بال منڈا رہا ہے۔ کوئی چھوٹے کرا رہا ہے۔ اور سب امن و امان سے وہاں بیٹھے ہیں۔ مہاجرین کی جماعت یہ خواب سن کر بے تاب ہو گئی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ وحی ہے۔ اس یقین کے ساتھ لوگوں نے مکہ جانے کی تیاری کر لی۔ آپؑ بھی تیار ہو کر عمرے کے لئے آگئے۔ مگر حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک دیا۔ اور آپ رک بھی گئے۔ اس پر لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوا کہ یہ کیا ہوا؟ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ہو گا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ پھر ہو گا اور ضرور ہو گا اس آیت میں اسی خواب کا ذکر ہے۔

اٰمِنِيْنَ امن و امان سے بغیر لڑے بھڑے داخل ہو جاؤ گے۔

لَا تَخَافُوْنَ تمہیں یہ خوف نہ ہو گا کہ تمہیں کوئی وہاں سے نکال دے۔

(ب) فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا (اسے معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے)

مکہ میں خفیہ مسلم سوسائٹیاں : اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے اگر تم لڑتے تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوتا۔ یعنی تمہاری اپنی پارٹی کے آدمی مارے جاتے۔ تمہیں ان کی خبر بھی نہ ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے والی خفیہ سوسائٹیاں مکہ میں موجود تھیں۔ انہی کے زور پر مکہ فتح ہوا۔ اگر اب لڑائی ہو جاتی تو وہ پس جاتے۔ ان کی نجات کا ذریعہ سوچ کر لڑائی ہونی چاہئے تھی۔ صلح کے بعد قریب قریب سب لوگ نکل آئیں گے۔ اور مدینے پہنچ جائیں گے یا اپنا کوئی اور انتظام کر لیں گے اس لڑائی میں اچانک نہیں پسیں گے۔ اگر وہ پس جاتے تو مسلمان اپنے ہاتھوں اپنی طاقت برباد کرنے والے ہوتے۔ یہ چیز اللہ جانتا ہے۔ عام مسلمان اس بات سے بے خبر تھے۔

(ج) فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

(پھر مقرر کر دی اس سے ورے ایک نزدیکی فتح

"نزدیکی فتح" سے خیبر کی فتح مراد ہے۔

(28) هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو سیدھی راہ اور سچا دین دے کر بھیجا کہ اس دین کو ہر ایک دین پر غالب کر دے اور اللہ حق ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے)

قرآن کا مقصد : جس طرح حدیبیہ' خیبر اور فتح مکہ کے واقعات ہیں ان کی جزئیات (Detaile) کو یاد رکھو اور ان کے مطابق تمام دنیا پر غلبہ حاصل کرو اس قسم کے ضبط اور ایثار والی جماعت ہی غلبہ حاصل کر سکتی ہے خداوند تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔

هُدٰى دین کی اصل روح اور حکمت۔

دِيْنِ الْحَقِّ سچا دین جو دائمی قانون پر مشتمل ہے۔ کیونکہ وہ انسانیت کے اصلی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ اس دین (قرآن) کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنا ضروری ہے اور اسے ہمیشہ غالب رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غالب آیا پھر قیامت سے پہلے غالب آجائے گا اور غلبے سے محض علمی غلبہ بھی مراد نہیں ہے' بلکہ سیاسی غلبہ بھی اس میں شامل ہے یعنی قرآنی قانون' قانون کی حیثیت سے

بھی ہمیشہ غالب اور نافذ رہے اور علمی لحاظ سے بھی ہر ایک دین پر فوقیت حاصل رہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا خیال رکھیں اگر مسلمان اس صورت کو اپنی سیاست کی بنیاد بنالیں تو یہ ساری دنیا میں کام کرنے کے لئے کافی ہے۔

امام ولی اللہ کے خیالات : اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :

"دین حق خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں باقی تمام دینوں پر کلی طور پر غالب نہیں آیا۔ کیونکہ ابھی نصاریٰ اور مجوس اپنے طمطراق کے ساتھ قائم تھے۔ اس لئے عام مفسرین اس آیت کی تفسیر سے عاجز رہے۔ چنانچہ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت ہوگا۔ حسن بن فضل کا قول ہے کہ واضح دلائل سے غالب کرنا مراد ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے ان سب لوگوں سے زیادہ مضبوط بات پیش فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :

"خدا نے اپنے رسول کو تمام دینوں پر غلبہ دیا جس نے سنا اسے یقین ہوگیا کہ یہ دین سچا ہے۔ اور اس کے خلاف جو کوئی بھی ہے وہ باطل پر ہے۔ دنیا میں شرک کا مجمع دو ہی دینوں میں ہے اہل کتاب کے دین میں اور امیوں کے دین میں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے امیوں پر غلبہ پالیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے تابع ہو گئے اور بعض اہل کتاب نے مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اور ان پر اس دین کا قانون نافذ ہو گیا۔ تمام دینوں پر اس دین کے غلبے کے یہی معنی ہیں"۔

فقیر عرض پرداز ہے کہ[1] ------- ان سب صحیح احادیث کا لب لباب یہ نکلا کہ دین کا کامل غلبہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہوگا۔۔ مختصر یہ کہ اس زمانے میں زمین کی حکومت دو بادشاہوں کے درمیان بٹی ہوئی تھی جو بہت شان و شوکت والے تھے۔

---

[1] یہاں حضرت امام نے بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن کی مدد سے آپ اظہار دین (غلبہ دین) کے معنی معین کرنا چاہتے ہیں ہم نے بات مختصر کرنے کی غرض سے وہ حدیثیں چھوڑ دی ہیں۔ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ (مرتب)

(1) کسریٰ ایران

(2) قیصر روم

ان دونوں بادشاہوں کے دین دوسرے دینوں پر غالب تھے اور ان دونوں دینوں کا اباحت[1] کی طرف میلان تھا اور عقیدہ ارجاء[2] دونوں پر غالب تھا۔ خود کسریٰ اور قیصر بھی ان دینوں کے حامی تھے اور ان کے امراء اس قاعدے کے مطابق کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اپنی باتوں اور اپنے کاموں میں انہی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ قیصر کے اتباع میں روم' روس' جرمنی' افریقہ' شام' مصر یعنی مغربی ممالک اور حبشہ نصرانیت کے پیرو تھے۔ اور خراسان' توران' ترکستان' زاولستان اور باختر وغیرہ کسریٰ کے اتباع میں مجوس تھے اور یہودیت' مشرکوں کا دین' ہندوؤں کا دھرم اور صابیوں کا مذہب ان دونوں بادشاہوں کے دبدبے کے نیچے تھے اور کمزور ہو کر ان کے مطیع ہو چکے تھے۔ پس ظہور دین اسلام اور کافروں اور قانون شکنوں کو برباد کرنے کے داعیے نے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں کو برباد کرنے کی شکل اختیار کی۔ کیونکہ جب یہ دونوں حکومتیں برباد ہو جائیں گی سب سے بڑے اور سب سے مشہور دین شکست کھا جائیں گے"۔ (ازالۃ الخفا مقصد اول ص 43)

اس کے بعد ہر زمانے میں اس قانون کو غالب رکھنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

(29) (ا) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھی)

نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی حیثیت : اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی تحریک ہے۔ اکیلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کام نہیں ہے۔ وہ مزمل۔ رفقاء کار جمع کرنے والے ــــــ ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔ان کی نبوت کی حیثیت جداگانہ' مستقل حیثیت ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں اور نہ ان کا کوئی مشیر ہے) قرآن حکیم میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی اس اجتماعی حیثیت کی طرف جابجا اشارے موجود ہیں۔ مثلاً"

(1) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (آل عمران 3 : 195)

(جن لوگوں کو گھر بار سے ہجرت کرنی پڑی اور جن کو اپنے وطن سے نکالا گیا)

---

[1] کھانے پینے اور نکاح کے معاملے میں کسی قاعدے کی پابندی نہ کرنا اور ہر چیز کو جائز سمجھنا (مرتب)

[2] یہ عقیدہ کہ جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا۔ (مرتب)

ظاہر ہے کہ وہ تنہا حضرت نبی اکرم ﷺ نہیں تھے بلکہ آپ اور آپ کے ساتھی سب مراد ہیں۔

(2) يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ! حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(سورہ انفال 8 : 64) (اے نبی! اللہ تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کے لئے کافی ہے)

اس میں بھی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ملا کر ایک جماعت ظاہر کیا گیا ہے۔

(3) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

(یعنی پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین سب پر اطمینان قلب نازل فرمایا (توبہ 26:9)

(6) لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(توبہ 9:88)

(یعنی رسول اور وہ لوگ جو اس کے شریک ایمان ہیں۔ اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں جملہ بھلائیاں ان سب کے لئے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں)

یہاں بھی صحابہ کرام کو رسول کا شریک ایمان یا رفیق فکر اور جہاد میں شریک یعنی رفیق عمل ظاہر کرکے کامیابی کے نمونے کے لئے ساری جماعت کو پیش کیا گیا۔

یہی وہ چیز ہے جسے حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے بھی ،مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ (جس اصول کار پر میں اور میرے ساتھی ہیں) کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مشورہ کرنا آنحضرت ﷺ کے لئے ضروری تھا : آپ کی یہی اجتماعی حیثیت ہے جو مشورہ کرنے کے حکم کو قبول کر سکتی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں آیا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران 3
(159:

(ان سے معاملات ملی میں مشورہ (ضرور) لیا کرو۔ اور جب پختہ ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو)

امام ابوبکر جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت نبی اکرم ﷺ پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا لازم تھا۔ دینی امور میں بھی اور ان امور میں بھی جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح حکم موجود نہ تھا۔ اور دنیاوی امور میں بھی۔۔۔۔ یہ غلط ہے کہ یہ مشاورت محض ان کا جی خوش کرنے اور ان کی قدر بڑھانے کے لئے تھی اور اس لئے بھی کہ آپ کی امت اسی طرح کرے۔ کیونکہ جب کسی کو معلوم ہو کہ مجھ سے جس امر کے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے اور جس بارے میں صحیح رائے پوچھی جا رہی ہے اس کے متعلق میں نے ایک مشورہ اپنی پوری کوشش سے پیدا بھی کر لیا۔ یا سوچ بچار کر کے کوئی صحیح رائے قائم کر لی تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے گا اور نہ اسے قبول کیا جائے گا۔ تو بھلا اس مشاورت سے اس کا جی کیا خوش ہو سکتا ہے اور اس کی قدر کیا بڑھ سکتی ہے؟ بلکہ اس کا اثر الٹا یہ ہو گا کہ ایسے مشورہ لینے والے سے وحشت بڑھے گی۔ کیونکہ اسے علم ہو گا کہ میری رائے نہ کسی کو سننی ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

(نبی ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سے ان معاملات میں مشورہ کرتے جن میں کوئی صریح حکم موجود نہ تھا البتہ صریح احکام کے بارے میں مشورہ ناجائز تھا۔ مثلاً" یہ پوچھنا کہ نماز ظہر یا عصر کے بارے میں یا زکوۃ یا روزے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بالکل غیر ضروری تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشورے کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ فلاں بات میں مشورہ کرو اور فلاں میں نہ کرو اس لئے لازم تھا کہ ہر دو معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیتے"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"عزیمت (پختہ ارادہ) کا ذکر مشاورت کے بعد آیا[1] ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو"۔ (احکام القرآن جلد دوم ص 41 طبع بیروت

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کے مطابق آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ (مُشَاوَرَتُ اَھْلِ الرَّائِ ثُمَّ اِتِّبَاعُھُمْ) یعنی جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں۔ ان سے رائے لے کر ان کی رائے کی پیروی کرنے کا نام عزم ہے۔

مشاورت کی اہمیت : لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس بلند اجتماعی تصور کو آپؐ کی انفرادیت میں گم کر دیا۔

مشاورت کا مسئلہ اسلام میں بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن اسلامی حکومتوں کو مشورے سے خالی کر کے مطلق العنان' جاہل حکمرانوں اور امیروں کا کھیل بنا دیا گیا۔ وہ مسلمانوں کی امانت (سرکاری خزانے) سے اپنی شہوت پرستیوں پر روپیہ صرف کرتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی مصلحت کے مقابلے میں خیانتیں کرتے ہیں اور ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں[2]۔ اس قسم کی غلطیوں کا خمیازہ مسلمانوں کو صرف اس غلط تفسیر کی وجہ سے بھگتنا پڑا۔ ورنہ ہر ایک مسلمان ایک حاکم کے اوپر ننگی تلوار ہے۔ وہ حاکم کیوں قانون الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا؟ اگر وہ اطاعت نہیں کرتا تو کس بنا پر ہم سے اطاعت کا طلبگار ہوتا ہے؟ یہ طاقت مسلمانوں میں پھر سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ان کی جماعتی زندگی آسانی کے ساتھ قرآن کے مطابق بن سکتی ہے۔

1۔ الفاظ کی ترتیب یوں ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ظاہر ہے کہ اس میں شَاوِرْھُمْ (ان سے مشورہ لیا کر) پہلے واقع ہوا ہے اور فَاِذَا عَزَمْتَ (جب تو پختہ ارادہ کرے) بعد میں آیا ہے۔ (مرتب) 2۔ تازہ ترین مثال حکومت ایران کی ہے۔ کہ 942ھ میں اتحادیوں نے روپے کے بل بوتے پر چند گھنٹوں میں سارے ایران پر قبضہ کر لیا۔ (مرتب)

1942-942ء

حقیقت یہ ہے کہ شوریٰ کو مستحب[1] بنا کر اسے سیاست اسلامی سے نکال ڈالنے والے لوگوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

صحابی سے کون مراد ہیں؟ : ایسے ہی صحابی کی وہ تعریف عوام میں مشہور ہو گئی ہے جس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ صحابی کی یہ تعریف کہ اس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو حدیث کی روایتیں جمع کرنے کی خاطر بنائی گئی ہے ورنہ اصل میں سیرت نبوی کے اعتبار سے صحابی وہ ہے جس نے آپ کی معیت لازم پکڑی اور آپ کے ساتھ آخر تک انقلاب میں شریک رہا۔ تکلیفیں اٹھائیں اور اس تحریک کی صداقت کے متعلق پورے یقین کے ساتھ یہ اطمینان کر لیا کہ انسانیت کے لئے اس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں ہے[2]۔ یہی وجہ وہ لوگ ہیں جن کی تعریف قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال (74:8)

(یعنی جو لوگ ایمان لائے جنھوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے)

---

[1] مستحب وہ امر ہے کہ اس پر عمل کریں تو اچھا ہے اور نہ کریں تو کوئی ہرج بھی نہیں۔ (مرتب)

[2] چنانچہ محدث مازری شرح برہان میں رقمطراز ہیں کہ:
لسنا نعنی بقولنا "الصحابہ عدول" کل من راٰہ صلعم یوما ما' اوزراہ لما ما' اواجتمع بہ لغرض وانصرف مکث انما فعنی بہ الذین لا زموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ہم المفلحون) منقول از اسوہ صحابہ از مولانا محمد سعید انصاری جلد اول ص 11 بحوالہ "فتح المغیث" ص 377) یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ الصحابۃ عدول (صحابی سب عادل ہیں) تو اس سے ہماری مراد ہر وہ شخص نہیں جس نے آنحضرت ﷺ کو کسی روز دیکھ لیا یا کبھی زیارت کر گیا۔ یا کسی کام سے آیا اور فوراً واپس لوٹ گیا۔ بلکہ ہماری مراد ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے آپ کی معیت لازم پکڑی جہاد میں آپ کی مدد کی۔ آپ کی حمایت میں آپ کے دشمنوں سے لڑے۔ اور اس نور کی پیروی کی جو آپ پر نازل ہوا۔ یہ لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں کامیاب ہوئے۔ (مرتب)

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی جنہوں نے آپؐ کی سیرت (حالات زندگی) کے بنانے میں حصہ لیا چند صفتیں ہیں۔

(1) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (کافروں پر سخت)

نبی ﷺ کے ساتھی اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہیں : ان کی سختی کے دو پہلو ہیں: یہ لوگ مخالفوں سے لڑنے میں بڑے سخت ہیں۔ کہ موت قبول کرکے لڑنے کے لئے جاتے ہیں۔

(2) جو لوگ اس تحریک کے کھلم کھلا دشمن (کافر) ہیں۔ یہ لوگ ان کافروں کو انتہائی سزا دینے کے طرفدار ہیں۔ قتل کی ضرورت ہو تو قتل کردیے جائیں[1] ورنہ جو اس سے کم سزا ضروری ہو وہ دی جائے۔

قتل ہمیشہ اسی وقت کیا جائے گا جب انہوں نے قتل کیا ہو یا وہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے ہوں۔ ورنہ ان کی انتہائی سزا یہ ہے کہ ان کی سیاسی تحریک روک دی جائے اور انہیں سیاست میں حصہ نہ لینے دیا جائے ان کی عقلمندی سے جو ارتقائی اور تمدنی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان سے جماعت کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے۔

(2) رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحمدل)

وہ "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" بھی ہیں : جو لوگ اس تحریک کی تائید میں ان کے ساتھی ہیں ان کے لئے ان کے پاس سوائے رحمت کے اور کچھ نہیں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد پر رحمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رحمت سے پیش آتے ہیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے بھی رحمت کے دروازے کھولتے ہیں جس شخص کے متعلق امکان نظر آتا ہے کہ وہ اس تحریک کی تائید کرے گا۔ اسے مخالف بننے کا موقعہ نہیں دیتے۔

ان کے جو ساتھی مظلوم اور ضعیف ہیں۔ اگرچہ یہ انہیں پہچانتے بھی نہیں۔ مگر ان پر رحم کرنے کے لئے اپنی تمام عزت قربان کردیتے ہیں۔ جیسے انہوں نے حدیبیہ کی صلح میں کیا۔ یا حضرت فاروق اعظم نے عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے سے اس بناء پر انکار

---

[1] جنگ بدر میں جو کافر قیدی گرفتار ہو کر آئے حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق تجویز کیا کہ ہر ایک مسلمان ان میں سے اپنے اپنے عزیزوں کو قتل کردے۔ (مرتب)

کر دیا تھا کہ ان اراضی کا فائدہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ملنا چاہئے۔ (ازالۃ الخفا: امام ولی اللہ دہلوی مقصد دوم ص 127)

فائدہ : یہ ایک طبعی چیز ہے کہ اگر کسی جماعت میں مخالف جماعت کے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا کر دیئے جائیں تو خود اس جماعت کے اندر محبت و رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو جماعت قرآن حکیم کو تمام دینوں پر غالب کرنے کے لئے اٹھے۔ اسے اپنے اندر انتہا درجے کی محبت و رحمت پیدا کرنی چاہئے۔ اور اس آپ کی محبت کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرنے چاہئیں۔ یعنی آپس میں کامل تعاون اور ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت۔

(3) تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تو دیکھتا ہے' انہیں رکوع میں اور سجدے میں)

خدا پرست لوگوں کی اصطلاح میں رکوع اور سجدہ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا مظاہرہ ہے۔

رکوع کیا ہے : رکوع کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ ذمہ داری کا جو بوجھ اللہ نے ہم پر ڈالا ہے ہم اسے برداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جو دل و دماغ دیتا ہے اسی نسبت سے اس پر فرض عائد کرتا ہے یہ فرض اس پر ایک بوجھ ہے جسے وہ رکوع کی شکل میں اٹھاتا ہے۔ گویا وہ اقرار کرتا ہے کہ میری جو ڈیوٹی مقرر کی گئی ہے میں اسے خوشی کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اور اس پر اسی طرح کاربند رہوں گا۔ جیسے ایک حیوان ایک انسان کے آگے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

سجدہ کیا ہے؟ : سجدہ یہ ہے کہ میں کامل اطاعت کا اعلان کرتا ہوں۔ پہلا سجدہ کر کے اعتراف کرتا ہوں کہ میری جان تیری راہ میں حاضر ہے۔ دوسرے سجدے کے ذریعے اس امر کا اعتراف مقصود ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق میری جان کے ساتھ ہے۔ مال و اولاد۔۔۔ سب کچھ تیری راہ میں قربان کرتا ہوں۔ یہ تکمیلی درجہ ہے۔ اور إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ[1] (التوبہ 9 : 111) کی عملی تفسیر ہے۔

جو انسان اپنے فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہا۔ وہ انسانیت سے گر گیا۔ اگر اس

---

[1] بیشک اللہ نے مومنوں کے جان و مال مول لے لئے ہیں۔

نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا تو وہ تعریف کے قابل ہے۔ یہ رکوع کی تکمیل ہے لیکن ایک شخص اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے فرض سے بھی زیادہ کام کرتا ہے وہ جان و مال اور سب کچھ مکمل طور پر اس انقلاب میں جھونک دیتا ہے۔ یہ سجدہ ہے۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تو انھیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی ساتھی اپنے کام میں غرق ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے بغیر دم نہیں لیں گے۔ اور اسے انتہا تک پورا کریں گے وہ اس کی تکمیل پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

اسی آمادگی اور عمل کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (5 : 3)

(میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)

بقول امام ولی اللہ دہلویؒ اتمام نعمت سے مراد بین الاقوامی حکومت دینا ہے۔ یہ درخت قیامت تک پھل لاتا رہے گا۔

(ج) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ (وہ اللہ سے فضل مانگتے ہیں)

فضل کیا ہے : اگر وہ محض فرض ادا کرتے تو وہ اپنا حق پورا پاتے۔ مگر وہ زیادہ ترقی چاہتے ہیں۔ اس لئے تکمیلی کام بھی کرتے ہیں۔ وہ اس فضل کی وجہ سے قوموں کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھ جائیں گے کہ وہ سب کے امام مان لئے جائیں گے اس لئے انھیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان 25:74)

(بال بچے ایسے ہوں کہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یعنی اپنے گھر میں جو پروگرام چلانا چاہتے ہیں۔ وہ انھیں پورا ہوتا نظر آئے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ خدا سے ڈر کر انصاف کرنے والے متقیوں کے امام بنیں)

(د) وَرِضْوَانًا (اور اللہ کی رضا)

رضوان سے کیا مراد ہے؟ : اللہ کی رضا اس کی تجلی میں محویت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے انسان کے کمالات کے دو حصے کر دیئے ہیں:

(1) ارتفاق یعنی دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ۔

(2) اقتراب یعنی قرب الٰہی میں ترقی کرنا یا دوسرے لفظوں میں حظیرۃ القدس میں مقام حاصل کرنا۔

رضوان کا تعلق اقتراب سے ہے۔

اس جملہ کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے قلب میں ایک آئینہ ہے۔ جس میں اللہ کی تجلی کا عکس آتا ہے۔ اس آئینے کو جتنا زیادہ صاف کیا جائے اتنا ہی یہ عکس زیادہ روشن اور صاف آئے گا اس تجلی کا جو نزول انسان کے قلب میں ہوتا ہے اسے قرب الٰہی (اقتراب) سمجھنا چاہیئے۔ اور تجلی کا نازل ہونا ہی اللہ کی خوشنودی (رضوان) کی علامت ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتا ہوا ملاء اعلیٰ کے ساتھ تعلق قائم کر لیتا ہے۔ اور وہ اللہ کی شانوں کا ہر وقت احساس کرتا رہتا ہے اور جامد نہیں ہو جاتا۔ صالح انقلابی ذہنیت کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے ایسا انقلابی مرنے کے بعد حظیرۃ القدس میں جگہ پاتا ہے۔

اللہ کا فضل انسان کی ارتفاقی زندگی کا انتہائی درجہ ہے۔

اللہ کا رضوان انسان کی اقترابی زندگی یعنی اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا آخری درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی جماعت کی خوبی : مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی) سے جو جماعت پیدا ہوئی ہے اس کی زندگی ارتفاق اور اقتراب دونوں کے لحاظ سے نمونے کی زندگی ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی حکومت بھی پیدا کی اور قرب الٰہی کے بھی اونچے سے اونچے درجوں تک پہنچے۔ ان کا یہ کارنامہ قیامت تک کے انقلابیوں کے لئے اعلیٰ درجے کا نمونہ ثابت ہوگا۔ بیچ میں اس نمونے پر اور نمونے ڈھلتے رہیں گے۔ لیکن اصل نمونہ یہی ہوگا۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نمونے کے اس اولین دور کو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم مانتے ہیں[1] اور اس دور کی تاریخ

---

[1] ازالۃ الخفاء، مقصد اول ص 121۔(مرتب)

کے جس اعلیٰ پائے کے وہ شرح کرنے والے ہیں اس سے بہتر کوئی دوسرا عالم نہیں مل سکتا۔
اس سے پہلی آیت میں بتلایا گیا تھا کہ قرآن کا قانون بین الاقوامی درجے پر غالب رہنا چاہئے۔ یہ جماعت اپنے فیصلے سے اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہے۔ یَبْتَغُوْنَ (چاہتے ہیں) سے یہی مراد ہے کہ اپنی مرضی اور فیصلے سے "چاہتے ہیں"۔

(ہ) سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

(ان کی نشانی ان کے مونہوں پر ہے سجدے کے اثر سے)

سجدے کی روح ——— قربانی ——— ان کے اندر داخل ہو چکی ہے اور اس سے وہ اس قدر نڈر ہو چکے ہیں کہ ان کے چہرے سے ایک نور ابلتا ہے وہ ہر ایک مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ انہیں راہ حق سے کوئی مصیبت ہٹا نہیں سکتی۔

(و) ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

(ان کی یہ تمثیل تورات میں (پہلے ہی) بیان کردی گئی ہے)

تورات اور انجیل میں اس جماعت کا ذکر : تورات میں اس کا اشارہ مجمل ہے۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ میں بنی اسماعیل کو اتنا ہی بڑھاؤں گا جتنا بنی اسحاق کو۔ میں انہیں ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

(ز) وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

(اور انجیل میں ان کی تمثیل جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا' پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر وہ موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو)

اس سلسلے میں انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات لائق توجہ ہیں:

انجیل مرقس باب 4 آیات 3-9 میں ہے کہ:

"سنو' دیکھو' ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آکر اسے چگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی' اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا۔ اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبالیا۔ اور وہ پھل نہ لایا۔ اور کچھ اچھی

زمین پر گرا وہ اگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا کوئی سو گنا پھل لایا"۔

پھل لانے کی مزید کیفیت آگے چل کر آیات 26-27-28 میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

اور اس نے کہا: خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے' اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے' اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے' زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی' پھر بالیں' بعد اس کے بالوں میں تیار دانے"۔

(ح) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ ان سے کافروں کا جی جلائے)

خدا نے قوموں کو رسولوں کے ذریعے سے اپنی کتابیں اور ہدایتیں دیں۔ وہ لوگ اس دین کی عزت کرتے اور اپنی کتاب پر عمل کرتے تو ان کی عزت قائم رہتی اور ان پر کوئی دوسرا حاکم نہ ہو سکتا مگر انہوں نے ان کتابوں کی عزت نہ کی اور اپنے دین کا احترام قائم نہ رکھا۔ بلکہ اس کی عملاً" مخالفت کی یہ کفار ہیں۔

اب ایک دیندار جماعت پیدا ہوتی ہے جو ان پر غالب آجاتی ہے۔ کفار اپنے آپ کو بھی دیندار سمجھتے ہیں انہیں غصہ آتا ہے یہ لوگ ہمارے دین پر غالب کیوں آگئے؟ لیکن حکمت الہی کا تقاضا ہے کہ یہ باعمل جماعت جو مرنے پر آمادہ ہے۔ ان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے والوں یا نیم دلی سے اپنے دین کو ماننے والوں پر غالب آجائے۔

ان نام نہاد "دیندار" قوموں کو مغلوب کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ یہ انقلاب قیامت تک جاری رہے گا۔

کیا مہاجرین کی پہلی جماعت کے ذریعے ہندوستان' ترکستان اور سوڈان فتح ہو سکتے تھے؟ پس قرآنی تحریک کی ترقی ایسی ہے جیسے کھیتی کا نشوونما پانا۔ یہ جھومنتر کا کام نہیں ہے۔ ارتقائی کام ہے۔ یہ طبعی چیز ہے ہو کر رہے گی۔ مگر بعض لوگ جن کی نظر قرآن پر گہری نہیں ہے طبعی رفتار کو دین سے الگ کرتے ہیں لیکن ہم امام ولی اللہ کے واسطے سے نیچر اور دین کو ایک ہی چیز مانتے ہیں۔ یہ تحریک اس کی مثال ہے یعنی جس طرح بیج بونے کے بعد کھیتی طبعی رفتار سے ترقی کرتی ہے۔ ایسے ہی یہ قرآنی تحریک طبعی طور پر ترقی کرے گی۔

اور تمام دنیا پر چھا جائے گی۔

یہاں تک حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان کی کامیابی کے کفیل بنے۔ اب ایک کُلیّے کے طور پر جامع اصول بیان کیا جاتا ہے۔

(ط) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں معافی ملے گی اور بڑا اجر ملے گا)

یہ نمونے کی جماعت ہے : اس انٹرنیشنل تحریک کو چلانے والی جتنی جماعتیں ہیں۔ (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) ان سب سے وعدہ ہے کہ ان کی غلطیاں معاف کر دی جائیں گی۔ بشرطیکہ وہ اس پروگرام پر چلتی رہیں وہ اس تحریک سے بڑے بڑے فائدے حاصل کریں گے اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی۔

رسول اللہ کی جماعتی کامیابی جو نمونے کے طور پر قرآن کی عملی زندگی پیش کرتی ہے۔ وہ اس آخری آیت میں ضبط کر دی گئی ہے اس نمونے پر قیامت تک عمل کرنا ہوگا۔ اب قرآن شریف کو کسی اور نمونے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ انسانیت کو کسی اور کتاب الٰہی کی حاجت ہوگی۔ تمام مسلمانوں پر ایسی جماعت کا قائم رکھنا فرض ہے۔

سورۂ فتح کا خلاصہ
اور
سورۂ حجرات کے ساتھ ربط

سورۂ فتح کا خلاصہ : سورۂ فتح میں قرآن حکیم کے عظیم الشان نصب العین کا اعلان کیا گیا ہے۔ جس کا منشائیہ ہے کہ قرآن حکیم کا قانون تمام دوسرے قانونوں پر غالب رہنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ نصب العین قرآن حکیم کے بین الاقوامی غلبے کے بغیر حاصل نہیں

ہو سکتا۔ اس لئے اس صورت میں آنے والی بین الاقوامی جنگوں کی طرف بھی صاف الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قومی انقلاب کی تکمیل کے بغیر کوئی بین الاقوامی انقلاب سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اور قومی اور بین الاقوامی انقلابوں کے لئے نہایت اعلیٰ درجے کے ضبط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سورت میں اس قسم کے ضبط کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کی انقلابی جماعت میں شامل ہو کر اس کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے اسے سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے یہاں تک کہ آخری حالت میں موت کی سزا بھی مل سکتی ہے۔ پھر اس قانون کے ماننے والوں کی حالت بھی یہ بیان کر دی ہے کہ وہ ان لوگوں پر بڑی سے بڑی سختی کرنے کو تیار ہیں جو اس قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے علانیہ میدان جنگ میں اتر آئیں۔

اس قسم کی نئی جماعت جب فاتح ہو کر پرانے رجعت پسندی کے دور کو ختم کر دینا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں نئی تہذیب کی بنیاد رکھے۔ وہ نئی تہذیب اس نئے نظام کی پوری طرح مناسب ہوتی ہے۔ جب سوسائٹی اس نئی تہذیب میں پرورش پانے کی عادی ہو جاتی ہے تو اسے نئے نظام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر فقط حکومت میں تبدیلی پیدا کی جائے اور تہذیب پہلی ہی قائم رکھی جائے تو چند دنوں کے بعد ویسی ہی رجعت پسند جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے انقلابی جماعت رجعت پسندی کا دور ختم کرنے کے لئے عموماً" نیا مرکزی شہر بساتی ہے جس میں نئی تہذیب منظم کی جاتی ہے۔

اسلام کی سیاسی قوت فتح مکہ کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور مکہ حجاز کا پرانا مرکز تھا۔ نئی تہذیب کے لئے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے واسطے مدینہ طیبہ میں رہنا آسان کر دیا۔ مدینہ منورہ کی حالت شروع میں شہر کی نہ تھی۔ وہ چند بستیوں کا مجموعہ تھا۔ جن میں نصاریٰ و یہود کے قبیلے بستے تھے۔ انہی میں بنی نجار کی بستی تھی۔ جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے مسجد بنائی۔ اور اس مسجد اور بستی کو نئی تہذیب کا منبع بنایا۔

سورہ حجرات کے ساتھ ربط : اس نئی سوسائٹی کی تہذیب جن قاعدوں پر چلے گی ان کا ذکر سورۂ حجرات میں آتا ہے۔

(بقیہ تفسیر سورۃ منافقون)

منافقین کی ظاہری حالت

اگر ان کی صورتیں دیکھو تو بھلے آدمیوں کی سی نظر آئیں گی۔

ولان یقولوا تسمع لقولھم

اگر وہ باتیں کریں تو سننے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے۔ تقریر خوب کرسکتے ہیں اور ایسی لچھے دار باتیں کرتے ہیں کہ سننے والا چاہے کہ سنتا ہی رہے۔

منافقین کی حقیقت

لیکن حقیقت میں خشک لکڑیاں ہیں جنہیں گویا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے سر سبز نہیں ہیں کہ آپ ہی کھڑی رہیں وہ گویا لکڑی کی خوبصورت پتیاں ہیں جن میں عمل کی طاقت نہیں ہے۔

یحسبون کل صیحۃ علیھم

بلند آواز سے زور سے بات کی جائے' تو اسے برداشت نہیں کرسکتے۔ اسے اپنے لئے مضر سمجھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ آہستہ بات کی جائے آہستہ اس لئے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان سن کر عمل نہ کرنے لگ جائے جس سے انقلابی پارٹی پیدا ہوتی ہے اس لئے وہ آپس ہی میں سرگوشیاں ہی کرتے رہتے ہیں اس تحریک کو عدو میں لانا مضر سمجھتے ہیں۔

ھم العدوا

تحریک کے اصل دشمن یہی ہیں۔ اس لئے کہ یہ تحریک کی عام دعوت کو روکتے ہیں۔

فاحذرھم

ان سے ہمیشہ بچتے رہو اور تحریک کے مرکز کے قریب نہ آنے دو۔

قاتلھم اللہ

منافقین کو قتل نہ کیا جائے

اللہ انہیں ہلاک کرے گا کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ یہ خود بخود مرجائیں گے اس قسم کے لوگوں کی عمداً ہلاک کرنے سے فساد پیدا ہو سکتا ہے اور خدا ہی انہیں سمیٹ لے تو اچھا رہتا ہے۔

انی یوفکون

کیسے پھرے جاتے! انہیں سمجھایا جائے تو بات سمجھ جاتے ہیں مگر پھرا بھی پھر جانے کا ڈھنگ نکال لیتے ہیں اعتراض بھی نہیں کرسکتے مگر کام بھی نہیں کرتے یہ بھی ثابت نہیں ہونے دیتے کہ یہ دین سے پھر گئے ہیں یہ ان کی عقلمندی ہے کہ پھرے ہوئے ہونے کے باوجود پھرا ہوا ہونا ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

(5) واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللّٰہ لود رؤسھم ورایتھم یصدون وھم مستکبرون○

ترجمہ : اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لئے بخشش طلب کرے تو یہ لوگ اپنے سروں کو پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ متکبرانہ انداز کے ساتھ بے رخی برتتے ہیں۔

ان کی غلطیاں معمولی نہیں ویسی نہیں جیسی ایک سلیم الفطرت انسان سے کبھی کبھار ہو جاتی ہیں اس قسم کے انسان کو اس کی غلطی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اسے تسلیم کرلیتا ہے مگر انہیں متوجہ کیا جاتا ہے تو یہ غلطی کے ماننے کو تیار نہیں ہوتے ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سے اتفاق سے غلطی ہو گئی آؤ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جاکر اقرار کرلو وہ اللہ سے تمہارے لئے دعا کریں گے۔

لو ودؤسھم

وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتے اور سر پھیر لیتے ہیں۔

یصدون وھم مستکبرون○

وہ کہتے ہیں کہ ہم کیسے اعتراف قصور کریں وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس طرح ان کی توہین ہوتی ہے چنانچہ ایک دوسرے کو روکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر اعتراف نہ کریں۔

(6) سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لکم لن یغفر اللّٰہ لھم ان اللّٰہ لا

یھدی القوم الفسقین○

ترجمہ: اے پیغمبر ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

منافقت روکنے کی انسانی تدبیر

رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی میں احکام الہی کی نافرمانی کا مرض عام طور پر نہ پھیلے اس لئے ان خطا کاروں سے کہا جاتا ہے کہ تم سے غلطی بھولے سے ہوتی ہے آؤ ہم تمہارے لئے مغفرت طلب کریں مگر خدا تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تمہاری یہ شفقت ان منافقین کے لئے مفید نہیں ہوگی تمہارا ان کے لئے مغفرت طلب کرنا یا نہ کرنا برابر ہے اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

ان اللہ لا یھدی القوم الفسقین○

اس قسم کے قصداً بدکاری کرنے والے لوگوں کو جو قانون شکنی کو عادت بنالیں ہدایت کا کوئی سامان نہیں دیا جاتا انقلابی جماعت میں اس قسم کے منافقین کو راہ نہیں دی جاتی۔ ایسے لوگ ہوتے ہوئے رجعت پسند جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(7) ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا وللہ خزائن السموات والارض ولکن المنفقین لا یفقھون

ترجمہ: یہ لوگ وہی تو ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس رہے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ وہ خود بخود منتشر ہو جائیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانوں کے اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن یہ منافق اس کی بات ہی نہیں سمجھتے۔

منافقین کا طریق کار

منافقین کے افعال بتدریج انقلابی تحریک کی مخالفت پر ختم ہوتے ہیں وہ انقلابی تحریک کی دو طرح مخالفت کرتے ہیں۔

انقلاب کی مالی امداد سے دست کشی

لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا

وہ اس انقلابی تحریک کی مالی' امداد بند کر کے اسے برباد کر دینا چاہتے ہیں وہ سازش کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور کام کرتے ہیں انہیں خرچ مت دیا کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں گے۔

واللہ خزائن السموات والارض ولکن المنفقین لا یفقھون○

حقیقت یہ ہے کہ ان منافقین کی شرارتوں سے انقلابی کارکن یعنی مسلمان بھاگیں گے نہیں اور نہ دل تنگ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اور خزانے سے عطا فرما دے گا صرف ان منافقین کے پاس ہی دولت نہیں ہے۔ اگر یہ اپنی امداد بند کر دیں گے تو اللہ کسی اور کے دل میں ڈال دے گا وہ ان کارکنوں کو کھانے دے گا زمین' آسمان کے سب خزانے اللہ کے ہیں خدا جانے کس خزانے سے انہیں رزق پہنچ جائے گا رزق نہ پہنچنے کی وجہ سے تو وہ منتشر نہیں ہوں گے۔

(8) یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل و للہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنفقین لا یعلمون

ترجمہ : نیز یہ منافق یوں کہتے ہیں اگر اب کے ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والا وہاں سے ذلت کے والے کو نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہے لیکن یہ منافق اس بات کو نہیں جانتے۔

انقلابیوں کے اخراج کی سازش

ان کی دوسری کوشش یہ ہے کہ انہیں اس سرزمین سے ہی نکال دیں جو اب انقلاب کا مرکز بن گئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے کی طرف واپس گئے (یہ واقعہ سفر میں پیش آیا) تو "عزت والے لوگ" ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔

منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے آپ کو عزت والا سمجھتا ہے اور

رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) "ذلیل" قرار دیتا ہے ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حقیقی عزت تو اللہ، رسول اور مومنین کے لئے ہے مومنین کو عزت کہاں سے نصیب ہوگی؟ اس کا ان منافقین کو علم ہی نہیں جب رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کے بیٹے کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے کہا ہے "عزت والا" ذلیل کو مدینے سے نکال دے گا وہ اس قول کا مطلب سمجھتا ہے اس نے مدینے میں اپنے باپ سے کہا ابا! اپنے آپ کو ذلیل کہہ ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا اللہ کی قدرت دیکھو عبداللہ بن ابی کو یہ لفظ کہنے ہی پڑے۔

اسی طرح احکام الٰہی کی تکمیل سے جان چرانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جان چرانے والا شخص اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ خود عمل نہیں کرتا بلکہ آخر کار وہ مخالفانہ قوت پیدا کرکے قرآنی انقلابی مرکز کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے آپ کو روپے والا اور عزت والا مانتا ہے اور اس زعم میں وہ حق کی مرکزی طاقت کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک پیش گوئی

ان آیتوں میں یہ سمجھا دیا کہ یہ لوگ اسی کوشش میں ناکام رہیں گے اور قرآن کی طاقت کو توڑ نہیں سکیں گے۔ قرآن حکیم کی تحریک نہ روپے پیسے کی تنگی سے فیل ہوگی نہ اس کی مرکزی طاقت کو زمین سے مٹایا جاسکتا ہے چنانچہ مدنی انقلابی تحریک کی کامیابی ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے لیکن منافقین کا نام و نمود بھی نہ رہا۔

نفاق کا انسداد

اب ایسے اعمال بتائے جائیں گے کہ نفاق پیدا نہ ہو۔

(9) یایھا الذین لامنوا لا تلھکم اموالکم ولا لولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولٓئک ھم الخسرون○

ترجمہ: اے ایمان والو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کرپائیں اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ سخت نقصان میں رہیں گے۔

ذکر اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے۔

قرآن کے علوم کے حصول کو مقدم کرو

قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے مال اور اولاد کے بکھیڑوں کی وجہ سے پیچھے نہ رہ جاؤ ایمان حاصل کرنے کا صحیح طریق یہ نہیں ہے کہ پہلے اپنے بچوں کے لئے مال و زر جمع کرنے میں لگے رہو فرصت ملی تو قرآن بھی پڑھ لیا صحیح طریقہ عمل یہ ہے کہ اچھا وقت اور اچھی طاقت قرآن حکیم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں صرف کی جائے۔ پھر جو وقت اور طاقت بچ رہے وہ بال بچوں کے جھگڑوں اور دولت کے بکھیڑوں میں صرف کی جائے۔

ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخسرون○

جو شخص مال و دولت کے جھمیلوں کو ذکر اللہ پر مقدم کرتا ہے وہ دماغی قوت وغیرہ تو دولت کمانے میں صرف کرلیتا ہے اور جب اعضاء و قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے لاؤ تھوڑا سا قرآن بھی پڑھ لیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ نقصان میں رہیں گے انہیں حقیقی علم حاصل نہیں ہوگا وہ بظاہر تو قرآن حکیم کے عالم ہوں گے لیکن ان میں طاقت عمل نہیں ہوگی۔

وانفقوا من مارزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصلحین○

ترجمہ : اور ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خیرات کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ آثار موت کو مشاہدہ کرکے یوں کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہیں دی تاکہ میں خوب خیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔

مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو تاخیر نہ کرو

جس طرح ذکر اللہ کے سمجھنے میں تاخیر کرنے سے یہ نقصان پہنچتا ہے کہ صحیح معرفت دماغ میں نہیں بیٹھتی اسی طرح مال و دولت جو اللہ کے لئے صرف کرنی ہو (یعنی دینی کام پر لگانی ہو) اسے فورا دے ڈالنا چاہیے اس میں تاخیر کرنے سے بعض

اوقات برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے مثلاً انسان مرجاتا ہے اور مرتے وقت یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں اپنی دولت کسی اچھے کام میں صرف کرتا۔ موت کا وقت معلوم نہیں ہے اس لئے جو روپیہ اچھے کام میں صرف کرنا ہو اسے فوراً خرچ کر ڈالنا چاہیے تاکہ پھر یہ نہ کہنا پڑے کہ اگر میں زیادہ دن زندہ رہتا تو یوں کرتا اور اللہ کے سامنے جاکر یہ بہانہ بنائے کہ اگر مجھے مہلت ملتی تو یوں کرتا کچھ دن زندہ رہتا تو نیک بنتا اور مال دیتا اس وقت یہ سب بے سود ہوگا اس لئے جو کچھ کرنا ہے اب کرلو۔

(11) ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا واللہ خبیر بما تعملون

ترجمہ: اور جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ اس مال و دولت کی خاطر اس قانون کو بدل دے۔ جس کے مطابق اسے مارنا ہے؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ ان باتوں میں جلدی کرو!

جب انسان بنایا گیا اس وقت اس میں چند محدود قوتیں رکھی گئیں یہ مختلف سلسلے ہیں جن کے ماتحت یہ قوتیں رکھی گئیں ہیں اس حد بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کے مطابق وقت پر مرجاتا ہے جو حد بندیاں لگائی گئی ہیں وہ ایک سلسلہ عظیم کے ماتحت ہیں تو کیا اس کم دل کے چار پیسوں کی خاطر وہ سارے سلسلہ قانون کو بدل دے؟ یہ کبھی نہ ہوگا کہ قانون کے مطابق وقت آجائے تو اسے اور زندگی دی جائے اللہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

واللہ خبیر بما تعملون○

ایک استثناء

جو کچھ تم کرتے ہو اور جو تمہارے ارادے میں ہے اللہ سب کی تہہ تک سے واقف ہے۔ اگر کسی شخص نے اللہ کے کام میں روپیہ دینے میں کسی صحیح ضرورت کی وجہ سے تاخیر کی ہے مگر اس نے دینے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا اور اتفاق

سے وہ روپیہ دینے سے پہلے مرگیا تو اس کا یہ عمل ضائع نہ ہوگا البتہ بے ضرورت تاخیر کی پوچھ ہوگی۔

(سورۃ منافقون کی تفسیر تمام ہوئی)